The TEJ

ہندوستان کا بہترین
باتصویر

2 Annas

ILLUSTRATED WEEKLY



راشٹرپتی آزاد دہلی کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر

7TH JANUARY 1941 دہلی



مس ۔۔۔ فلم قیدی میں
۔۔۔ موتی ڈکیر میں چل رہا ہے



آج کی خبریں

جرمن بندرگاہ برین کی تباہی
برطانی جہازوں کی بمباری

لندن۔ ۴ر جنوری۔ تیسری مسلسل رات کو برطانی ہوائی جہازوں نے برین کی اہم جرمن بندرگاہ پر زور کا حملہ کیا۔ ہوائی وزارت کے اعلان میں بتایا گیا ہے کہ برطانی بمباروں نے بندرگاہ۔ بس کے کارخانوں۔ ہوائی جہازوں کے کارخانوں۔ تیل کے ٹینکوں پر بم گرائے۔ بار بار بمباری سے کئی جگہ بڑی آگ لگ گئی۔ جس میں بہت سی آگ سفید رنگ کی تھی۔ برطانی بمباروں کے ان تینوں حملوں نے برین کی اہم بندرگاہ کو بالکل تباہ کر دیا ہے۔ سامان اور جہاز بنانے کے کارخانے۔ تیل کے تالاب وغیرہ بالکل تباہ ہو گئے ہیں۔

پچھلے دنوں ہائم کو جو نقصان پہنچا تھا اس سے زیادہ برین کو نقصان پہنچا ہے۔ ایک برطانی جہاز واپس نہیں آیا۔

اطالوی مورچے توڑ دیئے گئے
یونانی فوجوں کی پیش قدمی

لندن ۴ر جنوری۔ ایتھنز کے اعلان میں بتایا گیا ہے کہ یونانی افواج نے کہیں کہیں چھاپے مارے درمیانی علاقہ میں یونانی افواج کو زیادہ فتح ہوئی یونانی اطالوی مورچوں کو توڑ کر اندر گھس گئے ہیں۔

برسٹل پر پھر جرمن بمباری
متعدد مقامات پر آگ لگ گئی

لندن۔ ۴ر جنوری۔ کل رات جرمن ہوائی جہازوں نے انگلینڈ میں برسٹل کے شہر پر بہت زور کا حملہ کیا۔ انھوں نے آگ لگانے والے اور دھماکے سے پھٹنے والے بہت سے بم گرائے جن سے عمارتوں کو بہت نقصان پہنچا۔ کئی جگہ آگ لگ گئی جو صبح تک بجھ دی گئی۔ زخمیوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ گرجاؤں۔ ایک کالج۔ ایک نرسنگ ہوم۔ ۵ سکولوں اور شہر کے دوسرے مقامات کو سخت نقصان پہنچا۔ لندن پر بھی تین بار ہوائی حملے کے خطرے کا اعلان کیا گیا۔ برطانیہ کے دوسرے حصوں میں بھی بم گرائے گئے مگر ان سے کم نقصان ہوا۔

بارڈیا پر زبردست برطانی حملے
اٹلی کی قلعہ بندی توڑ دی گئی

قاہرہ۔ ۴ر جنوری۔ انگریزی فوجوں،

ہوائی جہازوں اور سمندری جہازوں نے بارڈیا پر بڑے زور کا حملہ شروع کر دیا ہے۔ یہ حملہ ۹ میل لمبے مورچے پر کیا گیا ہے۔ قاہرہ کے برطانی بیان میں کہا گیا ہے کہ بارڈیا کی قلعہ بندیوں کو توڑ کر برطانوی افواج دو میل اندر گھس گئی ہیں۔

برطانی ہوائی جہاز گذشتہ ۲۴ گھنٹے برابر بمباری کر رہے ہیں۔ برطانوی سمندری بیڑے کے جہازوں نے بھی اس بندرگاہ پر زور کی گولہ باری کی ہے۔ کل ۵۰ ہزار اطالوی سپاہی گرفتار ہو چکے ہیں۔

جمعرات کو آسٹریلیا کی افواج نے جو حملہ کیا تھا اس کے بارے میں اب خبر ملی ہے کہ یہ حملہ صبح کے وقت جنوب مغربی کنارے پر کیا گیا۔ انھوں نے ۵ میل تک نہری سے گھس کر چاروں طرف کی چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ ایک چوکی میں خاردار تار کی باڑیں لگی تھیں۔ لیکن آسٹریلین افواج انھیں کاٹتی ہوئی اندر گھس گئیں۔

برطانی ہوائی جہازوں نے بارڈیا پر جو بمباری کی ہے اسے افریقہ کی لڑائی کی سب سے بھاری بمباری کہا گیا ہے۔

تبروک اور گزالہ پر بھی بھاری بم گرائے گئے جہاں فوجی عمارتوں میں بڑی آگ بھڑک اٹھی۔ ایک اطالوی سمندری کشتی کو نیچے گرا لیا گیا اور دو ہوائی جہازوں کے اترنے کے مقامات پر بھی بم گرائے گئے جہاں کھڑے ہوئے تین اطالوی جہاز برباد ہو گئے۔

سردار سمپورن سنگھ
ستیاگرہ کی تربیت حاصل کرینگے

لاہور۔ ۴ر جنوری۔ سردار سمپورن سنگھ لیڈر کانگریس پارٹی پنجاب اسمبلی آج اپنی اہلیہ کے ساتھ براستہ ٹاٹا نگر واردھا تشریف لے گئے۔ خیال ہے کہ آپ وہاں ستیاگرہ کی تربیت حاصل کریں گے۔ (ی۔ پ)

ہز ایکسیلنسی تائی چی تاؤ
پنڈت جواہر لال نہرو کے لئے دعائے خیر

الہ آباد۔ ۴ر جنوری۔ ہز ایکسیلنسی ڈی چی تاؤ نے چین روانہ ہوتے وقت پنڈت جواہر لال نہرو کی ہمشیرہ مسز ہٹھی سنگھ کو مندرجہ ذیل تار ارسال کیا ہے۔

"آپ کی ۔۔۔ نوازی کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہندوستان اور اپنے دوستوں سے علیحدہ ہوتے ۔۔۔ مجھے بہت رنج ہے ۔۔۔ پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات نہیں ہو سکی مہربانی کر کے ۔۔۔ پنڈت تک میری نیک خواہشات اور نیک دعائیں پہنچا دیجئے۔" (ی۔ پ)

دہلی میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ

نئی دہلی۔ ۴ر جنوری۔ عید اور محرم کے تہواروں پر پیش بندی کے طور پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ دہلی نے دہلی۔ نئی دہلی اور نوٹیفائڈ ایریا کی حدود میں دو ماہ تک دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا حکم جاری کیا ہے جس کی رو سے لاٹھی ہتھیار لیکر چلنا اور عام مقامات پر پتھر وغیرہ جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ (ی۔ پ)

کملا نہرو ہسپتال کا افتتاح
مہاتما جی ادا فرمائیں گے

الہ آباد۔ ۴ر جنوری۔ امید ہے کہ مہاتما جی جنوری کے آخری ہفتہ یا فروری کے شروع ہفتہ میں الہ آباد تشریف لائیں گے اور کملا نہرو ہسپتال کا افتتاح کریں گے۔ ہسپتال اب مکمل ہو گیا ہے۔ مہاتما جی نے اس کا سنگ بنیاد اکتوبر ۱۹۳۹ء میں رکھا تھا۔ ڈاکٹر جیوراج مہتہ بمبئی سے ۸ر جنوری کو یہاں آ رہے ہیں تاکہ اس کے مکمل انتظامات کا معائنہ کر سکیں۔ ڈاکٹر مسز موز مدار کشمیر سے ہسپتال کی سپرنٹنڈنٹ بنکر آ رہی ہیں۔ (ی۔ پ)

معمہ ۱۹ کے داخلہ کی آخری تاریخ میں توسیع

مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر جو خاص اہمیت رکھتے ہیں معمہ نمبر ۱۹ کے داخلہ کی آخری تاریخ میں ایک ہفتہ کی توسیع کی جاتی ہے:۔

(۱) بہت سے حضرات نے لکھا ہے کہ چونکہ یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو تمام پوسٹ آفس بند تھے اس لئے معموں کے حل رجسٹرڈ لفافوں میں یا منی آرڈر کی فیس بذریعہ منی آرڈر نہیں بھیجی جا سکتی تھی

(۲) اکثر حضرات نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ چونکہ وہ افسانہ نمبر کے معموں کے فارم اس سبب نہیں کاٹ سکتے تھے کہ ان کی پشت پر افسانہ درج ہے اس لئے وہ مزید فارموں کے لئے تیج ویکلی کا ایک مزید پرچہ چاہتے ہیں۔

اب داخلہ کی آخری تاریخ ۱۰ جنوری یاد رکھئے۔ (منیجر)

ڈاکٹر چوئتھرام واردھا میں

واردھا ۴ر جنوری۔ ڈاکٹر چوئتھرام گڈوانی صدر سندھ پراونشل کانگریس کمیٹی جو آج کل یہاں تشریف رکھتے ہیں آپ کل مہاتما جی سے ملاقات کرینگے۔ انھیں سندھ کی سیاسی صورت حالات سے آگاہ کرینگے نیز ستیاگرہ کرنے کی اجازت حاصل کرینگے۔ (ا۔ پ)

احرار لیڈر کی گرفتاری

لاہور ۴ر جنوری۔ مسٹر عبد الغفار غزنوی احرار لیڈر کو آج ستیاگرہ کرنے کے سلسلہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۶ر جنوری کو آپ کے مقدمہ کی سماعت ہوگی۔ (ا۔ پ)

کماری اندرا نہرو لندن میں

الہ آباد۔ ۴ر جنوری۔ کماری اندرا نہرو سے متعلق تازہ ترین اطلاع سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اب لندن میں ہی ہیں۔ ۔۔۔ کماری اندرا نہرو ابھی لندن میں ہی ہیں اور ان کی روانگی کی تاریخ ابھی معین نہیں ہے کیونکہ روانگی میں نشست ملنا کافی مشکل ہے۔ آپ یہاں پر خوش و خرم ہیں۔ (ا۔ پ)

پنڈت کرشن کانت کی نعش الہ آباد میں

الہ آباد۔ ۴ر جنوری۔ پنڈت کرشن کانت مالویہ ممبر مرکزی اسمبلی جو کل دہلی میں سورگباش ہو گئے تھے کی نعش الہ آباد لائی گئی۔ ارتھی کل اٹھائی جائیگی۔ (ا۔ پ)

یو۔ پی کے ستیاگرہیوں کی فہرست
پندرہ سو آدمی ستیاگرہ کرینگے

لکھنؤ۔ ۴ر جنوری۔ مہاتما جی نے یو۔ پی کے ستیاگرہیوں کی دوسری فہرست جو پندرہ سو آدمیوں پر مشتمل ہے پاس کر دی ہے۔ اب ۶ر جنوری سے اس فہرست کے مطابق ستیاگرہ شروع ہوگا۔ (ا۔ پ)

شریمتی جانکی بائی آپٹے ستیاگرہ کرینگی

احمد نگر۔ ۴ر جنوری۔ احمد نگر کے ستیاگرہیوں کی جو دوسری فہرست مہاتما جی نے منظور کی ہے اسمیں ۱۳ آدمی شامل ہیں جن میں چار دیویاں بھی ہیں۔ اس فہرست کے ستیاگرہیوں کی رہنمائی ۶ر جنوری کو شریمتی جانکی بائی آپٹے کرینگی۔ (ی۔ پ)

تھانہ۔ ۴ر جنوری۔ مسٹر آر۔ جی۔ سوما ڈپٹی پریذیڈنٹ بمبئی کونسل اور مسٹر شنکر راؤ ساٹھے ممبر اسمبلی ۶ر جنوری کو یہاں ستیاگرہ کریں گے۔ (ی۔ پ)

ہفتہ کی اہم مختصر خبریں

جرمن ہوائی جہازوں نے لنڈن پر پھر حملہ کیا اور ساحل ٹیمز کے دو شہروں پر بم گرائے۔ گو کچھ مکان برباد ہو گئے مگر مرنے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ لنڈن حملہ کا خاص نشانہ رہا۔ جرمنوں نے آگ لگانے والے بہت سے بم [illegible] پھینکے [illegible] بے اثر کر دئے۔

[illegible] ملک کے [illegible] حالت [illegible] کا نام [illegible] کیا گیا ہے۔ [illegible] سلطان [illegible] خلاف [illegible] مشتہر [illegible] گیا ہے [illegible] [illegible] سے [illegible] گیا ہے [illegible] [illegible] کی [illegible] سلسلہ [illegible] سزا موت دی گئی [illegible] سزا سے قید دی گئی۔

"کچھ امریکنوں کا خیال ہے کہ یورپ اور ایشیا میں [illegible] ہونے والوں کا ہمیں کوئی خیال نہیں ہے لیکن [illegible] [illegible] کہ یورپ اور ایشیا میں لڑائی [illegible] والوں کو ان ملکوں پر تسلط حاصل ہو [illegible] امریکہ تک پہنچیں گے" ان الفاظ میں [illegible] صدر جمہوریہ امریکہ نے قوم کے نام [illegible] تقریر براڈکاسٹ کی۔

اتوار کی رات کو انگریزی ہوائی جہازوں نے [illegible] پر زبردست حملہ کیا۔ بم بندرگاہوں کی گودیوں [illegible] پر گرے۔ اطالوی ہائی کمانڈ نے [illegible] میں یہ حملہ تسلیم کیا ہے۔ اس کے بیان میں بتلایا ہے کہ بمباری سے بہت سی عمارتیں تباہ ہو گئیں اور

[illegible] [illegible] ہوائی [illegible] [illegible] بھی [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] زبردست [illegible] [illegible] [illegible] حملہ [illegible] درمیان [illegible] [illegible] [illegible] کا [illegible] [illegible] [illegible] محاصرہ کر رکھا ہے۔

[illegible] جاری [illegible] لوگوں کو جو [illegible] کے سب گرجوں کی [illegible] [illegible] پولیس نے [illegible] گرفتار کر لیا۔ معلوم ہوا ہے [illegible] گرفتاری [illegible] سابقہ تقریر کی بنا پر [illegible] تھی [illegible] گرفتار کر لیا گیا ہے۔

جرمنی سے یہاں جو تازہ ترین خبریں پہنچی ہیں ان سے اس خبر کی تصدیق ہو گئی ہے کہ جرمن فوجیں بہت بڑے پیمانہ پر نقل و حرکت کر رہی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جرمن فوجیں بہت بڑی تعداد میں [illegible] رہی ہیں

البانیہ میں دیرین فوجیں تیز [illegible] دو میل [illegible] گئی ہیں۔ [illegible] کے محاذ پر [illegible] فوج کے متعدد ڈویژن [illegible] پہنچ گئے ہیں اور ایک ڈویژن [illegible] کے [illegible] پہنچ گیا ہے۔

[illegible] کہ لڑائی کی حالت [illegible] لڑائی شروع ہوئی ہے [illegible] مسٹر چرچل [illegible] براڈکاسٹ [illegible] [illegible] کبھی لڑائی [illegible] تیار تھا۔ ابھی تک ہم ہم مسلح ہیں لیکن نیا سال ختم ہونے سے پہلے ہم مکمل طور پر مسلح ہو جائیں گے۔

اطالوی ہائی کمانڈ نے ایک بیان میں بتلایا ہے کہ اطالوی ہوائی جہازوں نے یونانیوں کے خلاف شدید سرگرمی جاری رکھی۔ انہوں نے [illegible] بندرگاہوں اور فوجی [illegible] اور [illegible] ہوائی اڈوں پر بمباری کی۔

شانت سا گرمیں جاپان موجودہ صورت حالات کو اور زیادہ خطرناک نہیں بنانا چاہتا بشرطیکہ اس کا اپنا وجود خطرہ میں نہ پڑ جائے" یہ ہے وہ رائے جو جاپان کے وزیر محکمہ اطلاعات نے سویڈن کے ایک اخباری نمائندہ سے ظاہر کی۔ وزیر موصوف نے مزید کہا کہ جاپان کی پالیسی محوری طاقتوں کے ساتھ میل جول پر مبنی ہے وہ کسی قوم کے خلاف نہیں ہے اس میں وہ کم سے کم رشتے [illegible] جو کہ جاپان کے وجود کے لئے ضروری ہیں۔

بدھوار کی رات کو [illegible] کے شمال میں ۲۰ میل کے فاصلہ پر [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] بم گرائے [illegible] معلوم ہوا ہے کہ کوئی نقصان نہیں ہوا۔ [illegible] کے قریب بھی ہوائی جہاز دکھائی دیا۔ اس سلسلہ میں [illegible] ذکر ہے کہ [illegible] معلوم ہوا کہ ہوائی جہاز [illegible] رہے ہیں۔

اطالوی قیدیوں کا پہلا دستہ مصر سے [illegible] پہنچ گیا ہے۔ اس دستہ میں چار جرنیل ۲۰۰ افسر اور [illegible] سپاہی شامل ہیں۔ [illegible] کرنل سے بتلایا کہ ان میں توپچیوں انجینئروں کے علاوہ سیاہ پوش دلی فوج کے سپاہی بھی [illegible] یہ لوگ مصر سے ۱۲ روز میں بمبئی پہنچے ہیں۔ چار جرنیلوں کے سوا سب باقی لوگوں کو رام گڈھ میں نظر بند کیا جائے گا۔

[illegible] آباد ریلوے اسٹیشن پر مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس کو ایک تقریر کے سلسلہ میں جو انہوں نے ۳۱ دسمبر کو کی تھی ڈیفنس آف انڈیا رولز کی دفعہ ۳۸ کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔

دنیا کس مرض میں مبتلا ہے؟

اسے کامیابی کی راہ تلاش کرنی چاہیے

مشہور فلاسفی سر ایس رادھا کرشنن وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی کا مضمون

اس وقت جبکہ دنیا مطلق العنان فرمانرواؤں کی گرفت میں آگئی ہے اور انہیں کے ہاتھوں تباہ و برباد کی جا رہی ہے اور جبکہ انسان کے جارحانہ جذبات کم ہونے کی بجائے زیادہ ابھرتے اور پھیلتے جا رہے ہیں اور جارحانہ حملوں کا میدان وسیع تر ہوتا جا رہا ہے [illegible]

[illegible]

دولت کی صحیح تقسیم

[illegible]

افکارِ عالیہ

از نواب سراج الدین خان صاحب سائل دہلوی

[illegible]

اس ہفتہ کیلئے ایک خیال: ہندوستان کا سیاسی مطالبہ فرقہ وارانہ سوال نہیں

[illegible]

[illegible] اور صحیح زندگی کو سمجھنے اور اسے حاصل کرنے کی تعلیم دی جانی چاہیے اور ان کے دلوں میں [illegible] اچھی خواہشات کی طلب پیدا کرنی چاہیے۔

لیکن اگر دنیا اس وقت [illegible] کے غاروں میں گر گئی ہے اگر نوجوان اور جوان لوگ جو صرف محبت اور رحم کے جذبات کے لئے پیدا کئے گئے تھے آسمانوں سے بم برسا رہے ہیں اور معصوم عورتوں [illegible]

[illegible] زخمی کر رہے ہیں [illegible] اس تعلیم [illegible] سے محروم کر دیا گیا ہے۔

قبائلی حب الوطنی

جنگ کے بنیادی اسباب خود ہمارے [illegible]

[illegible] قبائلی حب الوطنی [illegible] قدیم یونان [illegible] باشندوں کو ہدایت کرتا ہے کہ [illegible] عزت کو وہ اپنے لئے مخصوص کر لیں اور شہر [illegible]

[illegible]

جزائر شرق الہند کی جنگی اہمیت

(از جناب عشرت علی صدیقی)

۱۹۳۷ء میں جاپان سے آواز آئی تھی کہ وہ مشرقی ایشیا میں ایک نیا نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس سے مشرقی ممالک کو یہ دکھلایا گیا تھا کہ جاپان کا منشا ہے کہ ایشیا یورپ والوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے اور اس طرح ان ملکوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی،

اس مشرقی ایشیائے اعظم میں جاپان، مینچوکو، اندرونی منگولیا، چین، فرانسیسی انڈو چین، سیلم، ملایا اور الہند کے جزائر شرق الہند شامل ہیں ان میں سے جاپان، مانچوکو اور فرانسیسی انڈو چین کو ہڑپ کر چکا ہے۔ اندرونی منگولیا، چین اور سیلم میں جنگ جاری ہے، چین کو فی الحال کامیابی کی کوئی امید نہیں ہے اب رہ گئے ملایا اور جزائر شرق الہند، ان میں سے جزائر شرق الہند کا نمبر پہلا ہے اس لئے کہ ہالینڈ کی ہار کے بعد ان کا کوئی والی وارث نہیں ہے، اور جاپان کو امید ہے کہ وہ ایک ہی حملے میں ان کو دبوچ لیگا۔

جزائر شرق الہند خط استوا کے ارد گرد پھیلے ہوئے ہیں اپنی زرخیز زمین اور معدنی دولت کے لحاظ سے یہ مشرق بعید کا سب سے زیادہ مالدار خطہ کہلاتا ہے۔ قدرت نے یہاں انتہائی لاپروائی سے دولت کی بارش کر دی۔ اور یہ دولت چھوٹے چھوٹے خطوں میں بکھری، مشرق و مغرب کے لئے جاذب نظر بنی ہوئی ہے

اس خطہ میں ساری دنیا کی ۲۵ فی صدی ربڑ ۸۰ فی صدی ٹین پیدا ہوتی ہے اور پٹرول کی نکاسی مشرق بعید کے تمام دوسرے خطوں کی مجموعی نکاسی سے بھی زیادہ ہے، گنا، چائے، کافی، قہوہ، دھان تمباکو، ناریل اور لکڑی بھی افراط سے پیدا ہوتی ہے سماٹرا، بورنیو اور جاوا میں سنکونا (جس سے کونین بنتی ہے) کی کثرت ہے، معدنی پیداوار میں سونا، کوئلہ، لوہا، جستہ اور سیسہ قابل ذکر ہیں،

فرانس اور ہالینڈ کی ہار کے بعد سے جاپان ادھر للچائی نظریں ڈالنے لگا۔ اور اسکے نئے نظام کے منصوبے نے مشرق بعید کو جنگ سے بہت قریب کر دیا ہے اس خطہ میں جاپان کا سامنا برطانیہ اور متحدہ امریکہ سے ہے برطانیہ پہلے ہی سے جاوا، سماٹرا، بورنیو اور کئی چھوٹے چھوٹے جزیروں پر قابض ہے اور ہالینڈ کی ہار کے بعد سے اس نے اسکے غلام ملکوں کو بھی اپنی پناہ میں لے لیا ہے وہ ان جزیروں پر جاپان کا قبضہ کسی حال میں برداشت نہیں کر سکتا، اس محاذ پر اسے متحدہ امریکہ سے بھی امداد ملنے کی امید ہے اس لئے کہ جاپان کے نئے عزائم نے متحدہ امریکہ کو جنگ سے بہت قریب کر دیا ہے، اور ممکن ہے کہ وہ جاپان جرمنی اور اٹلی کے اتحاد کی کاٹ کرنے کے لئے کھلم کھلا یا چھپے چھپے برطانیہ کے ساتھ آ جائے، اسے جاپان سے دو خطرے ہیں ایک تو یہ کہ جاپان کے جنوب میں اسکے جزائر فلپائن واقع ہیں اور دوسرے یہ کہ ان جزیروں سے امریکہ کو ربڑ، چائے، لکڑی، ٹین کونین اور بجلی تک کا سامان جاتا ہے اور اگر یہ چیزیں جانا بند ہو گئیں تو امریکہ کی تجارت کو بڑا نقصان ہوگا اور اس کا اقتصادی شیرازہ بکھر جائیگا،

جزائر شرق الہند میں سب سے زرخیز اور دولتمند خطہ ملایا، سماٹرا اور جاوا کا ہے جو برطانیہ کے زیر حکومت ہے جاپان جو بھی پیش قدمی کریگا اس کا فوری مقصد چاہے کچھ ہو لیکن مطمح نظر یہی ہوگا کہ ان جزیروں کو حاصل کر لیا جائے، البتہ اگر جاپان میں اتنی سکت ہوئی جاپان نے حملہ کرنے کی ٹھانی تو اس کا رخ کیا ہوگا؟ حملہ خشکی کے راستے سے ہوگا یا سمندری راستے سے؟ خشکی کے راستے سے فرانسیسی انڈو چین (جو جاپان فتح کر چکا ہے) اور سیلم (جہاں ابھی لڑائی ہو رہی ہے) ہو کر برما اور ملایا کے درمیان کی پٹی طے کرنا ہوگی، یہ راستہ بہت ہی دشوار گذار ہے بالکل پہاڑی سلسلہ اور بیچ بیچ میں بے انتہا گھنے تاریک جنگل بارہ ماسی بارش، جان لیوا دلدل اور خطرناک مچھروں اور ڈانسوں نے اسے ابھی تک انسان کی دسترس سے باہر رکھا ہے اس لئے جاپان کے ادھر سے آنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے،

اب صرف دیگر سمندری راستہ رہ گیا ہے جس سے جہازوں سے حملہ کیا جا سکتا ہے مقابل میں جاپان کے دو سمندری اڈے ہیں ایک فارموسا میں، جو جاپان نے ۱۸۹۵ء میں چین سے چھینا تھا اور دوسرا ہینان میں جو اس نے پچھلے سال چین لیا ان دو اڈوں کے مقابلہ میں چین کے مشرقی ساحل پر ہانگ کانگ میں برطانیہ کا سمندری اڈہ ہے جہاں اب امریکن فوجیں مقیم ہیں اگرچہ یہ اڈہ چاروں طرف سے جاپانی مقبوضات اور سمندری اور خشکی کے اڈوں سے گھرا ہوا ہے، تاہم اسکو ایسے ڈھنگ پر بنایا گیا ہے کہ یہاں سے جاپانی بیڑے کو کافی نقصان پہونچایا جا سکتا ہے۔

نہر سوئز کیلئے جدوجہد

اس نہر کی سیاسی اہمیت کا راز

(ظ)

از قلم مسٹر دھرم یش دیو

"آجکل جبکہ ہر بڑی طاقت
دنیا پر چھا جانے اور وسیع
... کی فکر میں ہے
اس نہر کی اہمیت بڑھ گئی
ہے ... معلوم ہوگا"

نہر سوئز کی سیاسی اور فوجی اہمیت کا اندازہ بار بار کے ... کرایا جا چکا ہے بحیرہ روم کے مغرب کے دروازہ پر اگر جبرالٹر کی چٹان سلطنت برطانیہ کی حفاظت کر رہی ہے تو دوسری طرف مشرق کی طرف ... ہے۔ اگر ... میں وزیراعظم ... آجکل اس نہر کے ۴۴ فی صدی حصص ... مصر ... کے قبضہ میں اس وقت ... اور ... سلطنت برطانیہ کی ... حل ہو رہی۔ اس نہر پر قبضہ اور انتظام ... برطانیہ کو حاصل ہو گیا جس کی وجہ سے ہندوستان اور دیگر مشرقی علاقوں تک برطانیہ کے ... بہت ہی قریب اور سہل ہو گیا اگر ... آنے کا راستہ صرف راس امید (افریقہ) کے گرد سے ہو کر ... تو مشرق میں برطانیہ کی طاقت ... سے قطعی مختلف ہوتی۔

نہر قدیم عہد میں!

آپ کرۂ زمین کے مشرقی نصف کو دیکھئے تو آپ کو اس چھوٹے سے تنگ قطعۂ زمین کی اہمیت معلوم ہو جائیگی جو افریقہ کو ایشیا سے ملاتا ہے اس چھوٹے سے ٹکڑے نے ہمیشہ مشرق کو مغرب سے جدا کرنے اور انہیں الگ الگ بستیاں بنانے میں مدد دی ہے گذشتہ زمانہ میں مشرق اور مغرب کے جو لوگ سمندروں میں رہتے اور بحری معاش پر گذر کرتے تھے محض اس ٹکڑے کے بیچ میں حائل ہونے کی وجہ سے کبھی ایک دوسرے کے قریب نہ آ سکے، جب تک راس امید (افریقہ) کا علم نہ ہوا مشرق کے جہازراں مغرب کے جہازرانوں سے یکسر الگ تھلگ رہے ان کی اپنی ایک دنیا تھی اور ان کی ایک اپنی۔

لیکن قدیم ترین تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہماری نگاہیں فرعون مصر کے زمانوں تک پہنچتی ہیں جبکہ مسیح کی پیدائش سے عرصہ دراز قبل بہت سے فرعونوں نے اس بات کا اندازہ کیا تھا اور نقشے بنائے گئے تھے، کہ ان دونوں سمندروں کو آپس میں کس طرح ایک کر دیا جائے کہا جاتا ہے کہ سیاسٹرس اور دارا کے زمانہ میں ان فرعونوں کے حکم سے نہریں کھودی گئیں اور لال سمندر کے پانیوں کو دریائے نیل کے راستہ سے بحیرہ روم سے ملایا گیا۔ تو سب قدیم زمانہ کی باتیں ہیں لیکن آجکل ہم جس معقول چیز کو بالکل آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں وہ نہر سوئز ہے اس نہر کی تعمیر کا سہرا ایک فرانسیسی فرڈیننڈ لیسپز کے سر ہے جو ایک وسیع النظر اور صاحب حوصلہ آدمی تھا۔

فرانسیسی اسکیم!

۱۸۵۴ء میں اس شخص نے خدیو مصر سے نہر کھودنے کی اجازت لے لی لیکن آخری اجازت حکومت ترکی سے ملنی باقی تھی جس کے ماتحت مصر اس زمانہ میں ایک صوبہ تھا ۱۸۶۶ء میں یہ اجازت ملی اس اثناء میں اس نے کچھ روپیہ جمع کر کے نہر کا کام در اصل شروع کر بھی دیا تھا۔

نہر مکمل ہو گئی اور اس کا باقاعدہ افتتاح نومبر ۱۸۶۹ء میں ہوا اس وقت تک فرڈیننڈ لیسپز کی کمپنی کو اس سلسلہ میں ۴۴ ملین فرانک برداشت کرنے پڑے تھے، اس اثناء میں اس شخص کو طرح طرح کی مشکلات سے بھی واسطہ پڑا مگر باوجود پریشانی اور مشکلات نے اس کی ہمت نہیں گھٹائی، سیاسی اور مالی دونوں قسم کی مشکلات اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرتی رہیں مگر یہ ہمت والا شخص اپنی دھن کا پکا تھا، اپنے کام کو برابر کئے جا رہا تھا حکومت برطانیہ نے بالخصوص اس نہر کی تعمیر پر بہت مبالغہ اور مخالفت کی،

لیکن جوں ہی یہ نہر جاری ہوئی حکومت برطانیہ کے رویہ میں تبدیلی پیدا ہو گئی، برطانیہ نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس نہر کے انتظام اور قبضہ کے سلسلہ میں اس نے غفلت کی تو یہ شاہراہ حیات ہاتھ سے جاتی رہے گی اور اس سے جو فائدے پہنچ سکتے تھے وہ ان سے محروم ہو جائیگا علاوہ ازیں یہ بھی خطرہ تھا کہ ایک بحری طاقت جو دوست ہے کل برطانیہ کی دشمن ہو گئی تو اس کے پاس نہر کا ہونا برطانیہ کے لئے سخت مضرت رساں ہوگا جیسا کہ اوپر کہا گیا نہر بننے کے چھ ہی سال بعد ڈسرائیلی برطانوی وزیراعظم نے درحقیقت اس نہر کو خرید لیا یعنی خدیو مصر کے جس قدر حصے اس نہر کمپنی میں تھے وہ سب کے سب برطانیہ نے خرید لئے، ۱۸۷۵ء سے مصر اور نہر سوئز برطانیہ کے لئے نہایت اہم اور دلچسپی کا موضوع بن گیا۔ اور مشرقی پالیسی کا ایک اہم عنصر نہر سوئز ہو گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ترکی سلطنت (عثمانی حکومت) کا زوال ہو رہا تھا۔ مصر اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح حکومت ترکی سے آزاد ہو جائے چنانچہ ۱۸۸۲ء میں اس نے ترکوں سے بغاوت کی اور اس سے برطانیہ نے خوب فائدہ اٹھایا چنانچہ اس نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ نہر کے ۴۴ فی صدی حصوں نے برطانی طاقت کو مصر میں لے آنے میں مدد دی، اور جبکہ مصر پر برطانیہ کا قبضہ ایک واقعہ اور حقیقت بن گیا تو یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ چونکہ یہ کمپنی فرانسیسی ملکیت میں تھی لیکن عملی پہلو اور حقیقت کے اعتبار سے اس کے انتظام اور قبضہ و حفاظت کا معاملہ سارے کا سارا برطانیہ کے دست قدرت میں تھا بالخصوص کسی نازک موقعہ پر، مگر صورت حال اس قدر آسان نہیں ہو گئی تھی جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے ۱۸۸۸ء میں قسطنطنیہ میں "قانون نہر سوئز" بنایا گیا، اور اس پر سب کے دستخط ہو گئے، یہ اسکیم بھی فرڈیننڈ کے اچھوتے تخیل کا نتیجہ تھی، اس کی رو سے نہر سوئز تمام دنیا کی اقوام کے لئے ایک غیر جانبدار استعمال کی شاہراہ تسلیم کی گئی جس میں ہر قوم و ملک کے جہازوں کی آمد و رفت کی کھلی اجازت تھی خواہ حالت امن ہو یا حالت جنگ!

زمانہ جنگ میں نہر سوئز

۱۹۱۴-۱۸ء کی جنگ عظیم میں ترکی نے اتحادیوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا جس کے نتیجہ کے طور پر برطانیہ نے ترکی کو مصر سے باہر نکال دیا اور مصر کو ایک برطانوی محفوظ قرار دے دیا۔

نہر سوئز میں کسی قسم کی جنگی مٹھ بھیڑ کی اجازت نہیں دی گئی، دشمنوں کے جہازوں کو اس میں پناہ لینے کی اجازت نہ تھی، ۳ فروری ۱۹۱۵ء کو ترکوں کا ایک فوجی لشکر چند گھنٹوں کے لئے اس کے کنارے چلکر مصر پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا لیکن اُسے شکست دیکر ہٹا دیا گیا اور نہر بند کر دی گئی، جنگ کے بعد سے نہر سوئز کی پُرامن تاریخ میں صرف دو مرتبہ مداخلت ہوئی ہے اور ان دونوں کی ذمہ داری اٹلی پر ہے، جو مسولینی کے زیر حکومت آنے سے بحیرہ روم کی ایک اہم طاقت بن گئی تھی اور مشرقی افریقہ میں اس کی سلطنت برابر بڑھ رہی تھی اور اس وجہ سے اس نہر کی اسے بھی ضرورت تھی،

حالیہ چند برسوں میں اٹلی نے اس نہر کا استعمال بہت زیادہ کر دیا تھا اور مسولینی اس بات کا سخت متمنی تھا کہ کسی طرح اس نہر کے کنٹرول میں میرا ہاتھ بھی ہو جائے ہر سال اٹلی کو آمد و رفت کے محصول اور دیگر رسومات کے سلسلہ میں بہت کافی رقمیں دینی پڑتی تھیں حبش کے حادثہ سے کچھ ہی قبل اور اسکے فوراً ہی بعد چار سال کے عرصہ میں اٹلی کو اس نہر کے ذریعہ ۰۰۰,۲۵ سپاہ اور ۰۰۰,۲۰ ٹن جہازی سامان منتقل کرنا پڑا تھا اس سلسلہ میں اسے فی ٹن دس فرانک اور فی مسافر دس فرانک ادا کرنے پڑتے تھے،

حصوں کا معاملہ!

اس لڑائی سے قبل حکومت برطانیہ کے پاس ۵۰ فی صدی سے کم اس نہر کے حصے تھے اور انتظام فرانسیسی ہاتھ میں تھا، اس کمپنی کے ۳۲ ڈائرکٹر تھے جن میں سے ۱۰ برطانی، ۲۱ فرانسیسی اور ایک ڈچ تھا، مگر ۱۹۳۸ء میں دو فرانسیسی ڈائرکٹروں کی جگہ حکومت مصر کے دو نمائندے لئے گئے اور حکومت مصر کو نہر کمپنی سے ۳۰۰,۰۰۰ پونڈ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ اور بتدریج مصری ملازمین کا تناسب بڑھانے کی تجویز منظور کی گئی، اصل اجازت نامہ ۱۹۶۸ء میں ختم ہونا تھا جس کے بعد نہر حکومت مصر کی ملکیت ہو جاتی، لیکن اب جنگ کے معاملات نے ان تمام انتظاموں کو پلٹ دیا ہے مستقبل ابھی تک غیر یقینی ہے اور اس نہر کے ریتیلے ساحلوں پر جب تک ایک زبردست خونریز لڑائی نہ ہو گی، اس کا حل نہ ہوگا۔ یقین ہے کہ یہ مستقبل کچھ زیادہ دور نہیں ہوگا۔

دلچسپ معلومات

پچھلے سال میں سرکاری ڈاکٹروں نے بارہ ہزار گاؤں میں ڈیڑھ لاکھ دیہاتیوں کا علاج کیا،

اس وقت ہندوستان میں اوسطاً ۲۰ ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں ایک گریجویٹ نکلتا ہے،

کہتے ہیں لاہور کے نئے اسمبلی چیمبر کی عمارت میں چھ جوڑی دروازوں پر ۲۴ ہزار روپے خرچ آئے ہیں؟

اس وقت پنجاب میں ۲۰ ہزار میل کی سڑکیں ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ماتحت ہیں جن میں سے ۱۲ ہزار میل سڑکیں پکی بنی ہوئی ہیں۔ تین ہزار میل سڑکیں محکمہ تعمیرات کے ماتحت ہیں کہتے ہیں ان سڑکوں کو مرمت اور داشت پرداخت پر ۴۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوتا ہے اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کی ۲۰ ہزار میل کی سڑکوں پر صرف ۲۳ لاکھ روپیہ خرچ ہوتا ہے،

کہتے ہیں کہ لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر جس کی لمبائی صرف ۱ میل ہے ۳۴ ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے،

محکمہ تعمیرات کی تین ہزار میل کی سڑکوں پر جو موٹر لاریاں چلتی ہیں اُن کے اور پٹرول کے محصول کی آمدنی ۲۳ لاکھ روپیہ سالانہ ہے،

ہوا میں اڑنے والا بندر

دنیا میں بندر کی ایک ایسی عجیب و غریب قسم بھی ہے جو پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑتی پھرتی ہے بندروں کی یہ عجیب و غریب قسم ہانگ کانگ میں پائی جاتی ہے

چنے ہوئے پھول

(از حضرت جگر مرادآبادی)

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی
نقاب اٹھا کہ بدل دو فضا زمانے کی

ہزاروں کو مٹا کر دیا مجھے اک درد
اس ایک درد کو پھر دل بنا دیا تو نے

مجھ ناتواں عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا
دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا

دیتے رہے ہیں تسلیاں وہ ہر ایک تازہ پیام سے
کبھی آ کے منظرِ عام پر کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے

وہ بھی نکلی اک شعاعِ برقِ حسن
میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا

شروع راہِ محبت ارے معاذ اللہ
یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

قدم بڑھے جو ذرا جادۂ وفا سے کہیں
ہر ایک ذرہ پکارا کہ دیکھتا ہوں میں

کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں اے واعظ
میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا

قفس کے سامنے بجلی کچھ اس طرح چمکی
نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی

موت کی نیند چھائی جاتی ہے
کہہ چکا میں فسانۂ غم کیا

اٹھا نہ دیدۂ بلبل سے پردۂ حیرت
ہلاک ہو گئی کم بخت رنگ و بو کے لئے

میں گنا ہگارِ جنوں میں نے یہ مانا لیکن
کچھ ادھر سے بھی تقاضائے نظر ہوتا ہے

تو سامنے ہے پھر بھی بتلا کہ تو کہاں ہے
کس طرح تجھ کو دیکھوں نظارہ درمیاں ہے

چند نفع بخش صنعتیں

زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ حسن و آرائش کا معیار بھی ترقی کر رہا ہے۔ اس کالم میں ایسی اشیاء بنانے کے طریقے درج کئے جاتے ہیں جو بناؤ سنگار میں کام آتی ہیں بیزگار نوجوان معمولی سی محنت اور سرمایہ سے تیار کر کے روزی کما سکتے ہیں اور دوسرے اصحاب انہیں خود تیار کر کے بچت کر سکتے ہیں

پوڈر بازار میں کئی قسم کے پوڈر بکتے ہیں یہ سب کے سب ایک قسم کے پتھر سے بنتے ہیں جسے دودھیا پتھر کہتے ہیں۔ یہ پتھر عام طور پر جبلپور میں ملتا ہے، اور اس کے بنے ہوئے کٹورے اور چھوٹے چھوٹے برتن عام طور پر ہمارے گھروں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس پتھر کو کوٹ کر اچھی طرح پیس لیں اور جو سفوف تیار ہو کپڑے میں چھان کر حسب پسند خوشبو ڈال لیں نہایت عمدہ پوڈر تیار ہو جائیگا اب اسے ڈبوں میں بھر کر فروخت کریں ایک ڈبہ پر ایک آنہ لاگت بھی نہیں آتی لیکن عام طور پر اچھے پوڈر کا ڈبہ ۸ میں فروخت ہوتا ہے

بندی ماتھے پر لگانے والی سرخ بندی تیار کرنے پر ایک پیسہ خرچ آتا ہے مگر بازار میں ایک شیشی تین چار آنے کو فروخت ہوتی ہے، ذیل میں بہترین نسخہ بیچا جاتا ہے

نسخہ: کارمائن ۲ تولہ ... [illegible] گوند کیکر ۲ تولہ، کارمائن اور گوند کیکر کو عرق گلاب میں حل کر کے گاڑھا سا لیپ تیار کر لیں اور اس میں [illegible] ڈال کر اچھی طرح حل کریں ... [illegible] تیار ہو جائے گی۔

لبوں کی سرخی { سپیلین سفید ۲ حصہ، پیرافین سفید ۲ حصہ، [illegible] حصہ، سینٹ آئل ۲ حصہ، برگیمٹ آئل ۱ حصہ،
پہلی دو اشیاء کو ملا کر آگ پر گرم کریں بعد باقی اشیاء اس میں ملا کر ٹکیاں بنالیں،

رخساروں پر لگانے والا گلابی رنگ

نسخہ۔ زنک کاربونیٹ ... حصہ، [illegible] ... حصہ، اسپرمیسٹی ... حصہ، روغن بادام ... حصہ، کافور ۱ حصہ، پیپر منٹ آئل ۱ حصہ، خوشبو حسب ضرورت، ای ورسین ... حصہ، ان سب اشیاء کو ملا لیں نہایت اعلیٰ گلابی رنگ تیار ہو جائے گا،

بیوٹی لوشن

بادام کی گری دو تولہ گلاب کا عرق [illegible] چھٹانک
رس کپور ۳ رتی صندل سفید ایک رتی،
گری کو پانی میں بھگو کر چھلکا اتار کر پھینک دیں اور صندل کو پیس کر سب اشیاء اس میں ڈال دیں،

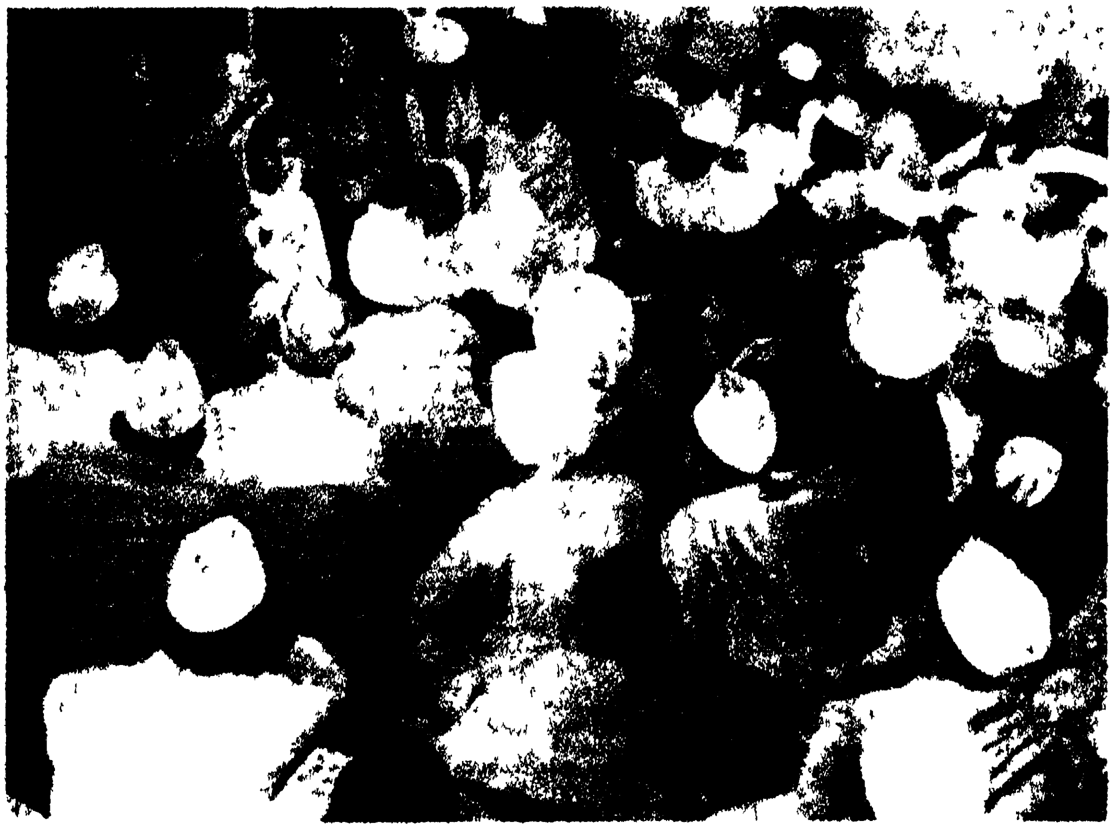




دہلی میں قومی اتحاد کے دن کا شاندار جلوس تصویر میں مسز آصف علی شریمتی ستیہ وتی
اور دیگر کانگریس کارکنان موجود ہیں



راشٹرپتی مولانا آزاد کی لاہور میں مصروفیتیں لالہ دونی چند صدر پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی
اور بیگم افتخارالدین آپ کے ہمراہ ہیں



راشٹرپتی مولانا آزاد دهلی کے کانگریسی کارکنان سے گفت وشنید کر رہے ہیں



مدورا میں ہندو مہاسبھا کا اجلاس شریت ساورکر پردھان مہاسبھا کے ساتھ دیوان بہادر راماسوامی چیرمین استقبالیہ کمیٹی بیٹھے ہیں



لالہ شری رام رئیس اعظم دہلی
آپ کو سال نو کے موقعہ پر سر کا خطاب ملا ہے



لالہ منوہر لال وزیر مالیات پنجاب
آپ کو سر کا خطاب عطا ہوا ہے

افسانہ

خاکِ حسرتِ آرزو

(از جناب جگیشور ناتھ ورما بیتاب بریلوی)

(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

(۱)

گرمیوں کی چھٹی میں سلونے جب شہر سے لوٹ کر گھر آیا تو رادھا اپنی سسرال جا چکی تھی، نئی جگہ نئے ساتھی، اور پھر نئی نئی پابندیاں۔ اس کی زندگی کو تلخ بنانے کے لئے یہی مصیبتیں کیا کم تھیں جو اسے بھلانے کے لئے طفلی کی تمام رنگینیاں سمٹ سمٹا کر یکایک اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں،

اس دن اپنے سلونے شیام کی صرف ایک جھلک دیکھ کر ہی مجبور و بیکس رادھا کنج قفس سے نکل بھاگنے کے لئے طائر نو گرفتار کی طرح پہروں پھڑ پھڑاتی رہی۔ اس کا اپنا گھر جہاں وہ کھیل کود کر اتنی بڑی ہوئی تھی ایسا کچھ بہت دور نہ تھا پھر بھی وہاں تک پہنچنا کتنا مشکل تھا،

رادھا سوچنے لگی۔ "اس دن جب چھوٹے بابو گاؤں چھوڑ کر جا رہے تھے تو وہ کس آزادی کے ساتھ ان کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی اور گھر کے کتنے لوگوں کے ساتھ مل کر اس نے آنسو بہائے تھے مگر آج جب اتنے دنوں بعد وہ پھر لوٹ کر گھر آئے ہیں تو وہ ایک بار وہاں جا کر ہنستے ہوئے ان سے اتنا بھی نہیں پوچھ سکتی۔ ——— اچھے ہو چھوٹے بابو؟

——— ہائے رے بے بسی! کیا وہ اپنی خوشی سے اس قید میں آ پڑی ہے؟ اس مجبوری کی بھی کوئی حد ہے، چاہوں تو بھی چھٹکارا ملنا مشکل ہے۔"

رادھا صورت سیرت کی ایسی بری نہ تھی اس کا رنگ روپ دیکھ کر برادری میں اس کے لئے اچھے سے اچھا گھر مل جانا کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن نہ جانے کیوں اسکی سوتیلی ماں نے آنکھیں بند کر کے اسے اس بھاڑ میں جھونک دیا تھا، رادھا کی عمر ابھی تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ تھی مگر بوڑھا ہربھجن اسے اپنے گھر بار کی دیکھ بھال اور اکلوتے بچہ کی پرورش کے لئے جس تس کا منہ جھلس کر بیاہ لایا تھا۔ گھر میں بوڑھے ہربھجن کو چھوڑ کر گیارہ برس کے لڑکے کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ رامو اسے زبردستی ماں بھی کہنے لگا تھا۔ لیکن اداس اداس سے شرگتوں سے عاری نئی اٹھتی جوانی کی بے باک امنگوں میں کھوئی ہوئی، رادھا کسی طرح ماں نہ بن سکی۔ ابھی اسے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت تھی جو اسکی خشک تنہائیوں کی تاریکیوں ویرانی کو رنگ و نور کی شورشوں سے معمور کر سکتا مگر اس سونے گھر میں اسے کہیں دور تک کوئی ایسا دکھائی نہ دیتا تھا، جسے وہ اپنی بے کیف زندگی کی سب سے بڑی کمی کو پورا کرنے کے لئے برابر کا شریک بنا لیتی۔

رادھا سلونے شیام کو برسوں سے دیکھتی چلی آ رہی تھی، اور اس دیکھنے میں کوئی ایسی خصوصیت بھی نہ تھی، لیکن اب اتنے دنوں بعد اسے پھر اپنے سامنے پا کر اس نے محسوس کیا جیسے اس کی کھوئی ہوئی دولت حسنِ اتفاق سے اسے پڑی سی مل گئی ہے، سلونے کو دیکھ کر اب یکایک اسکے دل میں ایک عجیب خلش سی ہونے لگتی پہلے یہ بات نہ تھی۔ شاید پیشتر کبھی اس کی آنکھوں میں اشارے سے شناسائی بھی تو نہ تھا، رادھا کی چھوٹی چھوٹی معصوم امیدیں آہستہ آہستہ بے چین تمناؤں کا آتشکدہ بن گئیں، اور وہ اپنی نشیلی آنکھوں میں ارمانوں کی ایک نئی دنیا لئے ہر لحظہ اس کی نگاہِ التفات کی منتظر رہنے لگی۔

جب کبھی وہ نسیم بہار کے متوالے جھونکے کی طرح لہراتا ہوا اسکے سامنے سے گذر جاتا تو وہ ایک خفیف سی گدگدی کا احساس کر کے نوخیز پھولوں کی لدی ہوئی ڈالی کی مانند جھوم جھوم جاتی اور اس کے ننھے سے دل میں سینکڑوں سنسنی خیز طوفانوں کی سی ہلچل مچنے لگتی، ہیجان اضطراب کی یہ حسین گھڑیاں اتنی صبر آزما اتنی مست و مسرور ہوتیں کہ سراپا اشتیاق رادھا کی پیاسی نگاہیں ناکام و نامراد پھر کر بھی پہروں اسی سراسیمگی کے عالم میں بھٹکتی رہتیں،

چاروں طرف سے آپ اپنی نورانی شعاعوں سے گھرے ہوئے سورج کی طرح رادھا خود اپنی تمناؤں کے پھیلے ہوئے رنگین جال میں پھنسی ہونے کے باوجود بھی خوش تھی، وہ یونہی اپنے سنسان گھر میں اس خیالی جنت اور اسکے دیوتا کو لے کر جس کے خواب رادھا سوتے جاگتے دیکھا کرتی تھی، زندگی کے بقیہ دن بھی گذار دیتی لیکن اسکی بدقسمتی سے اسکے اندھے دل کے دیوتا نے اسکی خاموش التجاؤں پر صرف کان ہی نہ دھرے بلکہ اسپر ترس کھا کر انھیں قبول بھی کر لیا اور وہ جھوٹی جنت آسمان سے کھسک کر خود بخود اسکے قریب آنے لگی،

حسن و شباب کی مچلتی ہوئی شوخیوں کو جھنجھوڑے رادھا کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ سلونے نے ایک بار مسکرا کر للچائی ہوئی نگاہوں سے ادھر دیکھا۔ رادھا کی نظریں دل کے لپٹنے کے لئے گرتی اٹھتی آ گئے بڑھیں مگر پاؤں جواب دے گئے اور وہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح چھٹک کر پیچھے ہٹ گئی، فتح کی خوشی، شادکامی و کامرانی کا نشہ اور ان سب سے بڑھ کر بے پایاں لذتوں کے حصول کی مخمور امیدوں نے اس کی خواب و خور سے بے نیاز، چاند کی ضیاء پاشیوں سے بے بہرہ مگر بے شمار تاروں کے جھرمٹ سے جھلملاتی ہوئی لمبی راتوں کو نہ جانے کتنے ایسے سبز باغ دکھائے کہ رادھا سب کچھ بھول کر دیوانوں کی طرح دنیا بھر سے الگ ہو گئی۔

(۲)

کئی دن بعد آج رادھا مندر سے لوٹی تو وہ اکیلی ہی تھی، راستہ میں سلونے نے نہ جانے کہاں سے آ کر زبردستی اس کا منہ چوم لیا۔ برسوں سے وہ جن سنہرے تاروں کو جوڑ بٹور کر اکیف کرتی چلی آ رہی تھی وہ اس نادانی سے پلک جھپکتے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئے،

رادھا دل دے چکی تھی، اس میں شک نہ تھا پھر بھی وہ اس گستاخی اس بے حیائی کے لئے تیار نہ تھی، اس لئے تھوڑی سی کشمکش کے بعد وہ کسی طرح اسکی گرفت سے نکل تو گئی مگر کوشش کرنے پر بھی ہم آغوشی کی ان بے پایاں لذتوں سے انکار نہ کر سکی جو خود اسکی نگاہ میں نئی نرالی اور اسکی جوان حسرتوں کا منتہائے مقصود تھیں،

گھر پہونچکر وہ جس سرگرمی کے ساتھ آنسو بہانے بیٹھی اس میں پچھتاوے کی بہ نسبت تحقیر و تذلیل کا احساس کہیں زیادہ تھا۔ رادھا جس آگ سے کھیل رہی تھی اسکی لپٹ اس آنچ سے کہیں زیادہ تیز تھی جس کی تپش جس کی سوزش سے وہ اندر ہی اندر جھلسی جا رہی تھی وہ پہلی ہی بازی میں اپنا سب کچھ ہار چکی تھی، ٹھوکریں کھا کر اسکی کھوئی ہوئی عزت کی آنکھیں کھل گئیں لیکن باغی دل کے پیہم تقاضوں سے مجبور ہو کر وہ اتنی دور نکل آئی تھی کہ اب پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہی نہ تھی، منزل دور تھی پھر بھی وہ اس حد تک پہنچ گئی تھی جہاں سے ایک قدم آگے بڑھنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا۔

ابھی ابھی جس راستہ میں اسکے اتنا بڑا کانٹا لگ چکا تھا اب پھر کبھی بھول کر بھی وہ ادھر جانے کا نام نہ لے گی، بڑی مضبوطی کے ساتھ رادھا نے یہ بات گانٹھ میں باندھ لی، کھڑکی بند نہ ہونے پر بھی کئی دن تک اسے سلونے کی صورت نظر نہ آئی، ان دنوں میں اسپر نہ جانے کیا کیسی گذری؟ یہی سب جاننے کے لئے رادھا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگی پھر بھی جس ہمت و استقلال کے ساتھ اس نے اس سے دور دور رہنے کا تہیہ کیا تھا وہ اس میں کوئی فرق کوئی تبدیلی گوارا نہ کر سکی سینکڑوں آندھیاں چلیں، طوفان آئے اور اسکے نیک ارادوں کو بڑے زور شور کیساتھ دھکے دے دے کر نکل گئے مگر رادھا اٹل ہمالیہ کی طرح سر اونچا کئے کھڑی رہی، ہو کبھی بھی کیوں نہ ہو پہاڑوں کو تو ہلا ہی نہیں سکتی۔

× × × × ×

ایک دن جب وہ منہ لٹکائے اچانک اسکے سامنے آ کھڑا ہوا تو رادھا ضبط نہ کر سکی اور ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ کو چھپانے کے لئے منہ پھیر کر ہنس دی، دل بدلتے دیر لگتی ہے صورت بدلتے دیر نہیں لگتی،

رادھا دل ہی دل میں سوچتی رہی اپنا سب کچھ تو وہ پہلے ہی اسکی نذر کر چکی ہے، مگر پرائی امانت تو اس دنیا کے دیوتاؤں کو بھی دینے کی چیز نہیں ہے اسے اس چڑھاوے کی ضرورت ہی کہاں ہے وہ تو میرے لئے دیوانہ ہو رہا ہے۔ اس طرح سب راہ لٹ کر خالی ہاتھ منزل تک پہنچی بھی تو کیا حاصل! ایسی جنت کے ٹھنڈے سایہ سے تو اس دوزخ کی آگ ہی بہتر ہے جس میں دن رات کی خلش و کاہش تو نہیں ہے گھڑی دو گھڑی کی بدمزگی و جانکاہی کو برداشت کر لینا کیا مشکل ہے پھر اس چار دن کی زندگی میں اور کچھ نہ سہی امید و بیم کی کبھی ختم نہ ہونے والی طوفانی الجھنوں کی بے پناہ شعلہ سامانیوں سے محفوظ رہنے کے لئے محرومی و مایوسی کا بے انتہا پرسکون سکون تو میسر ہے

اس دیوتا سے جو دینا نہیں صرف لینا جانتا ہے مانگنا تو درکنار، رادھا اسے دینے کی بھی ہمت نہ کر سکی یکایک اس نے محسوس کیا جیسے وہ تاریکی کے کسی گہرے اندھے غار میں گرتے گرتے بچ گئی ہے یہ سب کچھ ہوا پھر بھی دل میں جو کانٹا لگ چکا تھا اسکی کھٹک باقی رہ گئی، اور اب وہ دیوتا کی چوری سے اس کا منہ دیکھ دیکھ کر جینے لگی۔

(۳)

بوڑھے ہربھجن کے مرتے ہی وہ سب بندھن خود بخود کٹ گئے جن سے چھٹکارا پانے کے لئے رادھا کبھی کانوں میں پوجا کرتی تھی مگر خوبی قسمت دیر سے اسکے بر آنے کھلے جب وہ آزمانا ہی بھول گئی گھر کا دروازہ تو بدقسمتی ہی سے کھلا تھا۔ لیکن کھڑکی رادھا نے اپنی ہاتھ سے بند کی تھی اب وہ کھلے بند دل جب اور جہاں چاہے جا سکتی تھی، کوئی دوسرا اسے روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

پچھلے صفحہ سے

ن کا ذا د ہوکر اُس نے اپنے دل سے آپ اپنے اُ د پر
سیکڑوں نئی نئی پابندیاں عائد کر لی تھیں، جو بچپن کی قید
سے چھوٹ کر دہ بے شمار زنجیروں میں جکڑ گئی ہے کم سے کم
رِدھیا تو یہی سمجھتی تھی،

یتیم دکمسن رامو کو چھاتی سے لگا کر اد ن ردھیا دنیا
کی کہیوں، کستگیوں اور کو تاہیوں سے لڑنے کے لئے تیار
تھی مگر گھر سے نکلتے ڈرتی تھی، آہستہ آہستہ یہ ڈر بھی نکل
گیا اور اب وہ بے فکری کے ساتھ روٹی پانی سے فارغ ہو کر
کھیتی باڑی کے کاموں میں رامو کا ہاتھ بٹانے لگی۔ جب کبھی بھولے
سے سلونے اسکے سامنے آ جاتا تو وہ چپ چاپ گھونگٹ
کا سہارے آنکھ بچا کر نکل جاتی،

اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وقت سے بہت
پہلے اسکی رعنائیاں پھیکی پڑ گئی ہیں اور اُس کے تمام حوصلے
اور امنگیں موسم کی موسلا دھار بارش سے بجھ بجھ کر سرد ہو چکی ہیں
اور اب اُن کا صرف ایک ڈھیر ہے جسے ہوا و ہوس کے نامراد
جھونکوں نے جلس جلس کر ایک کونے میں اکٹھا کر دیا ہے،
لیکن یہ کون جانتا تھا کہ اس بے مصرف تودے میں دبی ہوئی زنگ و
بو کی جو چنگاری چپکے چپکے بھڑک رہی تھی اس سے، اور ان کا تو
ذکر ہی کیا خود سلونے بھی اتنا ہی بے خبر تھا جتنی کہ ردھیا
جو سب کچھ بھول جانے کی بے سود کوشش میں کھوئی ہوئی تھی۔

× × × × ×

سلونے کا لشکرا اترتے دیر نہ لگی اور اُس نے

بہت جلد ردھیا کو آنکھ کے تنکے کی طرح دل سے باہر
نکال کر پھینک دیا۔ گو ردھیا ... چاروں طرف
بکھرے ہوئے، سکی محبت کے حسین جلوؤں سے مسحور ردھیا
پہ بھی نہ کر سکی۔

ایک دن جب سلونے بن ٹھن کر نئی نویلی چاند
سی دُلہن گھر لے آیا تو فرطِ مسرت سے بیخود ردھیا سب کچھ
بھول کر نیا شوق نئی حسرت لئے اسکے گھر جا پہنچی اور اپنے
دل کے دیوتا کو تتلی جیسی حسین دیوان بیوی کے ہاتھوں میں
سونپ کر خوش خوش گھر لوٹ آئی، اسکے بعد وہ اپنے چھوٹے
بابو کی تعظیم سب کام روز۔ ہاں آنے جانے لگی، ردھیا ساگ
پات کی ڈلیاں بھر بھر کے لے جاتی اور زبردستی چھوٹی بہو
کے آگے ڈال کر چلی آتی۔ سکے سوا اس غریب کے
پاس دینے کو اور رکھا ہی کیا تھا،

—— (۴) ——

شام کا وقت تھا ردھیا آج حسب معمول ڈلیا لئے
چھوٹی بہو کے پاس پہنچی تو سلونے گھر ہی پر موجود تھا
ردھیا کو ٹوکری خالی کرتے دیکھ کر اُس نے کہنا شروع کیا
آتا ہے ... کیسی پاگل ہے؟ ارے اس
گھاس پھونس کا ڈھیر لگانے کے لئے بچے کیا یہی گھر رہ
گیا ہے ردھیا؟

ردھیا کیا کہتی، اسکے سامنے زبان کھولنے کی اس
میں ہمت ہی کہاں تھی؟ وہ ان ذلت آمیز پھٹکاروں کو بھی
پیار کی میٹھی میٹھی جھڑکیاں سمجھ کر پی گئی،

ہے! ... سلونے نے روپیہ نکال کر
اسکے سامنے پھینک دیا، روپیہ جھنجھناتا ہوا ردھیا کے
پیروں میں لوٹنے لگا،

وہ غریب تھی لیکن آج سے پہلے اُسے اپنی ناداری کا
ایسا تلخ احساس کبھی نہ ہوا تھا جسے وہ ابھی بہت کچھ دے
سکتی تھی اور وہ بھی اسے مفلس سمجھتا ہے، روپے کا تنا زہ؟
ابھی اُس نے گھاس پھونس کے اس بے وقعت
ڈھیر میں اپنی جو سب سے زیادہ پیاری چیز چھپا کر اسکے
قدموں میں ڈال دی ہے وہ کیا روپے سے خریدی جا سکتی
ہے؟ اور وہ بھی صرف ایک روپیہ میں؟ جو کسی قیمت پر
بھی نہیں مل سکتی، اسی نایاب جنس کی یہ ارزانی یہ
بے قدری! ردھیا کو اسکی پاس محبت کا کتنا سہارا
کتنا غرور تھا۔ وہ بھی ایک جھٹکے میں کسی بڑے لمبے
سنہرے خواب کے ٹوٹے پھوٹے تاروں کی طرح بکھر کر رہ گیا
نفرت سے حقارت سے اسکے کلیجے کے ٹکڑے ہونے
لگے اور وہ روپیہ چھوڑ کر لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکل آئی،

—— سُن تو! —— ردھیا! ——

—— سلونے لپک کر ڈیوڑھی میں
آگیا، اور اس بیدردی کے ساتھ اسکے سینے سے لپٹ گیا
کر گھبرائی ہوئی ردھیا کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ملی بے طرح
پھنسی ہوئی ردھیا نے نکل بھاگنے کے لئے بہت کچھ ہاتھ پیر
مارے لیکن چالاک شکاری نے جلدی جلدی اسکے خشک
ہونٹوں کو چوم چوم کر اپنے رنگ میں رنگ دیا۔

بے بس ردھیا اندھی ہو کر اس بے حیائی میں بھی
اسکا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئی ٹھیک اسی وقت
اسکی گرفت ڈھیلی ہونے لگی۔ اور وہ پیچھے ہٹ کر ڈیوڑھی
سے آگے بڑھ گئی،

جھوٹے غرور کے نشہ سے اسکی ڈھلی ہوئی آنکھوں
میں مایوس امیدوں کے بجھے ہوئے چراغ دوبارہ ٹمٹمانے
لگے، آج وہ سب کچھ لے سکتے تھے پھر بھی انھوں نے اپنے
لئے کچھ نہ چاہا۔

رادھا سوچنے لگی، اور یہ بے عزتی؟ نہیں نہیں

اسکی منہ مانگی قیمت، کیا وہ سچ مچ اسکے لئے تیار نہ تھی؟
چھوٹے بابو نے آج اس کا سارا لیا دیا اسے واپس
کر دیا ہے ردھیا اس سے اتنی مطمئن تھی کہ اسکے پاؤں
زمین پر نہ پڑتے تھے،

مگر پہنچ کر جب تنہائی میں اُس نے ان
باتوں پر نئے سرے سے غور کرنا شروع کیا تو اس
کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ تھکن سے صدمے سے چور ہو کر ردھیا
کھاٹ پر گر پڑی۔ کروٹیں بدل بدل کر وہ اپنی حماقت
اپنی بدعہدی پر پچھتا رہی تھی۔ آنکھیں برستے برستے سرخ
ہوتی جا رہی تھیں، سر میں درد ہونے لگا تھا ہاتھ
پاؤں جلے جا رہے تھے،

بخار بہت ہلکا تھا لیکن اسکا ٹوٹا ہوا دل معمولی
حرارت بھی برداشت نہ کر سکا صبح تک اسکی حالت بالکل بگڑ
چکی تھی اور دو ہی دن میں وہ کھاٹ سے لگ گئی،

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

روزنامچہ

(از جناب رام سروپ بھٹناگر جی اے پی سی)
(خاص "تیج ویکلی" کے لئے)

روزنامچے سے میرا مقصد ان بہی کھاتوں سے نہیں ہے جن میں خرید و فروخت، لین دین کے حسابات درج ہوتے ہیں بلکہ میں چند الفاظ میں ان روزنامچوں کی نسبت کچھ بحث کرنا چاہتا ہوں جن سے کسی خاص آدمی کی طبیعت کا اندازہ ہونے کے ساتھ ساتھ کسی ملک کے تاریخی، تمدنی نیز دیگر واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ ایسے روزنامچے دنیا کی چند عظیم الشان ہستیوں نے تحریر کئے ہیں یہ وہ لوگ تھے جنہیں تاریخ سے دلچسپی تھی یا اپنے ملک سے محبت تھی یا اپنے مذہب سے انسیت تھی یا اپنی ہستی سے دوسروں کو فائدہ پہونچانے کا خیال تھا۔ ان کا روزنامچہ یا ڈائری ہمارے سامنے اُن کے زمانہ کے واقعات کا فوٹو پیش کرتا ہے۔ ان سے موسمی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے مذہبی امور سے بھی واقفیت ہوتی ہے تمدنی صورتوں سے بھی ہم خبردار ہو جاتے ہیں، مختلف نباتات، حیوانات جو عام نگاہوں سے دور ان میں درج ہوتے ہیں اور ان تمام فوائد کے علاوہ جو زبردست فائدہ ہوتا ہے وہ یہ کہ اس زمانہ کے علم و ادب، انشا پردازی کے اصول، محاورات، ضرب المثل کا پورا خزانہ ہمارے روبرو ہو جاتا ہے، روزنامچہ کی زبان عام طور پر تصنع سے پاک اور مبرا ہوتی ہے، شوخی اور رنگینی کی ابہام سے آزاد ہوتی ہے، اس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ کسی شخص کے دلی خیالات کا چربہ ہوتا ہے کیونکہ وہ جو کچھ لکھتا ہے دوسروں کی خوشنودی کے واسطے نہیں بلکہ اپنی خوشی سے تحریر کرتا ہے وہ تمام مشہور اور اہم روزنامچے جو اسوقت تک تحریر ہو چکے ہیں تعظیم کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں ان کے تراجم دیگر زبانوں میں کئے جاتے ہیں اور متاخرین اپنے ملک کی تاریخ کو ترتیب میں لانے کی غرض سے ان سے کافی امداد لے رہے ہیں یہ روزنامچے ہر ایک ملک و ہر ایک زبان میں تحریر ہیں، لیکن یہاں اجمالاً ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جن کا تعلق ہمارے ملک، ہماری تاریخ ہمارے تمدن، ہماری معاشرت ہماری تہذیب سے ہے اس میں شک نہیں کہ ہمارے ملک کی تاریخ مذہبی کتابوں اور قدیم عمارتوں کے ذریعہ بہت کچھ معلوم ہوتی ہے مگر مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا اور ان سے دلچسپی لینا ہر ایک کا حصہ نہیں، اور عمارتوں کی سیر کا لطف اٹھانا ہر ایک کا کام نہیں لیکن روزنامچے کو پڑھنا کسی کو ناگوار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں ہر قسم کے امور کا ذکر ہوتا ہے اور تقریباً ہر شخص کی دلچسپی کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔

غیر ملکی سیاح جو ہندوستان کی سیر کرنے کو آئے ان تمام نے اپنے روزنامچے تحریر کئے اور ہندوستان کی معاملات کی دل کھول کر تعریف کی ہے، میگستھنز جو ۳۰۵ قبل مسیح میں چندر گپت موریہ کے دربار میں رہا۔ یہاں کے تمدن کی بے حد تعریف اپنی ڈائری میں تحریر کرتا ہے، اس نے یہاں کے رہن سہن پر کافی روشنی ڈالی ہے سیاح فاہیان جو چندر گپت بکرماجیت کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا اس نے اپنے روزنامچے میں یہاں کے علوم و فنون اور دیگر حالات پر کافی اظہار خیال کیا ہے،

ہیون سانگ جو ہرش کے زمانہ میں ہندوستان میں داخل ہوا۔ یہاں کی تعلیم سے بیحد خوش نظر آتا ہے، اور اس نے نالندہ کے مٹھ کا تذکرہ نہایت وضاحت سے لکھا ہے اور ہندوستان کے مذہبی معاملات پر اور تمدنی اور معاشرتی طرز زندگی پر بہت کچھ تحریر کیا ہے اسکے روزنامچے سے نہ صرف ہندوستان کے ہر ایک حصہ کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے بلکہ اس نے اپنی پندرہ سالہ ڈائری میں ان دوسرے ممالک کا تذکرہ بھی جو اس کے سفر ہندوستان کے راستہ میں پڑتے گئے، خاص طور سے کیا ہے،

شہنشاہ بابر نے جس کی تمام عمر لڑائیوں میں بسر ہوئی، اپنے روزنامچے میں اپنی زندگی کا تمام حال تحریر کیا ہے، اس کتاب کا نام "تزک بابری" ہے جو ترکی زبان میں تحریر ہے اس کی زبان اور طرز بیان کی بیحد تعریف کی جاتی ہے، ہندوستان کے متعلق بھی اس میں مختصراً واقعات درج ہیں، اس کے پرپوتے جہانگیر نے اپنی ولادت سے لے کر آخری وقت تک کے واقعات احاطۂ تحریر میں لا کر اپنی سلطنت کے تمام حالات کو جس عمدگی اور وضاحت سے تحریر کیا ہے اس کا جواب ملنا دشوار ہے اس کتاب کا نام "تزک جہانگیری" ہے اور فارسی زبان میں تحریر ہے، تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اس کے متعلق مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے فرمایا ہے کہ اگر "تزک جہانگیری" میں سے فقط حیوانات کے حالات الگ کر دئے جائیں تو علم حیوانات پر ایک اچھی خاصی کتاب مرتب ہو سکتی ہے اس کتاب کے کچھ حصہ کا ترجمہ اردو زبان میں بھی ہو چکا ہے متعدد علما نے اسکی دل کھول کر داد دی ہے ذیل میں ایک زبردست عالم کی رائے تزک جہانگیری کی نسبت ہے جو انہیں کے الفاظ میں تحریر کی جاتی ہے:-

"دنیا کے اکثر بادشاہوں نے اپنے روزنامچے اور سوانح عمریاں لکھی ہیں ان میں بعض بعض خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جن سے تاریخ کی کتابیں یکسر خالی ہیں مگر شہنشاہ جہانگیر کا روزنامچہ جسے عرف عام میں تزک جہانگیری کہتے ہیں اس قسم کے لٹریچر میں اپنی نظیر نہیں رکھتا یہ نہ صرف واقعات کی کھتونی ہے بلکہ تاریخ، جغرافیہ، علم نباتات علم حیوانات، علم ادب اور شعر و فنون لطیفہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اسکی زبان اتنی سلیس اور شگفتہ ہے کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے مناظر اور واقعات کا نقشہ اتنا حسین و مکمل ہے کہ آنکھوں کے سامنے ایک سماں سا بندھ جاتا ہے، قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ مشکل سے مشکل محسوسات اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل بے تکلفی سے الفاظ کی صورت اختیار کر گئے ہیں، غرض تزک ایک مرقع ہے جس میں اس وقت کے تمدن معاشرت، سیاست اور تاریخ و کوائف کی صحیح صحیح جھلک پائی جاتی ہے"،

اس بادشاہ کے زمانہ میں جو انگریزی سفیر سر طامس رو ہندوستان میں وارد ہوا۔ اس نے اپنے روزنامچے میں ہندوستان کے معاملات پر کافی بحث کی ہے،

مولانا شبلی نعمانی مرحوم اور ہز ہائینس نواب حامد علی خاں مرحوم والئی رامپور نے بھی اپنے سفرنامے روزنامچے کی صورت میں تحریر کئے ہیں مولانا مرحوم کا سفرنامہ اس وقت تک اسکولوں کی کتب درسیہ میں موجود ہے، نواب صاحب مرحوم کا سفرنامہ بھی مشہر حامدی کے نام سے شائع ہو چکا ہے ان دونوں سفرناموں میں غیر ملکی حالات نہایت دلچسپی اور وضاحت سے تحریر ہیں،

موجودہ زمانہ میں خواجہ حسن نظامی اور سوامی ستیہ دیو جی اپنے روزنامچوں کے لئے مشہور ہیں۔ سوامی ستیہ دیو جی نے اپنی تمام عمر دیگر ممالک کی سیر میں گذاری ہے کیلاش یاترا بھی آپ نے کی ہے آپکی ڈائری سے ملک امریکہ، جرمنی وغیرہ کے حالات بخوبی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی ڈائری جس کے مختلف حصص مختلف ناموں سے شائع ہو چکے ہیں فلک بوس پہاڑ، دشوار گذار ریگستان اور خوفناک جنگلات، سرسبز میدان کے حالات سے پُر ہیں خواجہ صاحب کا روزنامچہ بھی ادبی حیثیت سے ایک اچھی چیز ہے، مسٹر گوبند سہائے جنہوں نے ۱۹۳۰ء میں روس کا سفر کیا ہے اپنی ڈائری میں اس ملک کے واقعات کو مشرح طور پر درج کیا ہے، الغرض "روزنامچہ" ہماری معلومات میں جس قدر اضافہ کرتا ہے اس کا بیان اس مختصر مضمون میں ناممکن ہے۔

"بوتل میں بند"



برطانی ناکہ بندیوں کے باعث بحر روم میں مسولینی کا یہی حال ہو رہا ہے

دنیا میں فردوس بریں

دنیا میں بعض ایسے عجیب و غریب اور وسیع باغ ہیں جو دنیا والوں کے سامنے فردوس بریں کا نظارہ پیش کرتے رہتے ہیں، اسی قسم کے باغوں میں سے ایک باغ "کوبیک" کا باغ ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس ایک باغ میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہریں اور پانی کے حوض ہیں۔

دنیا کا عجائب خانہ

جنگ میں مرنے والوں کو زندہ کیا جائے گا

آجکل سائنسدانوں کے سامنے یہ مسئلہ زیر غور ہے کہ وہ جنگ میں کام آنے والے سپاہیوں کو دوبارہ زندہ کریں، ماہرین سائنس کی یہ رائے ہے کہ وہ لوگ جو غیر قدرتی موت سے مرتے ہیں یعنی کسی بیماری کے بغیر جنگ یا حادثہ میں جن کی جان چلی جاتی ہے ان کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی دشوار بات نہیں ہے ان کا خیال ہے کہ حادثہ میں مرنے والوں کے عضائے رئیسہ میں ایک خاص قسم کی مقوی دوا ڈالنے کے بعد دوبارہ ان میں زندگی پیدا کی جا سکتی ہے

اس اہم مسئلہ کے پیش نظر امریکہ کے ڈاکٹروں اور ماہرین سائنس کی ایک کمیٹی آجکل اس چیز پر غور کر رہی ہے کہ جنگ میں جو سپاہی کام آجاتے ہیں ان کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں؟ اس کمیٹی کی رائے ہے کہ اگر جنگ میں مرنے والوں کی لاشیں فوراً ان کو مل سکیں اور ان کے عضائے رئیسہ محفوظ ہوں تو ان کو یقینی طور پر دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے

اگر یہ کمیٹی اپنی اس جدید تحقیقات میں کامیاب ہوگئی تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیائے سائنس میں ایک ایسے نئے باب کا اضافہ ہوگا جس سے قبل دنیا بالکل ناواقف تھی۔

ریڈیو کے ذریعہ روحوں کی آوازیں!

امریکہ کے ایک موجد کی مدت سے یہ کوشش ہے کہ وہ ایک ایسا عجیب غریب ریڈیو ایجاد کرے جس کے ذریعہ ہم مرنے والوں کی روحوں کی آوازیں سن سکیں، اور یہ معلوم کر سکیں کہ یہ روحیں عالم بالا میں کیا گفتگو کر رہی ہیں!

موجد روحانیات کا بہت بڑا عالم ہے اس کی رائے ہے کہ وہ اپنی جدید ایجاد میں بہت جلد کامیاب ہو جائے گا کیونکہ اس نے بعض دیگر آلات ایسے ایجاد کر لئے ہیں جن کے ذریعہ زندہ انسان روحوں کی آوازیں بڑی آسانی سے سن سکتے ہیں

موجد کا خیال ہے کہ اگر وہ اس ایجاد میں کامیاب ہوگیا تو اس کے بعد وہ ایسا انتظام کرے گا کہ نیویارک براڈکاسٹ اسٹیشن سے روحوں کی آوازوں کو ساری دنیا میں براڈکاسٹ کیا جا سکے تاکہ ان روحوں کے اعزہ ان روحوں کی آوازوں کو پہچان کر یہ معلوم کر سکیں کہ ان کے اعزہ دوسری دنیا میں کس حال میں ہیں؟

روحوں کی تصاویر اتارنے کی کوشش

انگلستان کی مشہور انجمن "انجمن روحانیات" روحوں کے معاملہ میں سالہا سال سے تحقیقات کر رہی تھی چنانچہ اس انجمن کے سرگردہ ممبروں نے بارہا دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کی روحوں سے گفتگو بھی کی ہے انجمن مذکور کا بیان ہے کہ روحیں دنیا کے حالات تو نہایت آزادی کے ساتھ بیان کر دیتی ہیں لیکن جب ان سے عالم ارواح کے بارے میں سوالات کئے جاتے ہیں تو وہ اس طرح خاموش ہو جاتی ہیں، گویا ان میں جواب دینے کی تاب و طاقت ہی نہیں،

اس انجمن کے بعض ذمہ دار حضرات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ روحوں سے گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے فوٹو بھی حاصل کر سکیں چنانچہ اس مقصد کے لئے بہا بجد وجہد جاری ہے مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی انجمن کی رائے ہے کہ وہ بہت جلد روحوں کے فوٹو لینے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اگر انجمن مذکور حقیقت روحوں کے فوٹو لینے میں کامیاب ہوگئی تو روحانی دنیا میں اس کا یہ کارنامہ نہایت اہمیت کی نظر سے دیکھا جائے گا،

یورپ میں ایک درخت کی پرستش

آپ یہ نہ سمجھئے کہ صرف ہندوستان ہی میں درخت وغیرہ کی پرستش ہوتی ہے اس کے علاوہ دنیا کے اکثر حصوں میں ابھی یہ رسم جاری ہے چنانچہ "میبری لینڈ" کے ایک درخت کی نہایت زور شور کے ساتھ پرستش کی جاتی ہے،

میبری لینڈ کا یہ مقدس درخت ۱۹۲۳ء میں آندھی سے اکھڑ کر زمین پر گر گیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد جب آندھی کا رخ بدلا تو ہوا کے زور سے یہ دوبارہ کھڑا ہوگیا۔ اس دن کے بعد سے یہ درخت اسی طرح کھڑا ہے اس میں نہایت لذیذ اخروٹ لگتے ہیں عوام کا خیال ہے کہ اس درخت میں کوئی غیر معمولی طاقت ہے چنانچہ اس درخت کی لوگ پرستش کرتے ہیں اور اس کے اخروٹوں کو بیماروں کو کھلاتے ہیں،

آپس میں بیویاں بدل لیتے ہیں

دنیا میں ایک ایسی عجیب غریب قوم بھی آباد ہے جن کے ہاں آپس میں بیویوں کا بدل لینا کوئی عیب نہیں خیال کیا جاتا چنانچہ اس قوم میں آئے دن بیویوں کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ عجیب غریب قوم افریقہ کے جنوبی علاقہ میں آباد ہے اس قوم کو "بنابا جی" کے نام سے پکارا جاتا ہے اس قوم کے افراد کی آبادی ڈیڑھ ہزار کے درمیان ہے۔ اس قوم میں یہ عام رواج ہے کہ لوگ آپس میں اپنی بیویاں تبدیل کرتے رہتے ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ اس قوم میں ایسے عجیب غریب انسان پائے گئے ہیں جو اپنی عمر میں دس بار بارہ مرتبہ بیویاں تبدیل کر چکے ہیں۔

بیویاں آپس میں تبدیل کرنے والوں کو کچھ معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے خیال ہے کہ بیویوں کے تبادلہ کے معاملہ میں یہ قوم دنیا کی عجیب غریب قوم ہے۔

تیج ویکلی دہلی

جنوری ۱۹۴۱ء

برطانیہ کو کیا کرنا چاہئے

پروفیسر ہیرالڈ لاسکی کی اپیل

گذشتہ ہفتہ میں "افسانہ نمبر" کی اشاعت کے باعث ہم لیڈنگ آرٹیکل میں کسی اہم وقتی مسئلہ پر تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں نکال سکے تھے، چند دنوں کی بات ہے کہ برطانی دارالعوام کے نو ممبروں نے اہل ہندوستان کے نام ایک اپیل شائع کی تھی، یہ اپیل بالکل یک طرفہ تھی اور اس میں ہندوستانیوں سے تو بڑی توقعات وابستہ کی گئی تھیں لیکن اہل برطانیہ کی طرف سے کوئی چیز پیش نہیں کی گئی تھی، اس کے بعد لندن یونیورسٹی کے پروفیسر اور مشہور ماہر سیاسیات پروفیسر ہیرالڈ لاسکی نے ایک اپیل خود اہل برطانیہ کو مخاطب کر کے شائع کی ہے، جہاں تک دونوں اپیلوں کی نوعیت کا تعلق ہے، دونوں کا موضوع ایک ہی ہے یعنی "برطانی امپائر میں ہندوستان کی پوزیشن" لیکن دونوں کا نقطۂ نگاہ بالکل جداگانہ ہے،

برطانی پارلیمنٹ کے نو ممبروں کی اپیل میں جو کچھ کہا گیا تھا اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی وزیر ہند اور وائسرائے کی تقریروں کی طرح ان کی اپیل میں بھی پرانی باتیں دوہرائی گئی تھیں اور یہی دلیل پیش کی گئی تھی کہ موجودہ حالات میں برطانیہ جو کچھ کر سکتا تھا کر چکا ہے جس حد تک جا سکتا تھا جا چکا ہے، اور جو پیشکش اس نے ہندوستان کے سامنے رکھی ہے اس سے آگے ایک قدم بھی آگے بڑھانا اس وقت ممکن نہیں ہے، "اور اب ہندوستانی مسئلہ کے حل کرنے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی "تمام اہم سیاسی پارٹیوں کے رہنما" برطانی پیشکش کی فیاضانہ نوعیت کی داد دیں، اور احسانمندی کا جذبہ اپنے دلوں میں محسوس کریں، اور جو نادر موقعہ ان کے ہاتھ آگیا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے فرقہ وارانہ اور جماعتی اختلافات کو دور کر کے مرکزی حکومت میں برطانیہ کا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہو جائیں "

لیکن پروفیسر ہیرالڈ لاسکی یہ نہیں کہتے، وہ برطانیہ کی آخری پیشکش کی تعریف نہیں کرتے، وہ ہندوستانیوں سے کوئی اپیل بھی نہیں کرتے، بلکہ خود اہل برطانیہ کو مخاطب کر کے یہ کہتے ہیں کہ برطانی حکومت نے اب تک ہندوستانی مسئلہ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ بنیادی طور پر ناقص ہے، اور اگر ہندوستانی مسئلہ کا کوئی حل پیدا کرنا ہے تو وہ صرف اسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ خود برطانی حکومت ہی اپنی ذہنیت اور اپنے نقطۂ نگاہ کو بدل دے، پروفیسر لاسکی کی اپیل میں ایک چیز اور بھی قابل توجہ ہے، انہوں نے ہندوستانی مفاد کو سامنے رکھ کر نہیں بلکہ خود برطانی مفاد کے پیش نظر برطانی حکومت سے یہ کہا ہے کہ اسے اب ہندوستان کے مسئلہ کو ایک نئے اور بالکل بدلے ہوئے زاویہ نگاہ سے دیکھنا پڑیگا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہندوستان سے ہمارے بہت سے مفاد وابستہ ہیں، ہندوستان کی حکمرانی سے جو بڑی دولت ہمیں حاصل ہوئی ہے اسکے بغیر ہم انگلستان کے عوام کے مطالبات نہیں پورے کر سکتے تھے" پروفیسر لاسکی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ برطانیہ نے ہندوستان میں کچھ مفید کارنامے بھی پیش کئے ہیں لیکن ان کارناموں نے ایک ایسا مسئلہ پیش کر دیا ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی اب یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان جمہوریت اور آزادی کا طالب ہے، اور بہت دنوں تک اس ملک کو اس کے فطری حق سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ پروفیسر لاسکی فرماتے ہیں:۔

"برطانیہ کے روبرو اس وقت ہندوستان کھڑا ہے، اور بالکل اسی طرح اور اتنی ہی صفائی کے ساتھ اپنے لئے حکومت خود اختیاری کا حق طلب کر رہا ہے جتنی صفائی سے امریکہ یا آئرلینڈ نے کبھی طلب کیا تھا۔ برطانیہ اس کا جواب نفی میں کیونکر دے سکتا ہے؟ ... ... ہندوستان میں اس وقت عوام کا کوئی رہنما (جس کے کچھ پیرو موجود ہوں) ایسا نہیں ہے، جس سے ہم اپنی حکمرانی (پیراموئنٹسی) کو جاری رکھنے کے لئے تائید کی اپیل کر سکیں، اس حکمرانی کو قائم رکھنے کے لئے (یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء کی ترمیم شدہ شکل میں بھی قائم رکھنے کے لئے ہمیں مخصوص اختیارات سے مدد لینی پڑتی ہے، اور غیر جمہوری آمریت کو استعمال کرنا اور ویٹو کرنے کے اختیار کو کام میں لانا پڑتا ہے"

پروفیسر لاسکی کے مندرجہ بالا الفاظ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو واقعات سے ثابت نہ ہوتی ہو، یہ بیان کس قدر صحیح ہے اسکے ثبوت کے لئے تین بالکل سیدھی سادی اور ناقابل تردید حقیقتیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے سات صوبوں میں ۱۹۳۶ء کا آئین ملتوی ہے اور وہاں "غیر جمہوری آمریت" اور "مخصوص اختیارات" کام میں لائے جا رہے ہیں، دوسری حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس سے پہلے کانگریسی وزراء اعظم اور کانگریسی وزراء تھے، اس وقت جیلوں کے اندر ہیں اور نہ صرف کانگریسی ایم۔ ایل۔ اے حضرات، کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ارکان، اور صوبجاتی کانگریس کمیٹیوں کے ارکان آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ارکان کی زیادہ تر تعداد قید میں ہے بلکہ کانگریس کے صدر بھی گرفتار ہو چکے ہیں، تیسری حقیقت یہ ہے کہ وزیر ہند اور وائسرائے کی تمام کوششوں کے باوجود ہندوستان میں نصف درجن بھی عوام کے ایسے رہنما نہیں پائے جا سکے جنکے کچھ پیرو موجود ہوں اور جو اگست کی پیشکش کی بنا پر کسی مرکزی کیبنٹ کے قیام میں وائسرائے کا ہاتھ بٹا سکیں، الغرض پروفیسر ہیرالڈ لاسکی نے اپنی اپیل میں جو تین دلیلیں پیش کی ہیں وہ حالات سے بھی ثابت ہیں،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ صورت حال کب تک قائم رہے گی؟ یہ تو ظاہر ہے کہ غیر محدود عرصہ تک اس طرح کسی حکومت کا کاروبار نہیں چلایا جا سکتا، خود پروفیسر لاسکی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوستان ہم سے حکومت خود اختیاری کا باصرار مطالبہ کر رہا ہے، اور ہم اپنے دلوں کے اندر یہ جانتے ہیں کہ آج نہیں تو کل ہمیں یہ مطالبہ ماننا ہی پڑے گا" . لیکن ہم اپنے مفاد کو قائم رکھنے کے لئے طرح طرح کے بہانے اور طریقے تلاش کرتے چلے جاتے ہیں" ان واقعات کو روشنی میں لاکر پروفیسر لاسکی ہندوستان کے مسئلہ کا صرف ایک ہی حل پیش کرتے ہیں اور وہ حل وہی ہے جس کو تمام ہندوستانی سیاست دانوں کا اتفاق رائے حاصل ہے یعنی برطانی حکومت ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دینے پر رضامند ہو جائے، اور اس رضامندی کا ثبوت الفاظ سے نہیں بلکہ عمل کے ذریعہ پیش کرے،

برطانی حکومت کو کیا کرنا چاہیئے اس کے متعلق پروفیسر لاسکی نے چند معقول تجویزیں پیش کی ہیں جن میں چند اہم نکتے یہ ہیں کہ ہندوستان سے ایک معین وعدہ کیا جائے کہ اختتام جنگ کے بعد ایک سال کے اندر ہندوستان میں حکومت خود اختیاری عمل کرنے لگے گی، ہندوستان کی ایک آئینی اسمبلی موجودہ صوبجاتی اسمبلیوں کے چنے ہوئے ممبروں کے ذریعہ بنائی جائے اور وہ اہل برطانیہ سے گفت و شنید کرے، اور اسکے بعد اس اسمبلی کی تجویزوں کو برطانی پارلیمنٹ میں پاس کر دیا جائے، جنگ کے دوران میں ہندوستانیوں کی ایک مرکزی قومی حکومت دہلی میں قائم کی جائے، فرقہ وارانہ اختلافات کے متعلق جو مسئلہ آئینی اسمبلی میں طے نہ پا سکے اسے ایک بین الاقوامی عدالت میں پیش کر دیا جائے، یا ولایات متحدہ امریکہ کے صدر اس کا فیصلہ کر دیں، اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پروفیسر لاسکی کی یہ تجویزیں مفید ہیں، لیکن اصلی سوال تو برطانی حکومت کی ذہنیت میں تبدیلی کا ہے اگر خلوص کے ساتھ وہ اس مسئلہ کو حل کرنا چاہے تو جیسا کہ راشٹرپتی آزاد نے کہا تھا، صرف دو منٹ میں تمام باتیں طے کر لی جا سکتی ہیں، خود مہاتما گاندھی نے بھی چند بار فرمایا ہے کہ اگر ہندوستان کا حق آزادی تسلیم کر لیا جائے تو تفصیلات کے متعلق باہمی مشورے سے فیصلہ کر لینا کوئی مشکل کام نہ ہوگا۔ کیا برطانی حکومت پروفیسر لاسکی کی تجویز پر غور کرے گی؟

آئینۂ خیال

صدر کانگریس کی گرفتاری!

آخر انڈین نیشنل کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد بھی گرفتار کر لئے گئے، آپ بذریعہ "طوفان میل" دہلی سے الہ آباد تشریف لے گئے تھے، جب گاڑی صبح کو ساڑھے پانچ بجے کے قریب الہ آباد اسٹیشن پر پہنچی تو اسٹیشن ہی پر آپ کو وارنٹ گرفتاری دکھلا دیا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے لئے پولیس کے افسر پہلے سے موجود تھے، اس سلسلہ میں جو اطلاع شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۳ دسمبر کو الہ آباد میں جو تقریر کی تھی اسی پر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت میں آپکو گرفتار کر لیا گیا ہے آپ سر دست نینی جیل میں رکھے گئے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ۸ جنوری کو آپ کے مقدمہ کی سماعت جیل ہی میں ہوگی، سر دست اس سلسلہ میں کچھ کہنا فضول ہے اور راشٹرپتی آزاد کی گرفتاری کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، آج نہیں تو کل یہ ہونا ہی تھا۔ آپ نے یہ اعلان کیا تھا کہ ۱ جنوری کے بعد آپ کسی روز ستیہ گرہ کریں گے لیکن ابھی تک آپ نے ستیاگرہ نہیں کی تھی آپ کی طرح پنڈت جواہر لال نہرو بھی ایک تقریر کے سلسلہ میں گرفتار کئے گئے تھے، بہرحال مولانا آزاد کی گرفتاری اس لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ آپ کانگریس کے صدر یعنی انڈین نیشنل کانگریس کے سب سے بڑے نمائندے ہیں اب آپ کی گرفتاری کے بعد جو عظیم ترین ہستی جیل سے باہر رہ جاتی ہے وہ مہاتما گاندھی کی ہستی ہے ہر طرف یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ مہاتما جی اور مولانا آزاد ہی دو ایسے شخص تھے جو

فرادی ستیاگرہ کو سخت ترین ڈسپلن کے ساتھ چلارہے ہیں اب اگر تمام بڑی ہستیاں اس طرح قید کر دی جائیں گی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ستیہ گرہ کی تحریک کون ساتج اختیار کرے گی۔ کچھ روز ہوئے سردار پٹیل نے موجودہ انفرادی ستیاگرہ کو "ریپریزنٹیٹو" (نمائندہ) ستیاگرہ کہا تھا۔ اب صدر کانگریس کی گرفتاری سے وہ نمائندگی بھی پوری ہوگئی۔

لبرل فیڈریشن کا اجلاس

اگر حکومت برطانیہ یا حکومت ہند کو اب بھی یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہو کہ کانگریس کے علاوہ ہندوستان کی کوئی سیاسی پارٹی بھی وائسرائے کی "اگست والی پیشکش" کو پسند نہیں کرتی، اور ہر پارٹی اسے ناکافی اور ناتشفی بخش سمجھ کر اسپر نامنظوری کی مہر لگا رہی ہے تو اسے نیشنل لبرل فیڈریشن کے اس ریزولیوشن کو دیکھنا چاہیئے جو اسکے سالانہ اجلاس میں پاس کیا گیا ہے۔ مزید برآں حکومت نے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا جو بہانہ بنا رکھا ہے اور اقلیتوں کو جس طرح اکثریت کے تمام مطالبات پر "ویٹو" انکار کا حق دے رکھا ہے اسکی مخالفت بھی ہر سنجیدہ طبقے میں کی جارہی ہے۔ لبرل فیڈریشن کے اجلاس کی کارروائیوں میں دو اہم چیزوں نے ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اسکے صدر مسٹر چندا وارکر کی تقریر کا وہ حصہ جس میں انھوں نے اس بات پر پُرزور دیا ہے کہ ہمارے اندرونی اختلافات کے دور ہونے کے سوال کو ہمارے سیاسی مسئلہ کے حل ہونے کے لئے پہلی شرط نہیں بنانا چاہیئے اس لئے کہ جب تک برطانی حکومت اور اہل ہندوستان کے درمیان بنیادی سیاسی مسئلہ حل نہیں کیا جائیگا، ہندوستان کے اندرونی اختلافات کبھی حل نہیں ہوں گے،

(۲) ریزولیوشن کو پیش کرتے میں آنریبل مسٹر پی این سپرو کے یہ الفاظ کہ "ہم جو چیز چاہتے ہیں وہ حقیقی اختیارات ہیں، یعنی اپنی قسمت اور اپنی حکومت پر پورا کنٹرول، بالکل وہی کنٹرول جو برطانی حکومت، یا کناڈا، یا آسٹریلیا یا جنوبی افریقہ کو حاصل ہے۔ اسکے علاوہ کوئی دوسری چیز اہل ہندوستان کو مطمئن نہیں کرسکتی"

جب لبرلوں جیسا اعتدال پسند طبقہ یہ کہہ رہا ہے تو کیا حکومت کو اب بھی کسی مزید ثبوت کی ضرورت ہے؟

"ریڈیکل ڈماکریٹس" کانفرنس!

بعض چیزوں کے نام بھی عجیب ہوتے ہیں اور معنوی اعتبار سے اس طرح برعکس ہوتے ہیں جیسے کالے حبشی کا نام "کافور" رکھ دیا جائے مسٹر ایم۔ این۔ رائے نے جو اب کانگریس کی مخالفت میں اپنا جواب نہیں رکھتے ان کی کوششوں سے ایک کانفرنس منعقد کی تھی جس کا نام "انتہا پسند جمہوریت پرست لوگوں کی کانفرنس" (ریڈیکل ڈماکریٹس کانفرنس) تھا۔ اینگلو انڈین پریس نے اس کانفرنس

کی بڑی آؤ بھگت شروع کی تھی، اور لندن کے اخبار ٹائمز نے اس سے اپنی بڑی امیدیں وابستہ کی تھیں اور یہ خیال ظاہر کیا تھا موجودہ ہندوستانی جمود کا مسئلہ اس سے حل ہو جائیگا، لیکن یہ کانفرنس ختم بھی ہوگئی اور کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے "نیشنل ڈماکریٹک یونین" کے لئے ایک پروگرام مرتب کیا ہے جس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ "جنگ کی کوششوں کو "ڈماکریٹائز" کیا جائے یعنی جمہوری اصولوں پر چلایا جائے" لیکن کسی کو اور غالباً اس کانفرنس والوں کو بھی یہ معلوم نہ ہوسکا کہ جب تک ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم نہ ہو جنگ کو "ڈماکریٹائز" کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ مسٹر رائے نے اعلان کیا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں قائد اعظم مسٹر جناح اور مسٹر امبیدکر جیسے فاضل "ڈماکریٹوں" کی تائید و امداد بھی اپنے مقصد کے لئے حاصل کریں گے بہر حال اس کانفرنس کی ایک دلچسپ خوبی یہ تھی کہ اگرچہ یہ بھی نیشنل لبرل فیڈریشن کے ساتھ ساتھ منعقد ہوئی تھی لیکن لبرلوں میں سے کوئی ایک بھی اہم ہستی اس میں شریک نہیں ہوئی۔

ریلوے تحقیقات!

موجودہ زمانہ حقیقت میں سائنٹیفک تحقیقات کا زمانہ ہے اگرچہ جنگ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سائنس کو اہل مغرب نے "تباہی و بربادی کا آلہ بنا رکھا ہے" تاہم دوسری طرف ہمیں ان فائدوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو جدید سائنٹفک تحقیقاتوں سے ہمیں حاصل ہوئے ہیں اس سلسلہ میں یہ خبر اطمینان بخش ہے کہ ریلویز کی اسٹینڈنگ فائنینس کمیٹی نے ایک ایسی اسکیم منظور کی ہے جس کے ذریعہ ہندوستانی ریلویز کے محکمہ میں ایک مستقل تحقیقاتی ادارے کا اضافہ کیا جائیگا۔ ریلوے کے معاملات پر اکثر اکسپرٹ کمیٹیوں نے اس بات کی سفارش کی ہے کہ ریلویز کی بہتری، سائنٹفک ترقی اور نقائص کو دور کرنے کے لئے ایک مستقل تحقیقاتی ادارہ ہونا چاہیئے ایسی حالت میں جبکہ ریلوے حادثات ہندوستان میں بڑھتے جارہے ہیں یقیناً یہ امر مفید ثابت ہوگا لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ نئے محکمہ کو یورپ سے "ماہرین" بلانے اور انہیں بڑے عہدے دینے کا ذریعہ نہ بنا دیا جائے۔

حق وزارت کا کارنامہ!

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی مشہور یونیورسٹی "وشوبھارتی" کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۴۰ء کہتی ہے کہ حکومت بنگال نے جو امدادی رقم اس یونیورسٹی کو ۴۰-۱۹۳۹ء کے لئے دی تھی اسکے باعث سالانہ خرچ کے بعد ۷۰۰ روپیہ کی بچت ہوئی ہے لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ ایک طرف تو یونیورسٹی کے اخراجات میں اضافہ ہوگیا ہے اور دوسری طرف مسٹر فضل الحق کی حکومت نے وہ گرانٹ بند کر دی ہے جس کا وعدہ اس لئے کیا تھا۔ اب خیال کیا جاتا ہے کہ نئے سال پر اس یونیورسٹی کو شدید مالی نقصانات کا مقابلہ کرنا پڑے گا!

پریسیڈنٹ روزویلٹ کی تقریر

پچھلے دنوں ولایات متحدہ امریکہ کے صدر مسٹر روزویلٹ نے جو تقریر براڈکاسٹ کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امریکہ اس وقت برطانیہ کو پوری امداد پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔ ان کی اس تقریر سے صرف اہل انگلستان ہی کی ہمت نہیں بڑھے گی جو نہایت شاندار صبر و استقلال کے ساتھ اپنے ملک کی حفاظت کر رہے ہیں اور نازیوں کے تباہ کن ہوائی حملوں کا انتہائی دلیری سے مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی اطمینان ہوگا جو جمہوریت اور آزادی پر عقیدہ رکھتے ہیں اور دنیا کو "نازی ازم" اور "فیشزم" سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں پریسیڈنٹ روزویلٹ نے اس سلسلہ میں امریکہ کو "آزادی کا اسلحہ خانہ" کہا ہے، اور یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ "محوری طاقتیں اس جنگ میں فتح حاصل نہیں کرسکتیں"

اس میں شک نہیں برطانیہ کو جو امداد امریکہ دے رہا ہے وہ بہت وقیع اور قابل قدر ہے لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ "نازی ازم" کو جلد از جلد ختم کرنے کے خیال سے امریکہ خود بھی برطانیہ کی طرف میدان جنگ میں داخل ہو جاتا؟

ایک اچھا "کانووکیشن ایڈریس"

ہمیں مسرت ہے کہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے "کانووکیشن" (جلسہ تقسیم اسناد) کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے سر سلطان احمد نے فرقہ پرستوں اور پاکستانیوں سے "مطلق اختلاف رائے کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ ہندو اور مسلمان اب دو قومیں نہیں ہیں اور نہ اب وہ جدا گانہ تمدن و تہذیب کی نمائندہ ہیں۔ آپکا خیال ہے کہ نسلی اور سیاسی اعتبار سے ہم سب کے سب صرف "ہندوستانی" ہیں اور ایک مشترک تمدن کے وارث ہیں اور پرائیوٹ طور پر ہم خواہ کچھ بھی خیال کریں، ہماری قسمتیں ایکدوسرے سے اس طرح وابستہ ہوگئی ہیں کہ اب جدا نہیں کی جاسکتیں اور چونکہ ہماری زندگی کی بنیادیں ایک ہوچکی ہیں، اسلئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ملکر اپنی طاقتیں ایک بہتر ہندوستان کی تعمیر میں صرف کرنی چاہئیں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو سر سلطان احمد ہندوستان کے مستقبل کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"آپ خواہ کچھ بھی کوشش کریں ہندوستان کی نجات کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا گیا تو وہ ہمیں تباہی انتشار، طوائف الملوکی، خونریزی اور دائمی غلامی میں مبتلا کرے گا!"

یہ خیالات حرف بہ حرف صحیح ہیں، لیکن افسوس ہے کہ بعض دوسرے برادران ملک نے ابتک اس حقیقت کو نہیں سمجھا ہے، اور وہ اپنی ناعقلی کے باعث اختلاف اور پھوٹ کے بیج بو رہے ہیں ہمیں یقین ہے کہ سر سلطان احمد کا کانووکیشن ایڈریس طلباء کے لئے

فرقہ وارانہ اتحاد کے ایک بہترین عملی پروگرام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہی وہ نوجوان طبقہ ہے جو آگے چل کر ہندوستان کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھالے گا۔

برطانی کیبنٹ میں اہم تبدیلیاں

لارڈ لوتھین کی وفات کے بعد یہ ضروری ہوگیا تھا کہ آپ کی جگہ پر کوئی سفیر ولایات متحدہ امریکہ کو بھیجا جائے۔ چنانچہ اس عہدے پر لارڈ ہیلی فیکس (سابق لارڈ اروِن وائسرائے ہند) کو متعین کر دیا گیا، اور ان کی جگہ پر مسٹر انتھونی ایڈن کو وزیر خارجہ بنا دیا گیا۔ آنجہانی مسٹر چیمبرلین کی وزارت میں لارڈ ہیلی فیکس ان کے دست راست تھے، اور "میونچ پیکٹ" کا دھبہ اب تک لارڈ ہیلی فیکس کے دامن پر موجود ہے۔ لیکن پھر بھی لارڈ ہیلی فیکس ایک اچھے اور صلح جو مدبر ہیں، اور ہندوستان میں "گاندھی اروِن پیکٹ" آپ کی یادگار ہے خیال کیا جاتا ہے کہ امریکہ کے برطانی سفارت خانہ میں آپ کی موجودگی کامیاب نتائج کا باعث ہوگی۔ مسٹر انتھونی ایڈن کی ہستی ایک دوسری نوعیت رکھتی ہے۔ اگر مسٹر چرچل کے بعد ہٹلر اور مسولینی کسی شخص سے پرخاش رکھتے ہیں تو وہ مسٹر ایڈن کی ذات ہے۔ آپ برطانیہ کے خارجی تعلقات میں ایک مضبوط پالیسی کے حامی ہیں اور آپ چاہتے تھے کہ مسولینی اور ہٹلر کے بڑھتے ہوئے جارحانہ اقدامات کو ابتدا ہی میں روک دیا جائے۔ بہر حال یہ ایک یقینی امر ہے کہ وزیر خارجہ کے عہدے پر آپ ایک کامیاب مدبر ثابت ہوں گے۔ آپ پہلے برطانی وزیر تھے جو ماسکو گئے تھے۔ بہت ممکن ہے آپ کا نیا عہدہ اور سر اسٹافورڈ کرپس کی کوششیں روس و برطانیہ کے درمیان کسی معقول سمجھوتہ کا باعث بن جائیں۔

آل انڈیا ویمنز کانفرنس

چند روز ہوئے آل انڈیا ویمنز کانفرنس کی صدر صاحبہ نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ ہندوستانی عورتوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو رہی ہے اور حالات کی تبدیلی کی وہ خواہش جو عورتوں کے صرف تعلیم یافتہ طبقہ تک محدود تھی اب اس دائرے سے باہر بھی پھیل رہی ہے اور ان عورتوں میں بھی ترقی و اصلاح کی روح پھونک رہی ہے جو نسبتاً پس ماندہ ہیں۔ ہم صدر صاحبہ کے اس اعلان سے مسرت محسوس کرتے ہیں لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہندوستان کی آبادی بڑی کثیر ہے اور صرف چند عورتوں کی اصلاح و ترقی کو ابھی عام عورتوں کی اصلاح و ترقی نہیں کہا جاسکتا ہماری بہنوں کو ان پس ماندہ عورتوں کی بہتری کیلئے ابھی بے شمار کام کرنے باقی ہیں۔

اشارات

ہرسال ۲۴ دسمبر سے لے کر ۳۱ دسمبر تک کا ہفتہ ہندوستان میں کانفرنسوں اور جلسوں کا ہفتہ ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس وقت یورپ میں جو قومیں برسرِپیکار ہیں انھوں نے کرسمس کے مقدس ہفتہ میں جنگ ملتوی نہیں کی، پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ہندوستان کی انجمنیں جن میں سے بعض ایک دوسرے سے برسرِپیکار بھی رہا کرتی ہیں، اپنے سالانہ جلسوں کو ملتوی کر دیتیں، چنانچہ سب کے جلسے اور سب کی کانفرنسیں خوب دھوم دھام سے ہوئیں۔ اس مرتبہ سال کے آخری ہفتہ میں جلسوں کے آغاز کرنے کا سہرا اسوسی ایٹیڈ چیمبرز آف کامرس کے سر رہا۔ اس سالانہ جلسہ کے رزدلیوشن کی سیاہی غالباً ابھی خشک بھی نہیں ہوئی ہوگی کہ یاروں نے جھٹ آل انڈیا اردو کانفرنس اور فوراً ہی آل انڈیا ہندی سمیلن کے جلسے کر ڈالے۔

ان جلسوں میں جو تقریریں ہوئیں انکی صدائیں ابھی فضا میں گونج ہی رہی تھیں کہ دوسری طرف سے ایک آل انڈیا نیشنلسٹ کانفرنس کی تقریروں کی صدائیں آنے لگیں۔ اور از بسکہ ہندوستان میں کوئی انجمن ایسی نہیں ہوسکتی جس کی ایک "فرقہ پرستانہ" قسم کی شاخ نہ کھول دی گئی ہو، فوراً ہی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد کر دیا گیا، غالباً دنیا میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں کوئی چیز "ہندوستانی" نہیں ہوتی، بلکہ زیادہ تر چیزوں کا تعلق فرقہ اور مذہب سے پیدا کر لیا جاتا ہے۔ اس پر ہمیں حضرت جوش ملیح آبادی کا مندرجہ ذیل شعر یاد آگیا ہے

یہ سب کچھ ہے اے جوش ہندوستاں میں ؛ مگر کوئی ہندوستانی نہیں ہے

الغرض ابھی یہ جلسے ہو ہی رہے تھے کہ آل انڈیا ہندو مہاسبھا کے اجلاس کی ہماہمی شروع ہوگئی اور اسی کے لگ بھگ آل انڈیا ہندو یوتھ کانفرنس کا جلسہ بھی مدراس میں ہوا اور دوسری طرف الہ آباد میں یو۔پی مسلم لیگ کا نفرنس منعقد ہوئی اور اس کے بعد فوراً ہندوستان کے "آرام کرسی والے سیاست دانوں" کی اس مشہور انجمن کا جلسہ ہوا جسے لبرل فیڈریشن کہتے ہیں۔ اب آپ غور فرمائیں کہ جس ملک کے مردوں کی اتنی بڑی آبادی "کانفرنس بازی" میں ایسی مہارت رکھتی ہو تو پھر عورتیں اس کارِ خیر میں کیونکر چوک سکتی تھیں چنانچہ اسی ہفتہ میں آل انڈیا ویمنز کانفرنس بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوئی۔

لیکن یہ کانفرنسوں کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوا۔ ہمارے عیسائی بھائیوں نے بھی ایک آل۔انڈیا انڈین کرشچین کانفرنس بلائی۔ اور پھر انڈین اکانومک کانفرنس اور انڈین پولٹیکل سائنس کانفرنس بھی ہوئی۔ ان سے بھی آگے بڑھئے تو انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اور لوکل سلف گورنمنٹ کانفرنس کے اجلاس آپ کے سامنے آئیں گے۔ اور پھر حیدرآباد اسکاؤٹ میلہ اور کوکنا ڈا لٹریری کانفرنس کو بھی آپ نظر انداز نہیں کرسکتے۔

اب تو غالباً آپ ان کانفرنسوں کے نام سنتے سنتے اکتا گئے ہیں، لیکن بندہ نواز آپ کے اکتانے سے کیا ہوتا ہے! بھلا یہ کانفرنسیں آپ کا پیچھا کب چھوڑنے والی ہیں! ابھی یہ فہرست مکمل کہاں ہوئی ہے! ابھی تو آل انڈیا ہومیوپیتھک کانفرنس، اور یو۔پی۔ کلکٹریٹ منسٹریل کانفرنس، اور ایسی چند کانفرنسوں کے نام باقی ہیں، لیکن ہم آپکو زیادہ زحمت نہیں دیں گے۔ کسی شاعر نے ایک بہت ہی اچھا شعر کہا تھا کہ

فکرِ معاش، عشقِ بتاں، یادِ رفتگاں ؛ دو دن کی زندگی میں بھلا کیا کرے کوئی

اس شعر کی ایک دلچسپ خوبی یہ ہے کہ زندگی تو صرف دو دن کی ہے اور شاعر کے لئے اس زندگی میں تین کام ہیں، یعنی "فکرِ معاش"، "عشقِ بتاں" اور "یادِ رفتگاں"، جن کے لئے اسے وقت نہیں ملتا۔ کیا ہمارے لئے یہ عبرت کی بات نہیں ہے کہ ہندوستان والے صرف سات دنوں کے اندر اتنی کثیر تعداد میں کانفرنسیں کیونکر کر ڈالتے ہیں! کیا آپ اس کارنامہ کی داد نہ دیں گے؟

احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظم مسٹر جناح نے کہا ہے کہ "پاکستان صدیوں سے موجود ہے" اب سوال یہ ہے کہ جب پاکستان موجود ہی ہے تو آپ دھمکیاں دے دے کر اس کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں، اور یہ کیوں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہر قسم کے [illegible] پاکستان کے لئے قربانی پیش کرنی پڑیگی؟ غالباً "صدیوں سے پاکستان کی موجودگی" کا مطلب [illegible]

رازونیاز

(۱) اردو والے بھی ہندوستانی زبان کی مخالفت کرتے ہیں اور ہندی والے بھی۔ کیا آپ بتائیں گے کہ ہندوستانی زبان کس کی زبان ہے۔

جواب:۔ ہندوستانی زبان کی کیفیت بھی کانگریس کی سی ہے۔ ہندو مہاسبھا ہندوؤں کی اور مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ گویا کانگریس کسی کی نہیں۔ اس کے باوجود کروڑوں اشخاص اس قومی انجمن میں شریک ہیں، ہندوستانی زبان اس ملک کے عوام کی زبان ہے۔

(۲) مسٹر مقیم الدین فاروقی کو دہلی یونیورسٹی نے ایم۔اے کی ڈگری سے محروم کر دیا ہے۔ اب انہیں ایم۔اے کہنا یا لکھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کہنے میں چنداں مضائقہ نہیں لکھنے میں گرفت ہوسکتی ہے۔

(۳) آپ کے خیال میں کالج کے طالب علموں میں مہاتما گاندھی کا کتنا احترام کیا جاتا ہے؟

جواب:۔ کالجوں کے طالب علم مہاتما گاندھی کا اتنا ہی احترام کرتے ہیں جتنا اپنے والدین یا پروفیسروں کا۔

(۴) دیسی ریاستیں برطانی حکومت کی اتنی مداح کیوں ہیں؟

جواب:۔ اس لئے کہ انکی مطلق العنانی محفوظ ہے۔

(۵) اردو اور ہندی کا جھگڑا کس طریقہ پر ختم ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ ملک میں قومیت کا صحیح احساس پیدا کرنے سے

(۶) ہندو مہاسبھا کے اجلاس میں طے کیا گیا ہے کہ ہندوؤں کی دکانوں سے اور ہندوؤں کا بنایا ہوا مال خریدا جائے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:۔ اس سے زیادہ مؤثر طریقہ پر پاکستان کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔

(۷) تانگے پر اگلی نشست پر بیٹھنا ٹھیک ہے یا پیچھے کی نشست پر

جواب:۔ شہروں میں پیچھے کی نشست پر بیٹھنا ٹھیک ہے کیونکہ یہ نشست زیادہ آرام دہ ہوتی ہے اور دیہات میں چونکہ کچی سڑکیں ہوتی ہیں اس لئے وہاں خاک بہت اڑتی ہے جو پہیوں سے اچھل کر پچھلی نشست پر آتی ہے اس لئے وہاں اگلی نشست پر بیٹھنا زیادہ مناسب ہے۔ (۸) ملک میں بیکاری دور کرنیکا سب سے مؤثر طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ سوراج کے لئے کوشش کرنا۔ (۹) کیا آپکے نزدیک یہ نظریہ صحیح ہے کہ انسان حیوانی نسل سے ہے؟

جواب:۔ میرا زونیاز کو اس علم میں چنداں دخل نہیں لیکن جنگ یورپ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

(۱۰) ریل پر سوار ہوتے وقت سب سے زیادہ ضروری کیا ہے؟ **جواب:۔** حواس۔

(۱۱) ہندوستان کی تہذیب زیادہ پرانی ہے یا چین کی؟ اس بارے میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے؟

جواب:۔ کہتے ہیں کہ پہلے پہل حضرت انسان تبت کی پہاڑیوں میں پیدا ہوئے یا یوں کہئے کہ نمودار ہوئے اس لئے اگر آپ تبت کو چین میں شامل سمجھتے ہیں تو چین کی تہذیب کو زیادہ پرانا سمجھئے اور اگر آپ کے نزدیک تبت ہندوستان میں شامل ہے تو پھر ہندوستان کی تہذیب زیادہ پرانی ہے۔

(۱۲) ڈاکٹر تائی جی ٹاؤ چین سے ہندوستان اس لئے آئے تھے کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے چین جانے کا جواب ہو جائے مگر ڈاکٹر تائی جی ٹاؤ نے خود پنڈت جواہر لال نہرو سے کیوں ملاقات نہیں کی۔

جواب:۔ ڈاکٹر تائی جی ٹاؤ جب ہندوستان تشریف لائے تو پنڈت جواہر لال نہرو گرفتار ہوچکے تھے۔ ڈاکٹر موصوف کی روانگی کے وقت تک وہ رہا نہیں ہوئے تھے۔ ڈاکٹر تائی جی ٹاؤ چونکہ جاپانی حکومت کے نمائندوں کے مہمان رہے اس لئے انھوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ایک ایسے شخص سے ملاقات کریں جو دوسری حیثیت سے حکومت کا مہمان ہے۔

(۱۳) بہت سے نوجوان شادی کرنے سے انکار کر دیتے ہیں انکے والدین کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

جواب:۔ آٹھ دس سال کے لئے انکی شادی کا ذکر ہی چھوڑ دینا چاہئے تب۔ کو صاحبزادے خود ہی شادی کے حق میں ہو جائیں گے۔ (۱۴) آپکے نزدیک شہروں میں رہنا اچھا ہے یا دیہات میں۔

جواب:۔ قصبوں میں رہنا مناسب ہے جہاں دیہات کی سی آب و ہوا اور شہروں کی سہولتیں حاصل ہوں۔

(۱۵) ایڈیٹروں کی کانفرنس کے بلانے کا خیال کیوں شروع ہوا؟ **جواب:۔** اس لئے کہ ایڈیٹر لکھنے کے کام میں ماہر ہوتے ہیں [illegible] جب کوئی تنازعہ پیدا ہوجائے۔

(۱۶) [illegible] ۱۹۳۵ء کے مقابلہ میں کم کیوں ہیں۔ **جواب:۔** [illegible] ۱۹۳۸ء میں کانگریسی وزارتیں برسرِاقتدار [illegible] بہت سے ایسے حضرات بھی جوان فرزندوں کو خوش کرنیکے لئے [illegible] ان کے ویسی گھر نہ کیا تھا۔

رفتار زمانہ

دوران جنگ کا دوسرا "کرسمس سیزن" بھی گذر گیا، اور نیا سال بھی شروع ہو گیا۔ لیکن جس طرح اس سے پہلے کا نیا سال آیا تھا اور دنیا کے لئے امن وصلح کا کوئی پیغام نہیں لایا تھا، بالکل اسی طرح ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں بھی اس امر کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جنگ کونسی صورت اختیار کرے گی اور کس طرف کو پھیلے گی۔ اس کے سوا کہ صرف ایک رات کے لئے جنگ کے فریقوں نے ہوائی بمباری سے پرہیز کیا تھا کوئی نئی بات گذشتہ ہفتہ میں ظاہر نہیں ہوئی۔ کچھ روز ہوئے ایک طبقہ میں یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ عین کرسمس کی شام کو ہٹلر برطانیہ پر سب سے بڑا حملہ کرے گا۔

اگرچہ ہٹلر اب تک اپنے تمام حملوں میں جو اس نے جزیرہ برطانیہ پر کئے ہیں ناکامیاب رہا ہے لیکن حکومت برطانیہ اور اہل برطانیہ اس سلسلہ میں ذرہ برابر بھی غفلت سے کام نہیں لے رہے ہیں۔ ان کی دماغی تیاریوں اور مورچہ بندیوں کے انتظامات میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جزیرہ برطانیہ پر ہٹلر کا کوئی وسیع یا کامیاب حملہ اب تک ایک خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا ہے۔

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ موسمی حالات نے فریقوں کے جنگی انتظامات اور فوجوں کی نقل و حرکت میں کوئی خاص تبدیلی پیدا کی ہے۔ اگرچہ یورپ میں اور خصوصاً مغربی یورپ میں یہ شدت کی سرد ہواؤں اور برفانی آندھیوں اور کہر کا زمانہ ہے، تاہم ان آفتوں سے مقابلہ کرنے کی صورتیں بھی جدید سائنس نے پیدا کر دی ہیں، آپکو غالباً یاد ہوگا کہ روس اور فنلینڈ کی جنگ بھی گذشتہ موسم سرما کی شدید ترین برفباری کے زمانے میں ہوئی تھی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس جنگ پر موسم کا کوئی اثر نہیں پڑ رہا ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اب موسم کے باعث جنگ کے التوا کا کوئی امکان پیدا نہیں ہوتا۔ تازہ ترین اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کے چند بڑے بڑے فوجی دستوں نے نقل و حرکت شروع کر دی ہے اور بہت سی نازی فوجیں "غیر مقبوضہ فرانس" اور کچھ فوجیں خطہ بلقان کی طرف بڑھ رہی ہیں، انکا اصلی مقصد کیا ہے اسکے متعلق تا دم تحریر کوئی خاص اطلاع نہیں ملی ہے، لیکن یورپین اخبارات کہتے ہیں کہ ہٹلر اب برطانیہ پر آخری اور فیصلہ کن حملہ کرنے میں دیر نہیں کرے گا۔

دوسری طرف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ فرانس کی موجودہ حکومت نے ہٹلر کے بعض مزید مطالبات منظور نہیں کئے ہیں، اس لئے اب نازی فوجیں "غیر مقبوضہ فرانس" پر بھی قبضہ کر لیں گی۔

بلقان کی طرف نازی فوجوں کے بڑھنے کا مقصد یہ بتلایا جاتا ہے کہ ہٹلر اب یونان کے خلاف اپنے دوست مسولینی کی مدد کرنے میں دیر کرنا نہیں چاہتا۔ معلوم نہیں یہ خیال کہاں تک صحیح ہے، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ گذشتہ دو ماہ میں جرمنی نے اٹلی کو اب تک کوئی مدد نہیں دی ہے اور اس وقت جبکہ یونانی فوجوں نے اٹلی کے چھکے چھڑا دیئے ہیں اور البانیہ میں جہاں زمین پر اندنوں تین فٹ گہری برف موجود ہے دلیری سے جنگ کر کے اطالوی فوجوں کو شکست پر شکست دی ہے، نازیوں کا اگر اطالویوں کی کمک کو پہنچنا ناممکن نہیں ہے تو بہت زیادہ قرین قیاس بھی نہیں ہے۔ اس موجودہ صورت حال کو سمجھنے کے لئے ہمیں روس کی پوزیشن اور شمالی افریقہ میں اٹلی پر برطانیہ کی فتح کے پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایک طرف اگر روس یہ دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا کہ صرف ہٹلر ہی سارے یورپ کا مالک بن بیٹھے، تو دوسری طرف اٹلی کا یونان کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد مصر کی سرحد پر اور مغربی صحرا میں برطانی فوجوں کے ہاتھوں بھی شکست کھا جانا اٹلی کی انتہائی رسوائی کا باعث سمجھا جا رہا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اگر نازی امداد سے یونانی فتوحات کی بڑھتی ہوئی رو روک دی گئی جب بھی دنیا کے سامنے اب اٹلی کا سر اونچا نہیں ہو سکتا۔ ہٹلر بھی شاید دل ہی دل میں خوش ہو رہا ہوگا کہ دنیا پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اٹلی کوئی بڑی طاقت نہیں ہے بلکہ نازیوں کا محتاج ہے۔ کیونکہ ایک طبقہ اب بھی موجود ہے جس کا خیال یہ ہے کہ ہٹلر اگر اٹلی کو کمزور دیکھ کر خود اٹلی ہی کو دبا بیٹھے تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔

جہانتک برطانیہ کا تعلق ہے اسکی طاقت میں خاطرخواہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ولایات متحدہ امریکہ کے صدر مسٹر روزویلٹ کے تازہ ترین بیان سے صاف ظاہر ہے کہ امریکہ اس وقت برطانیہ کی اور جمہوریت کی حفاظت کے لئے بڑی سے بڑی امداد پیش کرنے کو تیار ہے اور دوسری طرف مسٹر انتھونی ایڈن کا پھر برطانی وزیر خارجہ کے عہدے پر آ جانا اہمیت سے خالی نہیں ہے۔

ریڈیو
ہماری بیہودگیاں!

آل انڈیا ریڈیو نے اس عنوان سے تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جو پانچویں تقریر پر پچھلے ہفتہ ختم ہو گیا۔ آخری تقریر پروفیسر تاثیر صاحب ایم۔ اے کی تھی اور اس کا موضوع تھا

آرٹ میں بیہودگیاں

اس میں شبہ نہیں کہ پروفیسر صاحب کی تقریر بہت دلچسپ تھی اور بالخصوص اسکی یہ تمہید بہت ہی لطف تھی کہ بیہودگی بیشتر کوئی اکتسابی چیز نہیں بلکہ خدا کی دین ہوتی ہے ممکن ہے کہ کوئی مولوی صاحب اس بات پر ناراض ہو جائیں کہ بیہودگی جیسی چیز خدا کی دین کیسے ہو سکتی ہے وہ اسے شیطان کی دین کہنا پسند کریں گے لیکن یہاں خالق خیر و شر کا باریک مسئلہ آ جاتا ہے جس پر آجتک دنیا کے بڑے بڑے فلسفیوں میں اختلاف چلا آتا ہے، سچ پوچھئے تو جبر و قدر کا مسئلہ اسی کی ایک شاخ ہے مگر اس تنقید کا موضوع اس مسئلہ سے بالکل جداگانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ آرٹ کی بحث میں مولویت کا داخل ہونا مناسب نہیں۔

پروفیسر تاثیر صاحب نے اپنی تقریر میں بیہودگی کے لفظ کو وسعت دینے میں بڑی جسارت سے کام لیا ہے مثلاً وہ آرٹ میں اصل مطابق نقل کے اصول کو بھی بیہودگی سے تعبیر کرتے ہیں اور آرٹ کے اس پہلو کو بھی بیہودگی کا نام دیا ہے کہ تخیل اسے حقیقت سے سب الگ کر دے۔

سچ تو یہ ہے کہ اتنے باریک مسئلہ پر پندرہ منٹ کی گفتگو (بالخصوص جب وہ ریڈیو کے لحاظ سے گھریلو گفتگو کے انداز میں ہو) کافی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ پروفیسر صاحب کا مفہوم اکثر مقامات پر "عابث و تاں" ہو کر رہ گیا ہو لیکن اس کے چند نمایاں پہلوؤں پر تنقید کیجاتی ہے۔

آرٹ کا مفید ہونا ضروری ہے یا نہیں یہ ایک پرانی بحث ہے بظاہر پروفیسر صاحب اس اسکول سے تعلق رکھتے ہیں جو آرٹ کے لئے مفید ہونا ضروری سمجھتا ہے۔ علامہ اقبال بھی اسی خیال کے تھے۔ مغربی ملکوں میں بھی اہل الرائے اس بارے میں باہمی اختلاف رکھتے ہیں جب سے کمیونسٹ فلسفہ نے یورپ کو چھا لیا ہے تب سے آرٹ کے مفید ہونے کو ایک امر مسلمہ قرار دیا گیا ہے لیکن ابھی تک مشرق کی یہ مسلمہ رائے نہیں ہے یہاں آرٹ کو تلسی داس کے ساتھ "سوانتہ سکھائے (اپنے قلب کے لئے مسرت بخش)" ماننے والے اب بھی پائے جاتے ہیں۔ اردو کے مشہور شاعر حضرت جگر مراد آبادی بھی اسی صف میں ہیں وہ آرٹ کا مفید ہونا لازمی نہیں مانتے۔

آرٹ کا مفید ہونا اسی طبقہ کی نظر میں ضروری ہو سکتا ہے جو آرٹ میں اجتماعیت کا قائل ہو لیکن آرٹ میں انفرادیت کو نمایاں حیثیت دینے والے اس سے متفق نہیں حالانکہ بہت سے لوگوں نے اسی لئے شاعر کے بدلے ادیب کہا کہ انکے کلام میں اپنے مقابلہ میں دوسروں سے تخاطب زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کا بہترین آرٹ وہی ثابت ہوا ہے جس میں انفرادیت رہی ہو کیونکہ وہ اس محویت کا نتیجہ ہوتے ہیں جو ایک آرٹسٹ کو خود سے بے نیاز کر کے آرٹ میں جذب کر لے۔

پروفیسر صاحب کی تقریر میں سب سے زیادہ کھٹکنے والی بات یہ ہے کہ وہ اجنٹا کے غاروں یا اسی قسم کی ماضی کی یادگاروں سے موجودہ آرٹ کو بے نیاز یا کم از کم غیر متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ آرٹ پسندی بھی بدلتی رہتی ہے لیکن نہ تو کوئی آرٹ اس ملک کے ملبوں سے بے نیاز ہو سکتا ہے جس میں اس نے پرورش پائی ہو اور نہ ماضی سے قطع تعلق کر لینا ہی آرٹ کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ وہ اجنٹا کے غار جنہیں دور دور کے آرٹسٹ اور برگزیدہ روزگار دیکھنے کے لئے آتے ہیں ہمارے آرٹ سے کیونکر محو کئے جا سکتے ہیں ان کی جانب سے غافل ہو جانا ہندوستان کی اس رہی سہی عظمت کو بھی خیر باد کہہ دینا ہے جو اس گئے گذرے زمانہ میں آثار الصنادید کی بدولت قائم ہے جو کام ایک مورخ بڑی دشواری سے انجام دے سکتا ہے وہ ایک آرٹسٹ کے لئے آسان ہے۔ مورخ جو باتیں دماغ کو تھکا دینے کے بعد ثابت کرتا ہے، آرٹسٹ ایک جنبش قلم سے پیش بلکہ دلنشیں کر دیتا ہے۔

بہرحال ہمیں آرٹ میں تفریق کرنی ہوگی ایک وہ آرٹ جو عام پسند ہو اور جو بازاری مقبولیت کے لحاظ سے کبھی کبھی عوام پسندی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے وہ آرٹ جس میں انفرادیت نمایاں ہو، بدقسمتی سے یہ آرٹ صرف اہل نظر کے لئے ہو سکتا ہے یہ اسی دور کی بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے رہی ہے مگر اب چونکہ نام نہاد آرٹسٹوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اس لئے یہ دوسری قسم اور بھی نادر الوجود ہو رہی ہے پھر بھی اسے بیہودگی کے نام سے تعبیر کرنا ظلم ہے بلند نظر والے تو یہی کہیں گے کہ

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اگر ادیبوں کی نکتہ چینی کا خوف نہ ہو تو مصرع اولیٰ میں حسن کی جگہ آرٹ پڑھ لیجئے۔

مہلا سماج

سماج میں عورتوں کا درجہ

(از جناب سُندر لال جسولہ۔ کھاتولی ضلع مظفر نگر)

[ہم دوسرے حضرات کو بھی اس وقتی موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن مضمون مختصر اور پرمغز ہونا چاہیئے۔ ——— (ایڈیٹر)]

سماج میں عورتوں کا کیا درجہ ہونا چاہیئے۔ اس سوال پر تیج دیپک میں بہت سے اصحاب اپنے زرّیں خیالات ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ امید ہے کہ میرے چند الفاظ کو عزت مطالعہ بخشی جائے گی۔

پُرانی تہذیب کی تاریخ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سماجک نظام کبھی ایک حالت میں نہیں رہا۔ بلکہ وقت وقت پر اس میں ترمیم اور تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ عورتیں پوری آزادی کے ساتھ گھر کی مالک تھیں۔ ان میں تعلیم کی روشنی تھی۔

آہستہ آہستہ عورتیں مردوں کے ماتحت ہو گئیں انکی تعلیم اور آزادی کے حق کو سلب کر لیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ وہ مردوں کی شخصی جائداد سمجھی جانے لگیں۔ خرید و فروخت تک کا حق مردوں کو حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد پھر کچھ اصلاح ہوئی۔ مرد باہر کا کام کرنے اور روٹی کمانے اور عورتیں گھر کا انتظام کرنے کے لئے سمجھی جانے لگیں۔ مگر رہیں مردوں کے ماتحت ہی اب وقت آیا ہے کہ عورتیں ہر طرح مردوں کے برابر حقوق چاہتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ عورتوں کو ترقی کرنے سے روکنے کا مردوں کو کیا حق ہے جبکہ ان کے لئے جسمانی یا دماغی ترقی کرنا، آزادی سے رہنا اور مردوں کی طرح اپنے پیروں پر کھڑا ہونا قدرت کے کسی اصول کے خلاف نہیں ہے؟ تاریخ بتلا رہی ہے کہ قریب قریب ہر ایک کام جو مردوں نے کئے ہیں یا کر سکتے ہیں عورتوں نے بھی کئے ہیں۔ بادشاہت اور جنگ جیسے اہم اور مشکل کام تک کی ذمہ داری اپنے اوپر لے کر نہایت کامیابی سے اپنے فرائض کو انجام دیا ہے۔ دوسرے ممالک میں اب بھی قریب قریب ہر شعبۂ زندگی میں عورتیں آزادی کے ساتھ حصہ لے رہی ہیں۔ دفتروں میں کام کرنا ایک معمولی بات ہو گئی ہے۔ ہندوستان میں بھی بہت سی عورتوں نے ڈاکٹری اور وکالت وغیرہ پیشوں میں نام روشن کیا ہے۔ اب سیاست میں بھی مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ اب تو پولیس میں بھی بھرتی کی جانے لگی ہیں۔ ان باتوں سے کم از کم یہ خیال کہ عورتیں محض گھر کی چہار دیواری کے اندر ہی رہنے کے لئے ہیں غلط ثابت ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ عورتوں کے ان قدرتی حقوق کے خلاف ہیں وہ دیش، قوم اور سماج کی ترقی نہیں چاہتے۔ یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ آنکھیں بند کئے لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔

مردوں نے عورت کو ہمیشہ عیش و عشرت کا سامان سمجھا ہے۔ اسی لئے انکو غلام بنائے رکھنے کی کوشش ہمیشہ کی جاتی رہی۔ اسی مقصد کے پیش نظر نہ ان کی مناسب تعلیم کا کبھی انتظام کیا گیا۔ نہ انکی ترقی کی راہیں کھولی گئیں، اور ان کو اپنے پیروں پر اسی لئے کھڑا ہونے کے لائق نہیں ہونے دیا گیا تاکہ وہ مردوں کی غلامی کے شکنجے سے نہ نکل سکیں۔

عورت کو غلامی کی زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور کر کے مردوں نے ایک گناہ عظیم کیا ہے۔ اسے قیمتی زیوروں اور بھڑکیلے کپڑوں کے لالچ میں پھنسا کر اور پردہ کی زنجیروں میں باندھ کر اور تعلیم سے محروم رکھ کر مردوں نے اس کو یہ بتلایا ہے کہ خاوند ایشور کے برابر ہے۔ اس کی خدمت میں ہی نجات ہے۔ عورتوں کے پیدائشی اور جائز حقوق کچل کر مردوں نے انہی کے ساتھ زیادتی نہیں کی بلکہ اپنے پیروں میں بھی کلہاڑی مار لی ہے۔ اسی کمزوری کے باعث ملک اور سماج بھی مصیبتوں کی دلدل میں پھنس گیا ہے۔

سچا سُکھ سچے پریم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ سچا پریم ان حالات میں پیدا ہونا ضروری نہیں ہے۔ سچا پریم جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ عورتیں تعلیم یافتہ ہو کر مردوں کی طرح آزاد ہوں۔ سماج میں جو حقوق اور آزادی مردوں کو حاصل ہیں وہی ان کو حاصل ہوں۔ شادی اپنی خواہش اور پسند سے کریں۔ پھر بے میل جوڑی ہونے کی وجہ سے زندگی بے لطف اور دکھی نہیں ہو سکتی۔

عورتوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ موقعہ ملنے پر ہر کام میں اگر مردوں سے آگے نہیں تو پیچھے بھی نہیں رہ سکتیں۔ بہادری اور قربانی کا مادہ بھی ان میں موجود ہے۔ صرف ان کے لئے میدان تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ عورتوں نے خود بھی اپنے ان حقوق کے لئے آواز اٹھائی ہے۔ وقت اور ضرورت کا بھی تقاضہ ہے کہ انکو قانوناً مردوں کے برابر حقوق اور آزادی دیکر ہر ایک کام کرنے کا حق دے دیا جائے۔ ملک اور سماج کی ترقی اور بہبودی بھی اسی میں ہے۔

بال سبھا

بچوں کے کچھ تیوہار

(از محترمہ تارا پانڈے)

زندگی میں تیوہار اپنی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ تیوہار ہر مذہب میں منائے جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ تیوہار منانے کے مختلف طریقے ہیں۔ لیکن ایسا شاید ہی کوئی فرقہ ہو جو تیوہار نہیں مناتا۔

جو لوگ غریبی کی وجہ سے ہمیشہ اچھا کھانا نہیں کھا سکتے، جنھیں تنگ دستی کے سبب اچھے کپڑے بھی نصیب نہیں وہ بھی تیوہار کے بہانے اچھا کھانا کھا لیتے ہیں، اور نئے یا دُھلے ہوئے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ جسم، گھر اور کپڑوں کی صفائی کی طرف جنھیں دھیان دینے کی بھی فرصت نہیں ملتی وہ بھی تیوہار کے دن خوش ہو کر صفائی کر لیتے ہیں۔

یوں تو سبھی تیوہار بچوں ہی کے لئے ہوتے ہیں اسی قسم کے کمایوں کے کچھ تیوہاروں کا ذیل میں ذکر کروں گی۔

ہریالہ

کمایوں میں ساون کی سنکرانتی کو یہ تیوہار منایا جاتا ہے سنکرانتی کے سات یا نو دن پہلے دو ٹوکریوں میں مٹی بھر کر اس میں گیہوں، جو، مکا وغیرہ بو کر اندر رکھ دیتے ہیں تاکہ پوجا کے دن تک پودے اُگ کر بڑھ جائیں، اور ملائم چکنی مٹی کی دیوتاؤں کی مورتیاں بناتے ہیں۔ یہ مورتیں پانچ بنائی جاتی ہیں۔ گنیش جی، گنیش جی کی بیوی، مہادیو جی، پاربتی اور کارتکیہ جی۔ ان مورتوں کو سفید مٹی سے پوت کر طرح طرح کے رنگ لگائے جاتے رنگ لگا دینے سے مورتیں خوبصورت نظر آتی ہیں۔ سنکرانتی کے پہلے روز شام کو مہادیو اور پاربتی کی شادی ہوتی ہے۔ ٹوکری میں بویا ہوا اناج ہم کو بہت خوبصورت نظر آتا ہے۔ ان ٹوکریوں میں مٹی والی مورتوں کو رکھکر پوجا کرتے ہیں۔

سنکرانتی کے دن صبح ٹوکریوں میں سے ہرے ہرے تنکے توڑ کر سر پر رکھے جاتے ہیں۔ یعنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ اناج کی پوجا ہی سب سے بڑی پوجا ہے۔ زراعت پیشہ ملک میں اس قسم کا تیوہار کوئی نئی بات نہیں۔

مٹی کی مورتوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج خواہ انکی قیمت نہ ہو لیکن قدیم زمانے سے کمایوں میں گھر گھر ہاتھ سے مٹی کے کھلونے بنائے جاتے تھے۔ یقیناً ان مورتوں میں اب فنی نقطۂ نظر سے کوئی خاص جاذبیت نہیں رہی لیکن جب کمایوں خوشحال تھا تو یہاں کی صنعت اپنا ایک خاص معیار رکھتی تھی۔ بچوں کے کھیلنے کے لئے اتنی کفایت میں اور چیز نہیں تیار ہو سکتی۔

کھتڑوا

کنوار کی سنکرانتی پر یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ یہ بھی بچوں ہی کا ایک خاص تیوہار ہے۔ یہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے راجہ گڑھوال کو راجہ کمایوں نے ہرا دیا تھا۔ یہ تیوہار اسی کی یادگار میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ گھاس پھوس کے گٹھڑ میں آگ لگا کر اس وقت اس جیت کی خبر دی گئی ہوگی۔ اس وقت آجکل کے سے ذرائع خبر رسانی تو تھے نہیں۔ چنانچہ آج بھی اس یاد کو تازہ کرنے کے لئے گھر گھر میں گھاس پھوس کا ایک بڑا گٹھڑ بنایا جاتا ہے اس میں آگ لگا دیتے ہیں۔ بچوں کے ہاتھوں میں پیڑ کی شاخیں طرح طرح کے پھولوں سے سجا کر دی جاتی ہیں۔ پھر بھیلو جی بھیلو جی بھیلو بھیلو کھتڑوا کے نعرے لگا کر بچے اس جلتے ہوئے گٹھڑ کے پاس جاتے ہیں اور زور زور سے وہی نعرے لگاتے ہیں۔ بچوں کی آواز سے آسمان گونج اٹھتا ہے۔ اس وقت ہاتھ کی سجی ہوئی شاخیں اور پہاڑی ککڑی جوان دونوں کثرت سے ہوتی ہے آگ پر ڈال دیتے ہیں۔ دھوئیں کے ساتھ ساتھ بھیلو جی، بھیلو، بھیلو کھتڑوا کی آواز سے آسمان گونج اٹھتا ہے یہ تاریخی تیوہار آجتک کمایوں میں منایا جاتا ہے۔

کالے کوّا

ماگھ کی سنکرانتی کے دوسرے روز صبح یہ منایا جاتا ہے۔ بچے یہ تیوہار بہت پسند کرتے ہیں۔ چند روز پہلے سے کوّوں کو دعوت دی جاتی ہے، کبھی روٹی کبھی چاول انکے کھانے کے لئے رکھتے ہیں، سنکرانتی کے دوسرے روز شکر پارے، گجھیا، پوری اور دوسری قسم کی آٹے کی چیزیں پکائی جاتی ہیں، پھر ان کا ہار بنایا جاتا ہے، گنے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، نارنگی اور ہو سکا تو میوہ بھی ہار میں پرو دیتے۔ کنبے میں جتنے بچے ہوں سب کے لئے ایک ایک ہار تیار کیا جاتا ہے، دوسرے روز بہت تڑکے سے بچے ہار پہن کر کوّوں کو بلاتے ہیں "کالے کوّا کالے کالے" اور ہار میں سے ٹکڑے توڑ توڑ کر دیئے جاتے ہیں تاکہ کوّے آئیں وہ ہار میں پروئی ہوئی چیزوں کا نام لے کر کہتے جاتے ہیں مثلاً۔

لے کوّا نارنگی، مجھے دے سارنگی
لے کوّا تلوار، مجھے دے پریوار
لے کوّا ڈھال، گھر میں بھرے مال

وغیرہ وغیرہ۔ بچے ہنسی ہنسی میں بچے ان چیزوں کے نام بھی جان جاتے ہیں جو ہار میں پروئی جاتی ہیں۔ اس تیوہار کی صنعت بھی

حفظ صحت

(از جناب حکیم ناظر حسن صاحب نسیم۔ آنریری سکریٹری طبیہ کالج سہارنپور)

جس مرد یا عورت کے خیالات بشاش، پُر امید اور اچھے ہوتے ہیں، اسکی صحت اچھی ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے جن لوگوں کا تخیل منفی ہوتا ہے۔ وہ عام طور پر بے بنیاد خطرات۔ پریشانیوں۔ شبہات۔ خامیوں اور دوسری خرابیوں سے گھبراتے رہتے ہیں اور ہر بات میں انھیں نا امیدی ہی نا امیدی دکھائی دیتی ہے۔ اگر ان خیالات کو نہ روکا جائے تو یہ خیالی باتیں بیماری کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔

ہماری جسمانی صحت کا پہلا قانون یہ ہے کہ ہم درست طریقہ پر سانس لیں۔ جہاں تک ممکن ہو ہمیں مکانات سے باہر رہنا چاہئے۔ ایک اور بُری عادت جو آدمیوں کو پڑ جاتی ہے وہ منہ سے سانس لیتے ہیں۔

قدرت نے نتھنے اس لئے دیئے ہیں کہ ان سے سانس لیا جائے۔ منہ کے ذریعے سانس لینے سے گرد و غبار اور خوفناک امراض کے جراثیم ان نازک اعضا میں داخل ہو جاتے ہیں جو خلش پیدا کرتے ہیں۔ مزید براں زیادہ خنک یا زیادہ خشک ہوا سے مقابلہ کرنے کے لئے ان کی قوت مدافعت بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

جسمانی صحت کا دوسرا قانون یہ ہے کہ درست طریقہ پر پانی پیو۔ انسانی جسم کا ۸۰ فی صدی پانی ہے۔ انسان دنوں بلکہ ہفتوں تک بغیر خوراک کے گذارہ کر سکتا ہے، اور شاید اسے کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔ لیکن پانی ہر تین گھنٹوں کے بعد پینا چاہئے۔ ورنہ بہت خراب نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

اس سوال کا کہ پانی کب پینا چاہئے بہترین جواب یہی ہے کہ جب پیاس لگے۔ دونوں اوقات کے کھانا کھانے کے درمیان میں جو وقفہ ہوتا ہے اس میں پانی پینا بہترین وقت ہے۔

کتنا پانی پینا چاہئے؟

اس کے متعلق بہترین رہنمائی سچی پیاس کر سکتی ہے۔ بہت سے لوگ پانی کی کافی مقدار استعمال نہیں کرتے

کیسا پانی پینا چاہئے؟

صاف پانی قدرتی شربت ہے۔ اچھا پانی بہترین ٹانک ہے اور جسم کی تعمیر کرنے والا ہے۔ چائے۔ قہوہ۔ اور شراب سے جہاں تک ممکن ہو پرہیز کرنا چاہئے۔

جسمانی صحت کا تیسرا قانون درست طریقہ پر کھانا کھانا ہے۔ بہت سے لوگ خوراک کو سالم نگل جاتے ہیں اور جب بھوک نہیں لگتی تو اسے لذیذ قسم کے کھانوں سے ابھارا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اشتہائے صادق جو ہماری بہترین رہنما ہے خود گمراہ ہو جاتی ہے۔

کھانا صرف اسی وقت کھایا جائے جب اس کا احساس ہو۔ اور صرف اتنا ہی کھایا جائے جتنا کہ اس کا مطالبہ ہے۔ دوسری بات خوراک کو کامل طور پر چبانا ہے۔ اس کو لعاب دہن میں اتنا گھلانا چاہئے کہ وہ خود بخود حلق کے اندر چلی جائے۔ ہاضمہ کا پہلا عمل منہ میں شروع ہوتا ہے۔

ہماری جسمانی صحت کا چوتھا اصول یہ ہے کہ درست طریق پر صفائی رکھو۔ ایک تو یہ کہ جلد سے گرد و غبار اور خارجی مادوں کو جو اس سے چمٹ جاتے ہیں علیحدہ کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جلد کو تحریک دیتا ہے اور گرم غسل عضلات کو پھیلانے والا ہوتا ہے۔

پانچواں اصول درست طریقہ پر تفریح کرنا ہے۔ تفریح کرنے کا مطلب ہے تلون پیدا کرنا ہے۔

جب دن کا کام ختم ہو جائے تو کام چھوڑ دو اور اسے بھول جاؤ۔ اصلاح نفس کا تفریح سے نزدیکی رشتہ ہے۔ اصلاح نفس کے کام میں اچھی کتابوں کے پڑھنے کا مذاق پیدا کرنے کو ایک اہم درجہ حاصل ہے جس طرح جسم کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر دماغ کو نشو و نما دینا چاہتے ہو تو مطالعہ کی عادت ڈالو۔

چھٹا قانون درست طریقہ پر سونا ہے۔ بہت زیادہ سونے سے یہ مطلب ہے اس شخص کی صحت اچھی نہیں ہے۔ بہت تھوڑا سونے سے دماغ کی طاقت اور صفائی میں خلل پڑتا ہے۔ اکثر لوگوں کو ٹھیک نیند نہیں آتی، کیونکہ وہ سونے کے لئے مناسب تیاری نہیں کرتے۔ بعض لوگ دن بھر کا کام کر کے ایسے تھکے ماندے آتے ہیں کہ انکے دماغ اور اعصاب میں تناؤ ہوتا ہے وہ فوراً کپڑے اتار کر بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ کپڑے اتار کر غسل کیا جائے بالوں کو کنگھی کی جائے اور دانتوں کو برش کیا جائے۔



خاص تصنیف ... دہلی کے

شکنتلا ناٹک

مہاکوی کالیداس کے بے نظیر عشقیہ ڈرامہ کا ترجمہ

آغاز

(تماشے کا شروع آتا ہے)

منیجر:۔ (اندر کی جانب دیکھ کر) اجی! تم سنگار کر چکی ہو تو آؤ۔

(ایکٹریس آتی ہے)

ایکٹریس:۔ ہاں جی۔ آئی (سامنے آکر) کہئے کون سا تماشہ کریں۔

منیجر:۔ یہ ہمارے عظیم الشان راجہ وکرماجیت کی سبھا ہے، اس میں بڑے بڑے ہشیار اور عالم فاضل حاضرین تشریف رکھتے ہیں۔ آج ہم کو کالیداس کے بنائے ہوئے بیحد خوب شکنتلا ناٹک کا تماشہ کرنا ہے۔ سب کوئی دل لگا کر تماشہ کریں۔

ایکٹریس:۔ آپ کا تو انتظام ہی ایسا اچھا ہے کہ کسی بات کی کمی نہ ہوگی۔

منیجر:۔ (مسکرا کر) تم تو بڑی ہشیار ہو، اپنا تو یہ مقولہ ہے

لطف تو جب ہو کہ شاباش کہیں سب ورنہ
اچھوں اچھوں کے یہاں ہوش خطا ہوتے ہیں

ایکٹریس:۔ (سر جھکا کر) سچ ہے۔ اب کیا ارشاد ہوتا ہے؟

منیجر:۔ اس سے اچھا اور کیا ہے۔ حاضرین کی تفریح کے لئے کچھ گاؤ!

ایکٹریس:۔ کس موسم کا گیت گاؤں۔

منیجر:۔ فصل گرما کا آغاز ہے۔ یہ موسم قابل تحسین ہے۔ مناسب یہی ہے کہ اسی موسم کا گیت گاؤ۔ دیکھو۔

کس قدر ہے روح پرور موسم گرما کا روز
شام کا منظر ہے کیا جاں نواز و دلفروز
ہے تہیہ قلب کی تفریح کے سامان کا
چشمہ اور دریا میں طرفہ لطف ہے اشنان کا
وہ گھنا سایہ درختوں کا وہ دل افزا نسیم
ہر طرف پھیلی ہوئی کنجوں کی لطف افزا شمیم

ایکٹریس:۔ سچ ہے۔

(گاتی ہے)

کس قدر بھونرا ہے دل سے ناگکیسر پہ فدا
رفتہ رفتہ چوس کر رس کو جو لیتا ہے مزا
محو زینت پیکران نوجواں صحرا نشیں
ہے سرس کے پھول کا زیور پسند نازنیں
فصل گرما کس قدر ہے دلفزا تازہ آفریں

منیجر:۔ شاباش! خوب گایا۔ حاضرین سننے میں اپنے محو ہوئے کہ پنڈال گویا تصویر خانہ بن گیا۔ اب بتاؤ کس تدبیر سے حاضرین کو خوش کیا جائے۔

ایکٹریس:۔ اجی کیا ابھی یہ ارشاد نہیں ہوا تھا کہ "شکنتلا" ناٹک کا تماشہ ہے۔

منیجر:۔ تم بڑی عاقلہ ہو۔ خوب یاد دلائی نہیں تو مجھے تو اس وقت خیال ہی نہ رہا تھا کیونکہ نہ آپے میں رہا تھا قلب ان نغمات کی لے سے
غزال شوخ لایا کھینچ کر دشینت کو جیسے

(دونوں جاتے ہیں)

—(ایکٹ اول)—

(جنگل کا سین)

(رتھ پر سوار تیر و کمان سے آراستہ دشینت معہ رتھبان کے ہرن کا تعاقب کرتا ہوا آتا ہے)

رتھبان:۔ (اوّل ہرن کی جانب اور پھر راجہ کی جانب دیکھ کر) اے عالیجاہ!

دکش کے یگ کو جو شیو نے درہم و برہم کیا
صورت آہوئے صحرا یگ نے فوراً رم کیا
اور تعاقب کرتے تھے شنکر لئے تیر و کمان
یہ چھلاوہ جا رہا ہے یا غزال دلپذیر
آپ کے دست مبارک میں دھنش ہے اور تیر
آپکے انداز میں شنکر کی چھب ہے بیگماں

دشینت:۔ اے رتھبان! یہ ہرن تو ہمکو دور لے آیا۔ دیکھو کس تیزی سے بھاگ رہا ہے!

چوکڑی بھر کر چلا ہے پھر غزال فتنہ زا
لو اڑا جاتا ہے یہ تو سر بسر مثل ہوا
اب زمیں کو بھی نہیں چھوتے ہیں اسکے دست و پا

(متحیر ہو کر)

اب کیا کیا جائے؟ مجھ کو تو ہرن آسانی سے دکھائی بھی نہیں دیتا!

رتھبان:۔ مہاراج اب تک زمین اونچی نیچی تھی۔ اس لئے میں نے رتھ کو روک روک کر چلایا تھا۔ اور اس وجہ سے ہرن اس قدر دور نکل آیا۔ لیکن اب زمین ہموار ہے۔ اس تک جلد پہنچ جانا کیا دشوار ہے۔

دشینت:۔ تو اب گھوڑوں کی راس چھوڑ دو۔

رتھبان:۔ جو حکم۔ (رتھ کو بے تحاشا چلاتا ہے) مہاراج دیکھئے ذرا ان گھوڑوں کی رفتار۔

گرد اٹھتی ہے مگر سم تک پہنچنا ہے محال
باندھے رفتار آہو جب یہ سرپٹ چل پڑے

دشینت:۔ (خوش ہو کر) سچ ہے انکی تیز رفتاری اندر اور سورج کے گھوڑوں کو شرماتی ہے۔

دور سے جن کو سمجھتے تھے نحیف و زار زار
اب نظر آتے ہیں اجسام توانا پائدار
دیکھتے تھے دور سے جن کو ملی یہ اور جدا
اب ہوا معلوم ہیں اکدوسرے سے ہمکنار
تیز رفتاری پہ رتھ کی کیوں نہ قرباں جایئے
قرب و دوری کا تو اب کافور ہے سب انتشار

رتھبان! دیکھو اب ہم ہرن کو گراتے ہیں۔

(کمان پر تیر چڑھاتا ہے)

(اسٹیج کے اندر سے آواز آتی ہے)

اے راجہ اس کو نہ ماریئے۔ یہ آشرم کا ہرن ہے!

رتھبان:۔ (جس طرف سے آواز آئی اس طرف کو دیکھتا ہوا) عالیجاہ! تیر کے نشانہ پر ہرن تو آگیا۔ مگر درمیان میں تپسوی کھڑے ہیں۔

دشینت:۔ (متحیر ہو کر) اچھا! تو گھوڑوں کو روکو۔

رتھبان:۔ (رتھ کو ٹھہراتا ہے) جو حکم۔

(ایک زاہد دو چیلوں کے ساتھ آتا ہے)

زاہد:۔ (ہاتھ اٹھا کر) اے کشتری! یہ آشرم کا ہرن ہے اس کو شکار نہیں کرنا چاہئے۔

پُر از نزاکت وہ جسم آہو یہ تیر دلدوز جاں ستاں ہے
وہ شاخ گلہائے نرم و خوشتر یہ شعلہ جانسوز بیگماں ہے
غزال رعنا وہ نقش دلجو خطا کا اسمیں نشاں کہاں ہے
برائے حفظ شعار نیکو خدنگ سلطان مہربان ہے
اٹھائے ضرب خدنگ آہو نہ تاب اسمیں نہ یہ تواں ہے
اتار لیجے یہ تیر خونخوار وہ بے خطا ہے وہ بیزباں ہے

دشینت:۔ میں تیر کو اتار لیتا ہوں۔

(تیر کو اتارتا ہے)

زاہد:۔ (خوش ہو کر) اے پرونش کے آفتاب آپ کو یہی زیب دیتا ہے۔

تھا یہ زیبا آپ کو اے خاندان آفتاب
تیر ترکش میں رہے اور ہاتھ میں خالی کماں
ہے دعائے قلب زاہد جلد وہ دن ہو نصیب
چکرورتی تیرے سے روشن ہو نام بیدماں

دونوں چیلے:۔ (ہاتھ اٹھا کر) آپکے چکرورتی پُتر ہو۔

دشینت:۔ (پرنام کر کے) برہمنوں کی دعا آنکھوں پر۔

زاہد:۔ اے راجہ ہم یگیہ کے لئے سامان لینے جاتے ہیں۔ قریب ہی مالنی ندی کے کنارے مہرشی کنو کا آشرم نظر آتا ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو قدم رنجہ فرما کر مہمانی کا فخر بخشئے۔

جب قدم رنجہ سے ہوگا آشرم کو افتخار
دیکھئے گا خود وہاں سلطان عالی ذی وقار
ہیں ریاضت میں سراپا محو بے خوف و خلل
زاہد فرخندہ خصلت عابد نیکو شعار
فخر ہوگا آپ کو یہ بازوئے ترکش نشاں
حفظ امن عابداں میں کس قدر ہے استوار

دشینت:۔ آشرم میں مہرشی ہیں یا نہیں!

زاہد:۔ مہرشی تو اپنی لڑکی سکنتلا کو مہمان نوازی کی تاکید کر کے اس کے ستاروں کی نحوست کے دفعیہ کے لئے سوم تیرتھ کو تشریف لے گئے ہیں۔

دشینت:۔ اچھا ہم اس کنیا کو دیکھیں گے

(باقی اگلے صفحہ پر)

از قلم جناب بابو جگجیت سرن داس بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی دہرہ دون

ع دکش پرجاپت کا صدر مقام کنکھل تھا۔ انکو مہادیو جی کی غارتگری کی عادت سے نفرت تھی مگر انکی سب سے چھوٹی ستی کو مہادیو جی سے بیحد عقیدت تھی۔ جب ستی کا سوئمبر ہوا تو دکش نے مہادیو جی کو مدعو نہ کیا۔ ستی نے جیمال کو مہادیو جی کے ارپن کرنے کیلئے ہوا میں اچھال دیا۔ مہادیو جی نمودار ہو گئے اور انہوں نے جیمال کو منظور کر لیا۔ دکش نے شادی تو کر دی مگر پھر کبھی داماد اور لڑکی کی بات نہ پوچھی اور جب موقعہ ملا تو مہادیو جی کو ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ ایک مرتبہ دکش نے یگ کیا جس میں داماد اور لڑکی کو مدعو نہ کیا۔ نارد جی کی خبر سنکر ستی خود کنکھل چلی آئی۔ دکش نے ستی کو رنج پہنچانے کیلئے مہادیو جی کی برائی کرنی شروع کی۔ ستی اسکی تاب نہ لا کر جاں بحق تسلیم ہوئی۔ مہادیو جی کو پتہ لگا تو انہوں نے کنکھل پر حملہ کر دیا۔ یگ ہرن بنکر فرار ہوا اور دکش مقتول ہوا۔ مہادیو جی نے پھر دکش کو زندہ کر کے اس کی گردن پر بکرے کا سر لگا دیا۔

پچھلے صفحہ سے

اور تمہاری زاد تندی کو ہر شی کے گوشگزار کریگی۔

زاہد:۔ ضرور تشریف لے جائیے ہم بھی اپنے کام کو جاتے ہیں۔

(زاہد اور دونوں چیلے جاتے ہیں)

وشنیت:۔ رتھبان! گھوڑوں کو ہانکو ہم بھی اس پوتر آشرم کی یاترا کرکے اپنا جنم سپھل کریں۔

رتھبان:۔ جو حکم۔

(رتھ کو پھر بڑھاتا ہے)

وشنیت:۔ (چاروں طرف دیکھ کر) اے رتھبان! اگر کسی نے بتایا بھی نہ ہوتا تو بھی ہم پہچان لیتے کہ تپوبن نزدیک ہے۔

رتھبان:۔ مہاراج ایسے آپ نے کیا نشان دیکھے ہیں؟

وشنیت:۔ کیا تم کو یہ نشان نظر نہیں آتے۔ اچھا۔ دیکھو!

بکھرے پرندوں سے منقار سے
درختوں کے سایہ میں کیڑوں کے بال
مصفا سلیں یہ جہاں چپٹے ہیں
پکے مالکنگنی کے پھل لال لال
نہیں ان کو آہٹ سے ہوتا ہراس
ہیں انسان سے مانوس کیسے غزال
نکل آئیں جب رصاف اشجار کی

ہوا نے اچھالی جو پانی کی چھال
نئی کونپلیں یہ دھوئیں سے ہوں کے
ہیں بدرنگ افسردہ آشفتہ حال
ہے ہموار سبزہ کہ رشک ارم
کلیلیں جہاں کر رہے ہیں غزال

رتھبان:۔ مہاراج! اب میں نے بھی تپوبن کے نشان دیکھ لئے ہیں۔

وشنیت:۔ (تھوڑی دور چل کر) رتھبان! کہیں صحرا نشینوں کی ریاضت میں خلل نہ ہو رتھ کو یہیں ٹھہرا لو ہم اتر چلیں۔

رتھبان:۔ میں راس کھینچتا ہوں مہاراج یہیں اتر جائیں۔

وشنیت:۔ صحرا نشینوں کے آشرم پر عاجزانہ لباس میں جانے کی ہدایت ہے۔ تم یہ لئے رہو (تیر و کمان رتھبان کو دے دیتا ہے) اور جب تک میں صحرا نشینوں کے درشن کرکے آؤں تم گھوڑوں کی کمر ٹھنڈی کر لو۔

رتھبان:۔ جو حکم۔

(جاتا ہے)

وشنیت:۔ (گھوم کر اور دیکھ کر) یہ آشرم کا پھاٹک ہے اب میں اس میں داخل ہوتا ہوں۔

(شگون دیکھکر)

یہ کنج قناعت ریاضت کا منظر

ہیں ساماں دنیا یہاں کب میسر
پھڑکتا ہے بازو یہ ناحق ہمارا
یہاں پیشگوں رنگ لائیگا کیونکر
ہو جنگل میں منگل تعجب نہیں ہے
کرے سارے ساماں مہیا مقدر

(اسٹیج کے اندر)

"سکھیو۔ یہاں آؤ یہاں آؤ"

وشنیت:۔ (کان لگا کر) اس گلزار کے جنوب کی جانب سے آتی ہوئی کچھ گانے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ میں بھی اسی طرف چلوں (چاروں طرف پھر کر اور دیکھ کر) آہا تو صحرا نشینوں کی لڑکیاں ہیں جو پودوں کو سینچنے کے لئے اپنے اپنے بل بوتے کے مطابق کوئی چھوٹا کوئی بڑا کلسہ لئے آتی ہیں۔ ان کا دیدار کس قدر مسرت خیز ہے۔

کس قدر دلکش ہے حسن مہوشاں صحرا نشیں
کب یہ ممکن ہے حرم میں بھی ہوں ایسی مہ جبیں
باغ میں بیلیں نباتات سے ہوں اکرم سرنگوں
دیکھ یہ گلزار کی پرفضا بیلیں کہیں
اس اس درخت کے سایہ میں کھڑا ہو جاؤں۔

(کھڑا ہو کر دیکھتا ہے۔ دو سکھیوں کے ساتھ شکنتلا کلسہ لئے آتی ہے)

انسویا:۔ اے شکنتلا! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتا کنو کو آشرم کے پودے تم سے زیادہ پیارے ہوں گے نہیں تو تمہی چنبیلی سے بھی زیادہ نازک بدن کو ان کو سینچنے کے لئے کیوں کہہ جاتے۔

شکنتلا:۔ اے انسویا! یہ پتا کا کہنا ہی نہیں ہے۔ میں بھی ان پودوں کو بھائی سمجھکر پیار کرتی ہوں۔

(پودوں میں پانی دیتی ہے)

وشنیت:۔ (دل میں) یہ شکنتلا کنو کی بیٹی کیونکر ہوئی۔ وہ رشی کس قدر کوتاہ اندیش ہوگا جس نے ایسی نازک بدن حسینہ کو ریاضت کے فرائض کا پابند کیا ہے۔

کہاں ریاضت کی سختیاں اور کہاں یہ نازک بدن حسن بھرا شمشیر کی شاخوں کو کاٹ سکتا ہے برگ سوسن بتاؤ کیونکر مجھے تو حیرت ہے کیوں ریاضت میں اس کو پابند کیا ہے نہیں تصنع کا نام اس میں عیاں ہے صنعت صفا کا جوہر

خیر جو کچھ ہو۔ اب تو میں اس درخت کی آڑ سے اس کو آزادانہ گفتگو کرتے سنوں گا۔

(تنہائی میں بیٹھتا ہے)

شکنتلا:۔ اے سکھی انسویا! پریم ودا نے میری چولی ایسی کس کر باندھی ہے کہ میرا تمام جسم جکڑا ہوا ہے۔ ذرا اس کو ڈھیلی کر دو۔

انسویا:۔ اچھا کرتی ہوں۔

(چولی کو ڈھیلا کرتی ہے)

(باقی آئندہ)



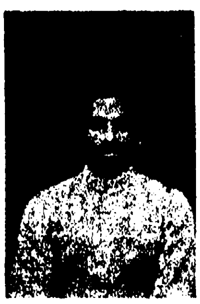
راشٹرپتی مولانا آزاد دہلی کے کانگریس کارکنان کے ساتھ
چائے پی رہے ہیں



ڈاکٹر ارنڈیل صدر تھیوسوفیکل سوسائٹی کے اعزاز
میں دہلی والوں کی طرف سے ایک ٹی پارٹی



انگلستان کا ایک سکول جو
نازیوں کی بربریت کا شکار
ہو گیا ہے



حکیم دیاپرکاش صاحب متل
آپ نے اپنی مکتا فارمیسی میرٹھ کا تمام
منافع کانگریس کو دینے کا فیصلہ کیا ہے



فرنگی فلم میں لیلا دیسائی کی اداکاری
جو ناولٹی میں چل رہا ہے



جگت سنیما میں مسافر فلم دیکھنے کیلئے لوگوں کا جم غفیر



جگت سنیما کے باہر مسافر فلم دیکھنے کیلئے اندر جانے والوں کی زبردست بھیڑ

فلمی تاریخ

(از جناب عبدالوکیل صاحب)

(اس سلسلہ کا ایک مضمون "تیج دہلی" مورخہ ٢٢ دسمبر ٤٠ء میں شائع ہو چکا ہے)

آپ یقیناً اس سے واقف ہوں گے کہ ایک معمولی سائنسدان نے ایک ایسی چیز ایجاد کی ہے جس کا تعلق بجلی اور ہوا کی لہروں سے ہے جس کے ذریعہ سے اگر آپ چاہیں تو اپنے کمرہ میں اس چیز کو لگا کر لندن و پیرس اور نیویارک کے سینماؤں میں جس فلم کی نمائش ہو رہی ہے اپنے کمرہ میں بیٹھے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ کشمیر و سوئٹزرلینڈ کی گل پوش وادیوں اور جنت نگاہ مناظر سے اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، وہاں کے پھولوں کی خوشبو سے مشام جان کو معطر کر سکتے ہیں اور وہاں کی برفباری کی ٹھنڈک کو محسوس کر سکتے ہیں۔ دنیا کا ہر ایک منظر اور شے جسے آپ وہاں گئے بغیر نہ دیکھ سکتے تھے صرف ایک بٹن دبانے سے اپنے کمرہ میں بیٹھے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، اور ان تمام مناظر کے اثرات سے متاثر بھی ہو سکتے ہیں، یہ سائنس کا ایک محیر العقول کرشمہ ہے اور اسی کا نام ٹیلی ویژن ہے۔ ... یا اور نمائی ہے۔

ٹکنی کلر

انسان چونکہ فطری طور پر اپنے گرد و پیش کی چیزوں کو مختلف الانواع رنگوں میں دیکھنے کا خواہشمند رہتا ہے اور جاذب نظر رنگینیوں سے زیادہ محظوظ ہوتا ہے اس لئے پردہ سیمیں پر متحرک تصاویر کے سیاہ رنگوں سے اس کی رنگین طبع کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ اور یہ اس کا متمنی تھا کہ کاش فلمز میں قدرتی رنگ اپنی اصلی حالت میں پیش ہو جائے۔

دنیا کے بڑے بڑے سائنسدانوں نے اس کی تحقیقات و دریافت میں دن رات ایک کر دیا اور آخر کار قدرتی رنگ آمیزی کے دو کامیاب طریقے ایجاد کر چھوڑے، یعنی "ٹکنی کلر" اور "سنی کلر" اور ان ہی دونوں کی مدد سے رنگین فلمز تیار کئے جاتے ہیں۔

قدرتی رنگ آمیزی صنعت فلم سازی کی ترقی کا ایک بہترین کارنامہ ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس نئی ایجاد کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور قریباً دنیا کا ہر فلمساز اب صرف رنگین فلمز تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ہندوستان میں امپیریل فلم کمپنی کو جہاں پہلا ناطق فلم "عالم آرا" تیار کرنے کا فخر حاصل ہے وہاں پہلا ہندوستانی رنگین فلم "کسان کنیا" کی تیاری کی اولیت کا سہرا بھی اسی فلم کمپنی کے سر بندھتا ہے۔

مستقبل میں صنعت فلم سازی کس حال میں ہوگی، اور ارتقا کی کون کون سی یہ منزلیں طے کرے گی، اور اس کے اندر کیسی کیسی ایجادات و ترمیمات ہوں گے، اس کے متعلق کوئی شخص صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مندرجہ بالا ایجادات و اختراعات سے قارئین اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔

ایسی حالت میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے کیونکہ صنعت فلم سازی کی ارتقائی منزلیں یہیں ختم نہیں ہو گئیں، بلکہ ابھی حال ہی میں جاپان سے خبر آئی ہے کہ ڈاکٹر ٹیکو شمشیگو (Dr TeKo Skemigo) ایک جاپانی سائنسدان نے متحرک تصاویر کا ایک ایسا سکرین (پردہ) ایجاد کیا ہے۔ جس پر روشن کمرہ اور آفتاب کی روشنی میں بھی متحرک تصاویر دکھائی جا سکتی ہیں

اس سکرین کو امسال نیویارک کے ورلڈ فیر میں نمائش کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے کہ:-

"تاریک ہال میں فلمز کی نمائش کی سخت ترین دشواریوں نے مجھے اس سکرین کی ایجاد کی تحریک کی اور آج سے چھ سال قبل میں نے اس کا تجربہ شروع کیا تھا۔

روشن ہال میں فلمز دکھانے کے لئے متعدد سکرین تیار کئے گئے ہیں۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر... کو کا سکرین اپنی نوعیت و جدت کے لحاظ سے کامیاب ترین ہے۔

ٹوکیو میں ایک تھیٹر کی تعمیر ہو رہی ہے جہاں یہ جدید "ڈے لائٹ سکرین" تیار کیا جائے گا۔

اسجگہ ہمیں ڈاکٹر بولیلا وسکائی کے اس قول کی تصدیق کرنی پڑتی ہے کہ "کم از کم ایک صدی گذرنے تک دنیا فلم کے عجائبات کو عوام اچھی طرح نہ سمجھ سکیں گے۔"

تارے

(از جناب شنکر بھٹناگر ایم اے دہرہ دون)

میں راتوں کو تارے دیکھا کرتا ہوں!
اور ان میں ایک تارا ڈھونڈا کرتا ہوں!
لاتعداد تارے آسمان پر بکھرے ہوئے ہیں،
جیسے کہ قدرت نے بے ترتیب موتی بکھیر دیئے ہیں!
ان لاتعداد تاروں میں میں اپنے ایک تارے
کو کیسے پاؤں؟
ان بے ترتیب موتیوں میں میں اپنا ایک
موتی کیسے پاؤں۔
اس دنیا میں میری ایک پریا ——
تاروں جیسی۔ موتی جیسی۔ کھو گئی ہے۔
میں اس پریا کو تاروں میں ڈھونڈا کرتا ہوں۔
ان بے ترتیب موتیوں میں ڈھونڈھا کرتا ہوں!!
میں راتوں تارے دیکھا کرتا ہوں!

—— ۲ ——

تارو! آج تو کچھ بولو!
میں اندھیرے میں گرتا پڑتا اداس ہوں میں بھٹکتا
پھرتا ہوں!!
سنسان دنیا میں اب کوئی میرا ساتھی نہیں ہے۔
تارو! آج تو کچھ بولو!!
کیسے یہ رات کٹے گی؟ کیسے یہ اندھیرا دور ہوگا؟
دل ڈھل رہا ہے۔ رات ٹھنڈی سانسیں
بھرتی ہے!!
تارو آج تو کچھ بولو!
مگر تم اب بھی چپ ہو۔ بالکل خاموش۔
سارے عالم پر ہو کا عالم طاری ہے!
یہ لمبی لمبی سنسان کالی کالی راتیں تم
کس طرح روز کاٹ دیتے ہو؟ — کیا تمہاری زندگی
کی کوئی کہانی نہیں ہے۔
تارو! آج تو کچھ بولو!

مگر — آہ یہ کیا — تم تو رونے لگے۔ تمہاری ٹمٹماتی
آنکھوں میں یہ آنسو کہاں سے آگئے؟ —!!
کیا تم بھی اپنے دل میں درد چھپائے
ہوئے بیٹھے ہو؟!
کیا آج اپنا درد نہ کہوگے!؟
تارو! آج تو کچھ بولو!
کیا تمہارے اور میرے دل کی کہانی ایک ہے؟
کیا تم بھی کسی کے انتظار میں جاگ کر راتوں
کو کاٹ دیتے ہو؟!
تارو! آج تو کچھ بولو!

خاکسترِ آرزو (افسانہ)

(صفحہ ۲ سے آگے)

کئی روز بعد جب ردھیا اپنی زندگی سے قطعاً
مایوس ہو گئی تو اس نے بڑے پیار سے رامو کو
اپنے پاس بلا کر کہا۔
"ایک کام کر دو گے رامو؟"
"وہ لانی ہے؟" رامو نے سر ہلا کر پوچھا۔
— نہیں —— ایک بار وہاں جا کر چھوٹے بابو
کو لا سکو گے؟"
جاؤں گا کیوں نہیں۔ بڑے جوش کے ساتھ
رامو نے کہا۔
"اچھا ماں! وہ میرے بلانے سے آئیں گے کیوں نہیں
کیا جانوں؟" دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ
ردھیا بولی۔
رامو چلا گیا۔ ردھیا خاموش پڑی، اس کی راہ
دیکھتی رہی۔ دو گھنٹے بعد وہ اکیلا لوٹ کر ماں کے پاس
آگیا: — ماں! —— ڈوبی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔
نہیں آئے؟ آنکھیں کھول کر ایک بار ردھیا
نے ادھر دیکھا: — کیوں آتے؟
یہ وہ پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔ بابو کے سر جھکنے کی
تنے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔ آج اگر
وہ ہوتے تو کیا اس کی ننھی سی بات کو اس طرح
ٹال دیتے؟ اتنے دنوں سے جنہیں وہ سینے سے
لگائے جی رہی تھی۔ آج وہ ساری امیدیں ٹوٹ
ٹوٹ کر خاک میں مل گئیں۔ پھر بھی اس ستم دل
دیوتا کا تصور ہمیشہ اس کی پلکیں لٹاتا رہا۔ یہاں
تک کہ اس کی سہما انتظار آنکھیں ہمیشہ کے
لئے پتھرا کر رہ گئیں۔

صبح کا وقت تھا۔ سلونے کنول سے زیادہ
خوبصورت — حسین ہستیوں کی سرشار نگاہوں
میں ڈوبی کمتنی کا ہاتھ پکڑے سیدھے چلے دریا کی جانب
ہیروں کے بنے بگڑنے کا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ یک
سامنے سے "رادھے رادھے شیام بابو" کی دردناک
صدائیں پگھلے ہوئے سیسہ کی طرح اس کے کانوں
کو چیرتی ہوئی دور نکل گئیں۔ سلونے نے چونک کر
ادھر دیکھا اور کملنی کو لئے زیر لب بڑبڑاتا ہوا آگے
بڑھ گیا۔
ردھیا؟ —— وہ بھی شروع
جوانی کی ایک امنگ تھی ——

ریویو

عرفانِ حافظ

مصنفہ جناب ششیا چرن داس۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات پچاس۔ قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ ششیا چرن داس ۱۶۳۹ دریا گنج اسٹریٹ، دہلی۔ اس کتاب میں مصنف نے حضرت خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان سے اشعار کو منتخب کر کے ان کو چوبیس فصلوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ طالبانِ حق کے لئے عشقِ حقیقی کی ایک مکمل تعلیم اختصار کے ساتھ سامنے آ جائے اور اس سے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔ مصنف نے دیوانِ حافظ کا مطالعہ بیس سال تک جاری رکھا ہے اور اس کے مطالب و معارف کو بہت گہری نگاہوں سے دیکھا ہے۔ آپ نے "عرفانِ حافظ" میں ہر منتخب شعر کا اردو ترجمہ بھی اس کے نیچے درج کر دیا ہے، جس سے پڑھنے والوں کو بڑی آسانی ہوگی۔ جناب ششیا چرن داس کی محنت اور دلسوزی یقیناً قابلِ داد ہے، اور ہم امید کرتے ہیں کہ اس مختصر مگر پُر معنی کتاب سے ہر طالبِ حق فائدہ اٹھائیگا۔

علم نبوٹ

مصنفہ جناب لالہ پیارے لال سی۔ ٹی۔ اسکاؤٹ ماسٹر۔ سائز جیبی۔ قیمت جلد اول دس آنے، جلد دوم ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ۔ سری کرشن اینڈ برادرس۔ داتا گنج۔ ضلع بدایوں۔ یہ کتاب جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، دو اغراض سے لکھی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان کا قدیم فن جسے "نبوٹ" کہتے ہیں دنیا سے نیست و نابود نہ ہو جائے اور دوسرے یہ کہ لوگ نہ صرف لکڑی یا تلوار کے ذریعہ اور معمولی چیزوں مثلاً ایک رومال کے ذریعہ یا محض اپنے ہاتھ پاؤں کے صحیح استعمال سے بڑے بڑے حملہ آور دشمن کا مقابلہ کرنا سیکھ لیں۔ ہمیں مسرت ہے کہ جناب پیارے لال صاحب نے یہ کتاب لکھ کر ایک وقتی ضرورت کو پورا کر دیا ہے بلکہ ایک بہترین فن کو جو صرف سینہ بہ سینہ چلا آتا تھا کتابی صورت میں محفوظ کر دیا ہے۔

خبطی

مصنفہ محمد علی واحدی صاحب۔ سائز جیبی۔ صفحات ۱۲۲ قیمت آٹھ آنے۔ ملنے کا پتہ۔ انوار بک ڈپو لکھنؤ۔ یہ ایک مزاحیہ افسانہ ہے جس میں طالب علموں کی زندگی کے واقعات دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ افسانہ دلچسپ ہے اور پلاٹ بھی اچھا ہے، اور طرزِ بیان بھی قابلِ تعریف ہے، اس کا ایک مختصر سا مقدمہ "کچھ" کے نام سے جناب شوکت تھانوی نے تحریر فرمایا ہے۔ نوجوان طبقہ اس کتاب سے بخیال تفریح لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

دیہات — کھیتی کی پیداوار بڑھانے کی ترکیب

از جناب مسٹر پیارے لال گرگ پروفیسر زراعتی کالج کانپور

سرکاری فارموں پر کئے گئے تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ کسانوں کے کھیتوں کی بہ نسبت سرکاری کھیتوں سے زیادہ پیداوار لی جا سکتی ہے۔ مندرجہ ذیل نقشہ اس بات کو بخوبی ظاہر کرتا ہے:۔

پیداوار فی ایکڑ

فصل	کسان	سرکاری فارم
ایکھ	۳۰ من گڑ	۸۰ من گڑ
گیہوں	۱۰ من	۲۰ من
کپاس	۵ من	۸ من
دھان	۱۵ من	۳۰ من

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فارموں پر ایسے کون سے کام کئے جاتے ہیں جن سے کہ پیداوار بڑھ جاتی ہے آپ لوگوں کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ صرف معمولی باتوں کی طرف خاص توجہ دینے سے ہی ایسا ہونا ممکن ہو جاتا ہے

ہمارے کسان فصل کاٹ لینے کے بعد اپنے کھیتوں سے کچھ بھی رشتہ نہیں رکھتے۔ آئندہ فصل بونے تک ان میں گھر پھوار پیدا ہوا کرتے ہیں جو ان کی قوت زرخیزی کو برباد کر دیتے ہیں۔ اگر اس دوران میں بارش ہو جاتی ہے تو اس کا پانی بہہ کر نکل جاتا ہے کھیتوں میں کھاد پڑ جاتے ہیں اور ان کی طاقت بھی کم ہو جاتی ہے۔ اگر فصل کاٹ لینے کے بعد کھیتوں کو جوت ڈالیں تو گھر پھوار ہی نہ دور ہوگا بلکہ برساتی پانی بھی کھیت ہی میں جذب ہو جائیگا۔ اس سے آئندہ فصل کو کافی نمی ملے گی اور آبپاشی کم کرنی پڑے گی۔ دھوپ اور ہوا لگاتار رہتے رہنے سے پودوں کے لئے خوراک کافی مقدار میں تیار ہو جائے گی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ خریف اور ربیع کے کھیتوں کو خالی ہونے کے بعد جوت دیا جائے۔ کسان کے بیل برابر چارہ کھاتے ہی ہیں اگر ان سے اتنا کام اور لے لیا جائے تو کوئی خاص خرچ نہیں ہوتا۔

فصلیں زمین سے ہی خوراک پا کر بڑھتی ہیں اس سے فصلوں کو بڑھانیوالا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ اگر پوری فصل زمین میں پھر ملا دیجائے تو کمی جیوں کی تیوں پوری ہو جائے لیکن ایسا ہو نہیں سکتا۔ غلہ دور دراز ممالک میں چلا جاتا ہے۔ بھوسہ مویشیوں کے کام آ جاتا ہے۔ سخت ڈنٹھل والے تنے لوکریاں ٹٹیاں اور چھپت بنانے کے کام آ جاتے ہیں یا انہیں ایندھن کے کام میں لاتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ کھیتوں میں کھاد ڈالا جائے۔ گھر کا کوڑا کرکٹ اور مویشیوں کا گوبر اور پیشاب ملی ہوئی مویشی خانے کی مٹی اور مردہ جانوروں کی ہڈیاں سفوف کر کے کھیتوں میں ڈالتے رہنا چاہئے۔ اس سے پیداوار بڑھ جائے گی۔ اگر اس پر بھی کھاد کی کمی ہو تو دالدار فصلیں مثلاً گوار سنئی۔ بنل۔ ڈھینچہ خریف میں بو کر برسات کے وسط میں جوت دینی چاہئے۔ اس سے پیداوار بڑھ جائے گی۔

مٹی پلٹنے والے ہلوں کا استعمال کرنے سے پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے۔ کانپور زراعتی فارم پر ایسا کرنے سے مندرجہ ذیل پیداوار ہوئی۔

مٹی پلٹنے والے ہل سے جوتائی	۲۰ من گیہوں
دیسی ہل سے جوتائی	۱۵ من گیہوں

ایسا کرنے سے ۵ من گیہوں کی زیادہ پیداوار ہوئی جس کی قیمت آج کل کے نرخ سے بیس پچیس روپیہ ہوتی ہے۔ اس سے ایک مسٹن ہل مبلغ پانچ روپے نو آنے میں خریدا جا سکتا ہے اور کافی روپیہ کی بچت ہو جاتی ہے۔ یہ ہل ۵-۶ سال تک جوتائی کا کام دے سکتا ہے۔

فارموں پر جو بیج بویا جاتا ہے اس سے کسانوں کے بیج کی بہ نسبت زیادہ پیداوار ہوتی ہے۔ اور قیمت دونوں کی برابر ہوتی ہے۔ آجکل ہر ایک ضلع میں محکمۂ زراعت کے گودام موجود ہیں، وہاں سے بآسانی ہر قسم کا بیج خریدا جا سکتا ہے۔ ایک دفعہ خرید لینے کے بعد آئندہ سال کے لئے اپنا بیج پیداوار میں سے رکھا جا سکتا ہے۔

کھڑی فصل میں نلائی گوڑائی کر کے پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے۔ اس سے گھر پھوار برباد ہو جاتے ہیں اور زمین کی کل خوراک پودوں ہی کے کام آتی ہے اگر زمین میں کافی قوت نہ ہو تو پہلی آبپاشی کے ساتھ فوراً اثر کرنے والی کھادیں مثلاً لونا مٹی۔ امونیم سلفیٹ سوڈیم نائٹریٹ۔ شورہ۔ راکھ۔ سڑی ہوئی گوبر کی باریک کھاد باریک پسی ہوئی انڈی۔ نیم۔ مونگ پھلی وغیرہ کی کھلی دینی چاہئے۔

بوقت آبپاشی کیاری۔ برہا بنا کر پانی دینا چاہئے زیادہ پانی دینے سے زمین سخت پڑ جاتی ہے پودوں کی جڑیں چھوٹی رہ جاتی ہیں، اس لئے پانی اتنا دینا چاہئے کہ رات بھر میں کھیت میں جذب ہو جائے نہری آبپاشی میں اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔

کھیل کود

"پنٹانگولر" کرکٹ

بمبئی میں کچھ دنوں سے ایک کرکٹ میچ ہوا کرتا ہے جسے "پنٹانگولر" یعنی پانچ جماعتوں والا میچ کہتے ہیں۔ اس میچ میں ہندوستان کے پانچ فرقے شریک ہوتے ہیں یعنی ہندو، مسلم، سکھ، پارسی، عیسائی۔ اس سال اس "کرکٹ میچ" کو شروع کرنے سے پہلے مہاتما گاندھی سے اس کے متعلق رائے پوچھی گئی تھی۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ اس وقت جب دنیا مصیبتوں میں مبتلا ہے ہمارے لئے اس طرح کے کھیل کود اور خوشیاں منانے کا موقع نہیں ہے۔ دوسرا اور اس سے زیادہ اہم اعتراض آپ نے اس کرکٹ میچ پر یہ فرمایا کہ اس سے فرقہ وارانہ ذہنیت میں ترقی ہوتی ہے۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ اسکول اور اسکول یا کالج اور کالج کے درمیان تو کھیلوں کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن فرقہ اور فرقہ کے درمیان یہ مقابلہ بہت ہی نازیبا ہے۔ اس رائے سے متاثر ہو کر ہندو ٹیم اس میچ سے کنارہ کش ہو گئی تھی۔ اور صرف چار ٹیموں میں مقابلہ باقی رہ گیا تھا۔ چنانچہ یہ مقابلہ ۲۰ دسمبر کو ختم ہو گیا اور فائنل میچ میں مسلم ٹیم نے فتح حاصل کر لی۔

دہلی کرکٹ

دہلی آرمی ہیڈ کوارٹرس کے گراؤنڈ میں، ایک دلچسپ کرکٹ میچ ڈارلنگ اسپورٹ کلب اور آرمی ہیڈ کوارٹر کے درمیان گذشتہ منگل وار کو کھیلا گیا تھا، جس میں اول الذکر نے موخر الذکر کو ۳۰ رن سے شکست دی۔ اس میچ میں لچھمی نرائن، گوپال، خان بہادر اور رتن ہیر نے، اور دوسری طرف روڈرک، میتن اور لونے کھیل میں بہت اچھی مہارت کا مظاہرہ کیا۔

ٹیبل ٹینس

دہلی ٹیبل ٹینس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام پنجاب اور دہلی کے درمیان نمائشی میچوں کا ایک سلسلہ تال کٹورا کلب دہلی میں ۳ جنوری ۱۹۴۱ء سے شروع ہوا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں ایوب نے ٹیبل ٹینس کے چیمپین ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ اس مقابلہ میں بھی ایوب اور ایک دوسرے کھلاڑی عزت اعوان اپنے کمالات کا مظاہرہ کریں گے۔

دہلی ہاکی

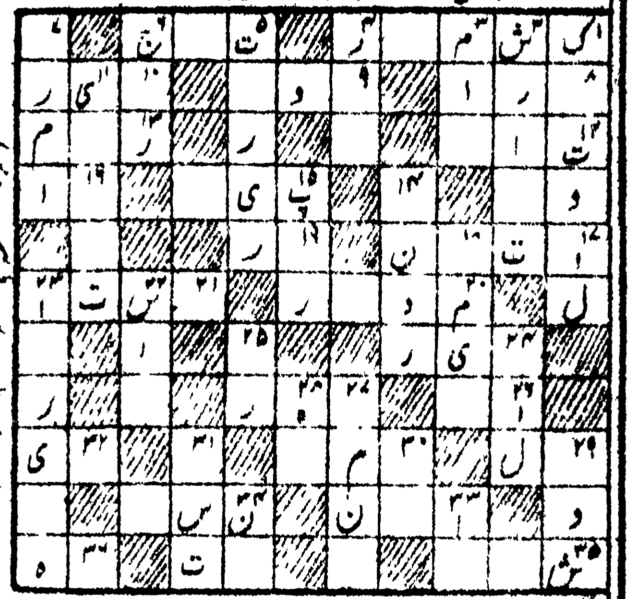
دہلی ہاکی امپائرز کمیٹی نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہاکی امپائروں کا امتحان ۵ جنوری ۱۹۴۱ء کو ہندو کالج ہال میں ایک بجے شروع ہوگا۔ اس امتحان میں داخلہ کی فیس دو روپیہ رکھی گئی ہے۔

اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے۔

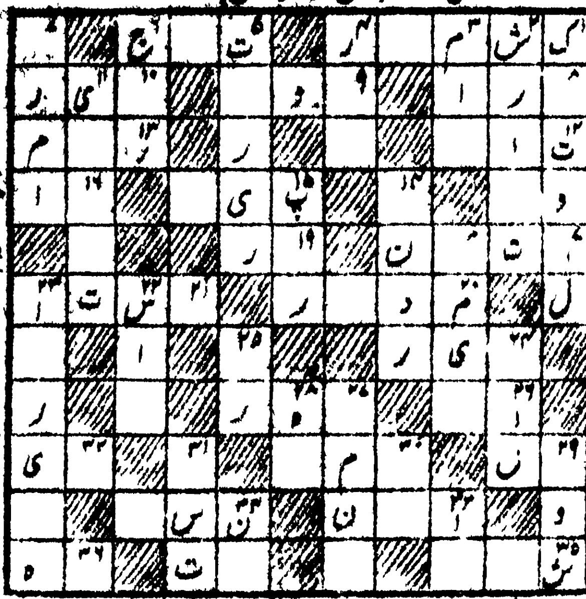
فارم برائے اندراج معمہ نمبر (۱۹)

(معمہ نمبر ۱۹ کے (تیسرا نقشہ)

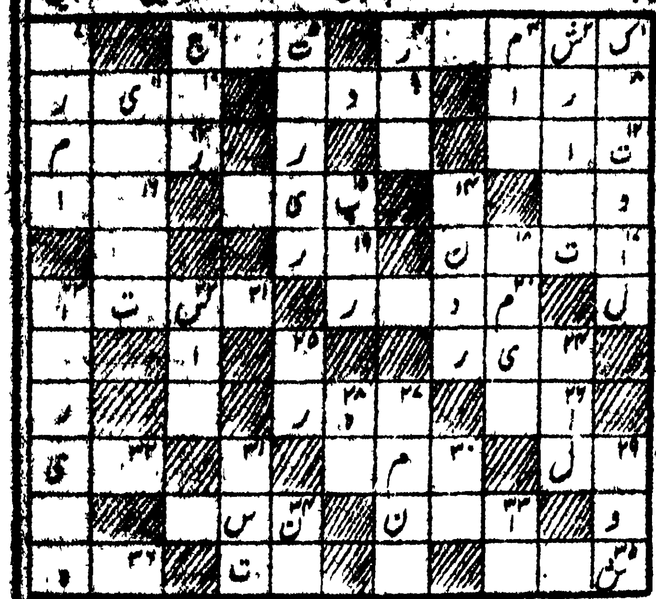
(اس نقشہ پر حل بھیجنے کی فیس چار آنے) (اس نقشہ پر حل بھیجنے کی فیس چار آنے) (پہلے دو نقشوں کے ساتھ آپ اس نقشہ کو مفت بھر کر بھیج سکتے ہیں)



ادا کردہ نقشہ نمبر ——



ادا کردہ نقشہ نمبر ——



مفت نقشہ نمبر ——

اوپر کے نقشوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہ کیجئے خواہ آپ ایک حل بھیجیں یا دو حل ان تینوں نقشوں کو ساتھ بھیجئے، جو نقشہ آپ استعمال نہ کریں اُسے خالی چھوڑ دیں جو شخص دو نقشے بھر کر بھیجے وہ تیسرا نقشہ مفت بھر کر بھیج سکتا ہے، ہر نقشہ کی قیمت چار آنے ہے اور تیسرا نقشہ مفت ہے نقشوں کے نیچے نمبر ضرور دیکھئے

نیچ ویکلی کراس ورڈ معمہ نمبر ۱۹:- میں انعامی معمہ میں اس شرط پر شریک ہوتا ہوں کہ منیجر نیچ ویکلی کا فیصلہ میرے لئے قطعی اور قانوناً قابل پابندی ہوگا

پورا نام (صاف طور پر) ——

پورا پتہ ——

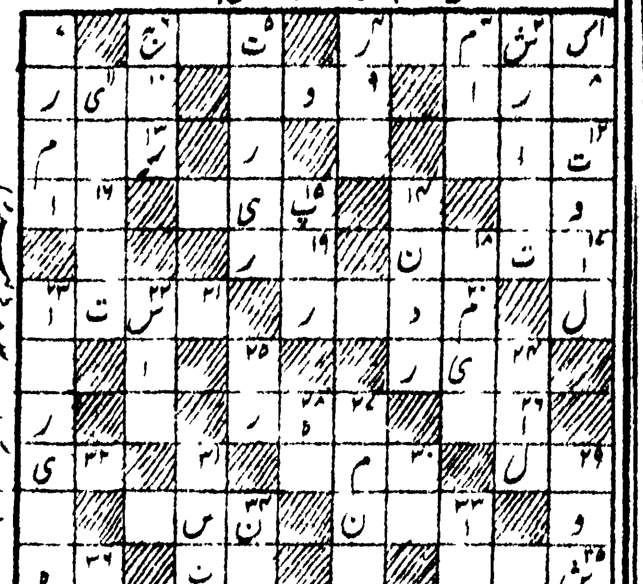
نمبر رسید منی آرڈر —— نمبر پوسٹل آرڈر —— ٹکٹوں کی رقم ——

اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے۔

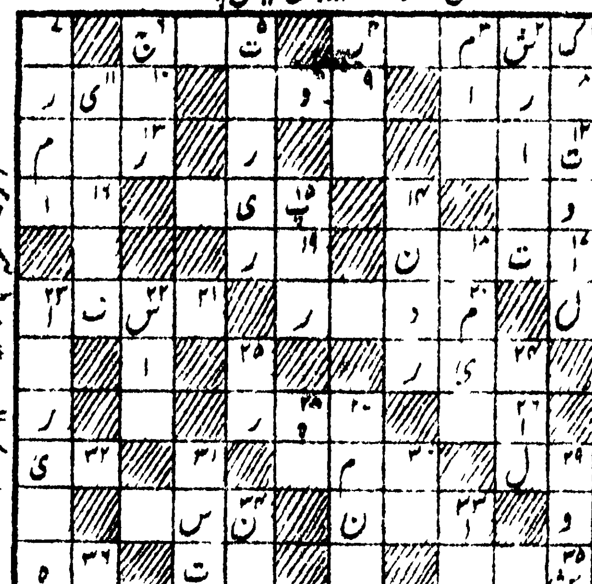
اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے۔

فارم برائے اندراج معمہ نمبر ۱۹

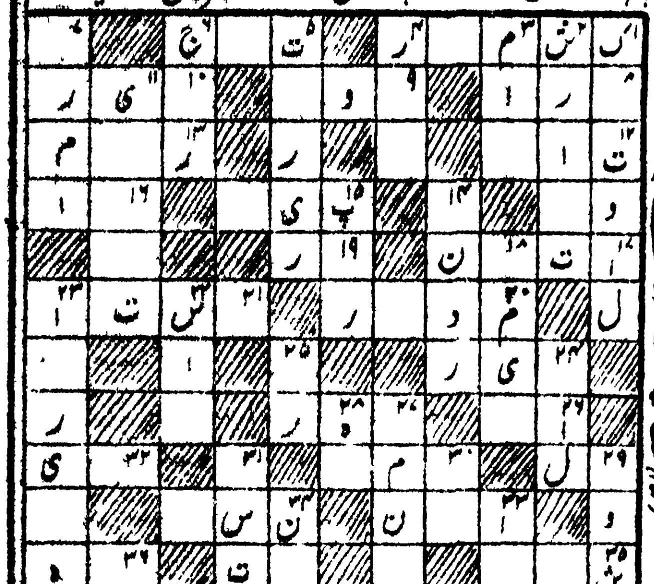
(اس نقشہ پر حل بھیجنے کی فیس چار آنے) (اس نقشہ پر حل بھیجنے کی فیس چار آنے) (پہلے دو نقشوں کے ساتھ آپ اس نقشہ کو مفت بھر کر بھیج سکتے ہیں)



ادا کردہ نقشہ نمبر ——



ادا کردہ نقشہ نمبر ——



مفت نقشہ نمبر ——

اوپر کے نقشوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہ کیجئے خواہ آپ ایک حل بھیجیں یا دو حل، ان تینوں نقشوں کو ساتھ بھیجئے، جو نقشہ آپ استعمال نہ کریں اسے خالی چھوڑ دیں، جو شخص دو نقشے بھر کر بھیجے وہ تیسرا نقشہ مفت بھر کر بھیج سکتا ہے ہر نقشہ کی قیمت چار آنے ہے اور تیسرا نقشہ مفت ہے نقشوں کے نیچے نمبر ضرور دیکھئے!

نیچ ویکلی کراس ورڈ معمہ نمبر ۱۹:- میں انعامی معمہ میں اس شرط پر شریک ہوتا ہوں کہ منیجر نیچ ویکلی کا فیصلہ میرے لئے قطعی اور قانوناً قابل پابندی ہوگا

پورا نام (صاف طور پر) ——

پورا پتہ ——

نمبر رسید منی آرڈر —— نمبر پوسٹل آرڈر —— ٹکٹوں کی رقم ——

اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے۔

اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے۔

داخلہ کی آخری تاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۴۱ء

ریاست ویکلی کراس ورڈ معمہ نمبر ۱۹

۵۳۵ روپے

پانچسو پینتیس روپے

کے نقد انعامات حاصل کیجئے

ضروری شرائط اور ہدایات اگلے صفحہ پر دیکھئے

اشارات!

دائیں طرف سے بائیں طرف پڑھیئے:-

(۱) شمالی ہند کی ایک ریاست جسے جنت سے تشبیہ دیتے ہیں، (۵) ہندوستانی زبان کا سب سے زیادہ اشاعت رکھنے والا اخبار، (۸) بڑا بھیا (شروع کی "ب" غائب ہے)، (۹) ہر کام کے لئے صرف لفظ نہیں بلکہ یہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، (۱۰) بہادر (۱۲) بعض دیاسلائیوں کی ڈبیوں پر یہ ملک چھپا ہوتا ہے، (۱۳) حاکم کا کام انصاف کرنا ہے نہ کہ ——— کھا کر دھرم کو چھوڑ دینا۔ (۱۵) جسم کا ایک ضروری حصہ (۱۶) آخر میں "ش" ملا دیجئے تو ایک لفظ بنتی "کترا" بن جائے گا، (۱۷) چھوٹے بچوں کو اپنے بڑے بھائیوں اور بہنوں کی یا گستہ پہننا پسند ہے، (۱۹) "پر" کا ہم قافیہ لفظ، (۲۰) ہندوستان کے بعض لیڈر ایسے ہیں کہ سیاسی دنیا میں ان کا کافی شہرہ ہے (۲۱) مکانوں کا یہ ہو جانا مکان داروں کی آمدنی کم کر دیتا ہے (۲۴) بعض دیہاتی لوگ ایسے پیٹو ہوتے ہیں کہ ان کا پیٹ ——— بھر اناج کھانے کے بعد بھی نہیں بھرتا، (۲۶) آخر میں "گ" لگا دو تو فارسی لفظ بنتی "آنسو" بن جائے، (۲۷) بعض لوگ ——— ہی کو جنت تصور کرتے ہیں حالانکہ اس کا ہر گوشہ گناہ کا گھر بنا ہوتا ہے، (۲۹) اس کے بغیر کھیتی نہیں ہو سکتی (۳۰) قدرت کی نہایت طاقتور لالٹین (۳۲) اگر کمزور لکھا جائے تو دوا رکھنے کا ایک ظرف بن جائے، (۳۳) ایک ہندی مہینے کا نام (۳۴) انسان کی خصوصیات پر اس کا بڑا اثر پڑتا ہے (۳۵) ایک میٹھی چیز (۳۶) ۶:- واردات قلب کو دیوانہ ہنس کر ——— گیا،

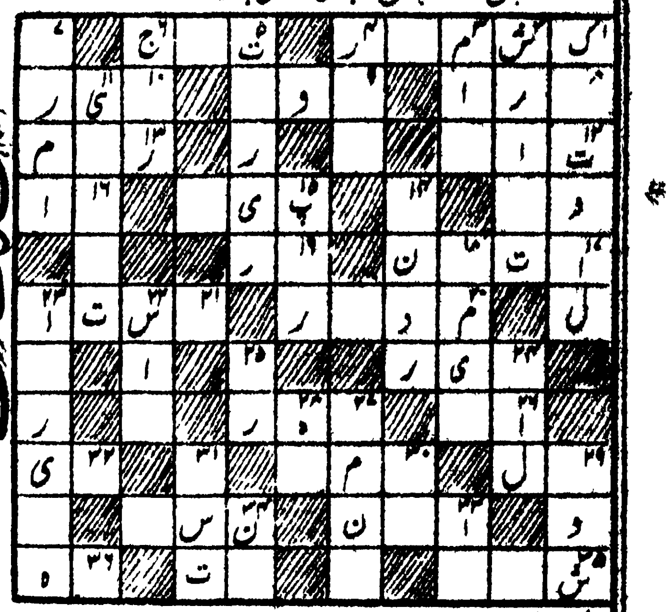
اوپر سے نیچے کی طرف پڑھیئے:-

(۱) پولیس کا ایک افسر (۲) بعض لالچی ڈاکٹروں کی ذرا ——— تو دیکھئے کہ وہ اپنے مریض کے مرض کو دواؤں کے ذریعہ طول دیتے رہتے ہیں، (۳) اس کی آمد سے کلب کے انگریزی ممبروں کی روح تازہ ہو جاتی ہے (لفظ الٹا تحریر ہے) (۴) "مشر" کے بے ترتیب حروف (۵) ہندوستان کے بعض سیاسی لیڈر اس میں بڑا ملکہ رکھتے ہیں (۶) ہٹلر کے اس سے جرمنی بھر کی روح کانپتی ہے (۷) کچھ اسکولوں میں اس موسم میں بڑی تعطیل ہوتی ہے (۱۱) "حقیقت" کے الٹے پلٹے حروف (۱۴) ایسی صورت کے لڑکوں کو ان کے اسکول کے بدمعاش لڑکے چھیڑا کرتے ہیں (۱۵) ایک بہت ہی قریب کا عزیز، (۱۸) ایک ہندو لڑکے کا نام (۲۲) ——— برس کے سن میں شادی کرنا بڑا ہوتا ہے (۲۳) ایک بد نظم کا نام (۲۴) "مال" کا ہم قافیہ لفظ (۲۵) اچھے سپاہیوں کے دل میں اس کا گذر نہیں ہوتا (۲۷) ہندوستان کا بچہ بچہ سٹلر کا ——— ہو رہا ہے (لفظ بے ترتیب تحریر ہے) (۲۸) دل پر ملال ——— جو بات رستی مٹا دیتا ہے (لفظ الٹا تحریر ہے) (۲۹) شراب پینے کے بعد کچھ دیر تو یہ باقی رہتا ہے بعد کو غائب ہو جاتا ہے، (۳۱) کئی فاقوں کے بعد اگر کسی کو کھانا دیا جائے تو وہ یہ ہو جاتا ہے (۳۲) لفظ "اردو" کے دو حروف، (۳۴) دولتمند اپنی بیٹیوں کو جہیز میں قیمتی یہ دیتے ہیں:

فارم برائے اندراج معمہ نمبر (۱۹)

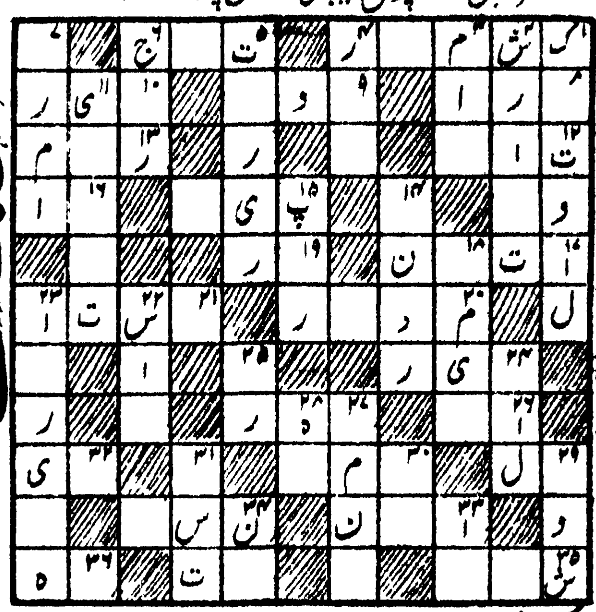
اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے:-

(اس نقشہ پر حل بھیجنے کی فیس چار آنے)



ادا کردہ نقشہ نمبر ———

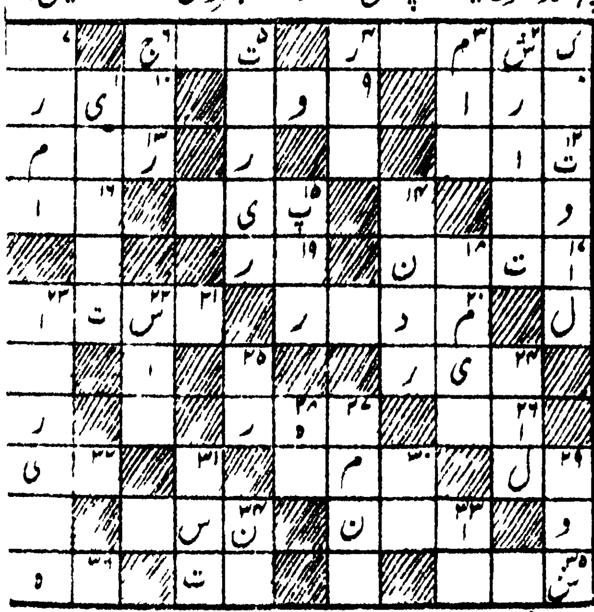
(اس نقشہ پر حل بھیجنے کی فیس چار آنے)



ادا کردہ نقشہ نمبر ———

اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے

(پہلے دو نقشوں کیساتھ آپ اس نقشہ کو مفت بھر کر بھیج سکتے ہیں)



مفت نقشہ نمبر ———

اوپر کے نقشوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہ کیجئے، خواہ آپ ایک حل بھیجیں یا دو حل، ان تینوں نقشوں کو ساتھ بھیج دیجئے، جو نقشہ آپ استعمال نہ کریں اسے خالی چھوڑ دیں، جو شخص دو نقشے بھر کر بھیجے وہ تیسرا نقشہ مفت بھر کر بھیج سکتا ہے، ہر نقشہ کی قیمت چار آنے ہے اور تیسرا نقشہ مفت ہے، نقشوں کے نیچے نمبر ضرور دیجئے

اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے:-

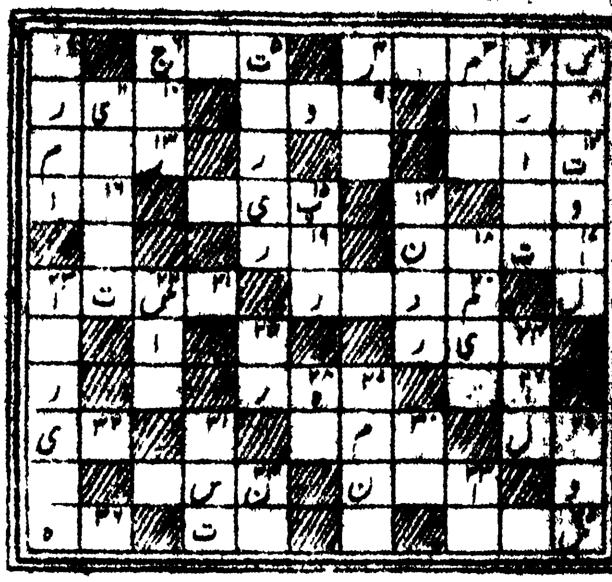
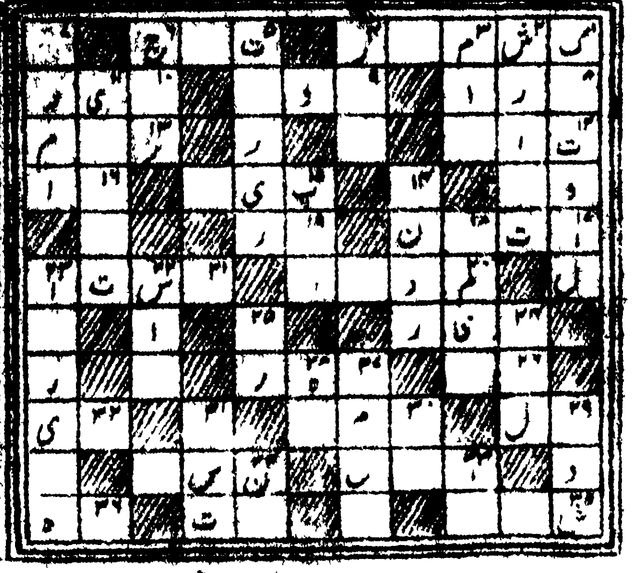
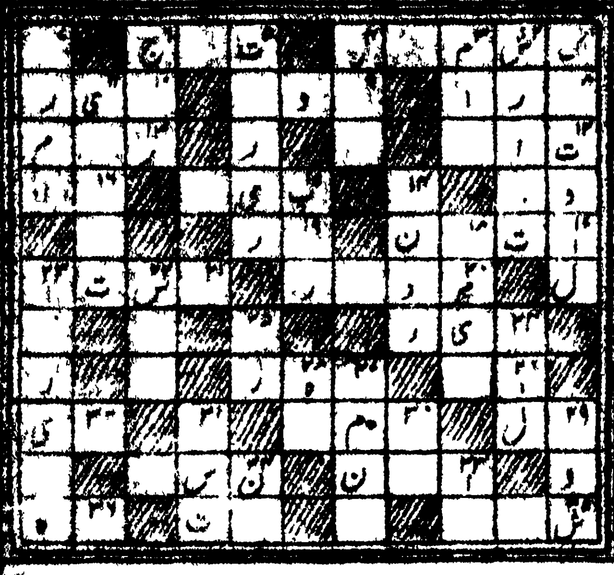
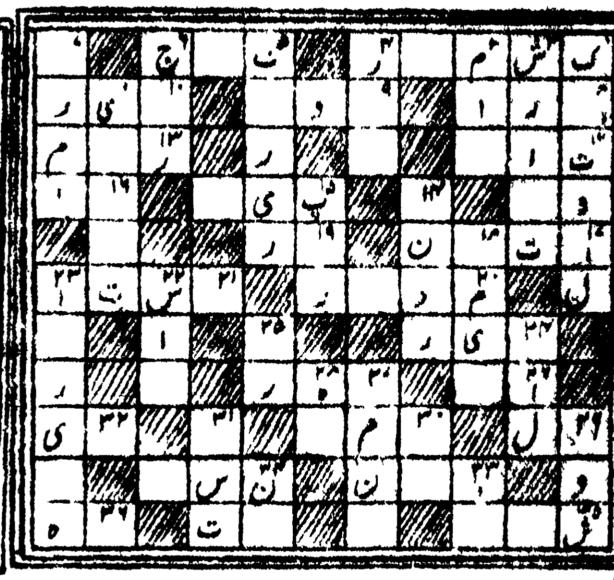
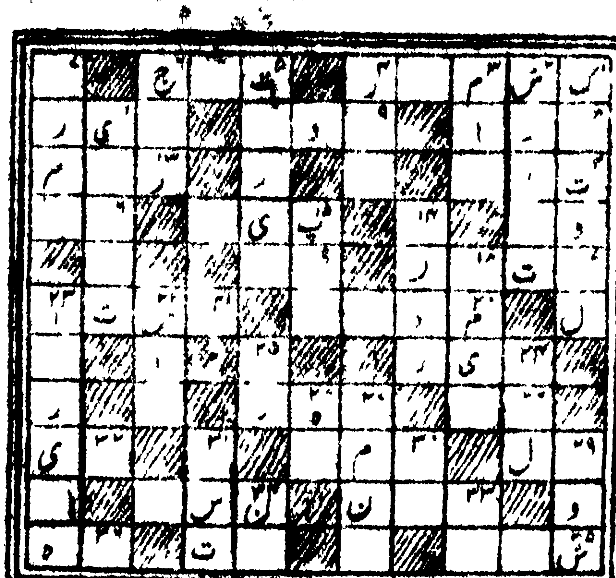
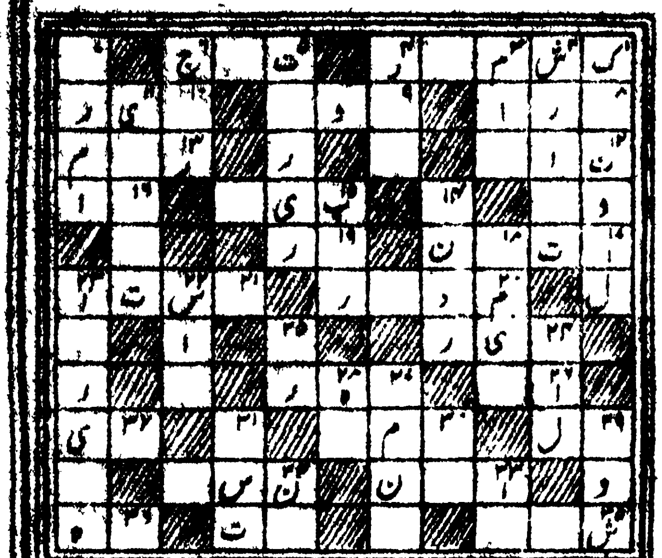
ریاست ویکلی کراس ورڈ معمہ نمبر ۱۹ میں انعامی معمہ میں اس شرط پر شریک ہوتا ہوں کہ مینیجر ریاست ویکلی کا فیصلہ میرے لئے قطعی و قانوناً قابل پابندی ہوگا:

پورا نام (صاف طور پر) ———

پورا پتہ ———

نمبر رسید منی آرڈر ——— نمبر پوسٹل آرڈر ——— ٹکٹوں کی رقم ——— اس لائن کے چاروں طرف کاٹیئے

مندرجہ ذیل نقشوں میں آپ اپنے بھیجے ہوئے حلوں کی نقلیں اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اور اگر ضرورت ہو تو مزید نقلیں کسی سادہ کاغذ پر لکھ رکھیں۔

پہلا انعام مبلغ ڈھائی سو روپے دوسرے تیسرے اور چوتھے انعامات مبلغ ڈھائی سو روپے سب سے زیادہ تعداد میں حل بھیجنے والوں کو تین انعامات، پہلا انعام بیس روپے دوسرا انعام دس روپے تیسرا انعام پانچ روپے

معمّہ کے حل بھیجنے سے پہلے مندرجہ ذیل شرائط اور ہدایات غور سے پڑھیئے۔

(۱) اس انعامی مقابلہ کی فیس فی نقشہ چار آنہ ہے لیکن دو نقشوں کے بھیجنے والے تیسرا نقشہ مفت بھر کر بھیج سکتے ہیں یہ تینوں حل یکساں طور پر مقابلہ میں شامل کئے جاتے ہیں ان میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ (۲) تمام حل انہیں فارموں پر بھیجنے چاہئیں جو تیج ویکلی میں شائع ہوتے ہیں کسی دوسرے کاغذ پر لکھ کر حل بھیجنے والوں کے نام مقابلہ میں شامل نہیں کئے جائیں گے (۳) اس انعامی مقابلہ کے جتنے نقشے آپ چاہیں مختلف اقسام کے حلوں سے بھر کر بھیج سکتے ہیں لیکن ہر نقشہ کی فیس فی نقشہ چار آنہ کے حساب سے دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے (مفت نقشہ کی شرط اوپر درج کی جاچکی ہے) معمّہ کے نو نقشے اس اشاعت میں درج ہیں جن پر حل بھیجے جاسکتے ہیں جن اصحاب کو زیادہ تعداد میں نقشے درکار ہوں وہ دفتر سے تیج ویکلی کی مزید کاپیاں فی کاپی ۲ کے ٹکٹ بھیج کر منگوا لیں

(۴) ہر معمّہ کے تین نقشے جو ایک ساتھ شائع کئے جاتے ہیں ان کو کسی حالت میں بھی کاٹ کر ایک دوسرے سے علیحدہ نہ کیجئے، خواہ آپ ایک حل بھیجیں یا دو حل، ان تینوں نقشوں کو ساتھ رہنے دیجئے جو نقشہ آپ استعمال نہ کریں اسے خالی چھوڑ دیں نقشوں کے نیچے نمبر شمار ضرور لکھ دیجئے (۵) کل فیس داخلہ حل کے فارموں کے ساتھ آنی چاہیئے آپ فیس داخلہ بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر یا کرنسی نوٹ یا ڈاک کے ٹکٹوں کی صورت میں بھیج سکتے ہیں جو کچھ بھیجیں اس کا اندراج نقشہ میں ضرور کر دیں (۶) فارموں کو روشنائی سے نہایت صفائی کے ساتھ بھرنا چاہیئے پنسل سے بھرے ہوئے یا کٹے ہوئے یا مٹے ہوئے حروف والا معمّہ مقابلہ سے خارج کر دیا جائیگا (۷) جو نقشہ آپ بھریں اس میں کسی خانہ کو خالی نہ چھوڑیں جس نقشہ میں کوئی خانہ خالی ہوگا وہ مقابلہ میں شریک نہیں کیا جائیگا (۸) فارم پر اپنا نام اور پتہ روشنائی سے نہایت صاف اور خوشخط لکھیئے (۹) مبلغ ڈھائی سو روپے کا پہلا انعام ان صاحب کو دیا جائیگا جن کا بھیجا ہوا حل بالکل صحیح یعنی ہمارے سر بمہر حل کے مطابق ہوگا اور ڈھائی سو روپے کے دوسرے تیسرے اور چوتھے انعامات ان کو دئے جائیں گے جن کے حل میں ایک غلطی یا دو غلطیاں یا تین غلطیاں ہوں گی۔ (۱۰) اگر کوئی "بالکل صحیح" حل دفتر میں موصول نہیں ہوگا تو پہلا انعام اس شخص کو دیا جائیگا جس کی غلطیاں کم سے کم ہوں گی اور دوسرے تیسرے اور چوتھے انعامات "رنرز اپ" (RUNNERS-UP) یعنی پہلے انعام کے بعد والے حضرات

میں کم سے کم غلطیاں بھیجنے والوں کو دیا جائیگا (۱۱) اگر ایک سے زیادہ حضرات کے حل صحیح یا تقریباً صحیح ہوں گے تو انعامات برابر حصوں میں ان کے درمیان تقسیم کر دئے جائیں گے۔ (۱۲) معمّہ کا صحیح حل تیج ویکلی مورخہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء میں شائع کر دیا جائیگا (۱۳) ہر غلط لفظ کی ایک غلطی شمار کی جائیگی اس لئے اگر ایک حرف کے غلط ہونے سے دو لفظ غلط ہو جائیں گے تو غلطیوں کی تعداد دو سمجھی جائیگی (۱۴) حل کے فارموں کے وقت پر نہ پہنچنے یا راستہ میں گم ہو جانے وغیرہ کے متعلق دفتر تیج ویکلی پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی (۱۵) جو فیس معموں کے حلوں کے ساتھ بھیجی جائیں گی وہ کسی حالت میں واپس نہ ہوں گی اور نہ کسی دوسرے معمّے کے حساب میں داخل کی جائیں گی (۱۶) اگر فیس بذریعہ منی آرڈر بھیجی گئی ہیں تو منی آرڈر کی رسید اسی لفافہ کے اندر ضرور ہونی چاہیئے جس میں آپ نے حل بھیجے ہیں اگر منی آرڈر نہیں بھیجا ہے تو اسی قیمت کا پوسٹل آرڈر یا کرنسی نوٹ یا ڈاک کے ٹکٹ لفافہ میں رکھ دیجئے (۱۷) جو حل فیس کے بغیر آئیگا وہ مقابلہ میں شریک نہیں کیا جائیگا۔ (۱۸) اس انعامی مقابلہ کے سلسلہ میں تمام باتوں کے متعلق منیجر تیج ویکلی کا فیصلہ قطعی اور قانوناً قابل پابندی ہوگا۔ (۱۹) روزانہ تیج یا تیج ویکلی یا تیج پریس کے ملازمین کو اس انعامی مقابلہ میں شریک ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ہے (۲۰) معمّے کے حلوں کے لفافہ میں حلوں کے سوا کوئی خط یا تحریر نہ رکھیں وہ توجہ نہیں ہوسکے گی (۲۱) منی آرڈر فارم یا پوسٹل آرڈر یا حل والے لفافہ پر پتہ اس طرح لکھیئے:

منیجر صاحب کراس ورڈ معمّہ نمبر ۱۹ تیج ویکلی دہلی

ضروری اطلاع

(۱) تیج ویکلی کراس ورڈ معمّہ کے الفاظ حروف کی حرکتوں کی پابند نہیں ہوتے مثلاً زبر زیر پیش یا جزم وغیرہ کی امتیاز نہیں رکھا جاتا۔ (۲) یائے معروف اور یائے مجہول واؤ معروف اور واؤ مجہول نون غنہ یا نون اعلان میں کوئی فرق نہیں تلفظ اور کتابت میں بھی دونوں طرح کی "یا" یعنی "ی" اور "ے" بلا کسی امتیاز کے لکھی جاتی ہے اسی طرح نون میں خواہ نقطہ ہو یا نہ ہو کوئی خاص فرق نہیں سمجھا جاتا (۳) معمّہ کے الفاظ میں الف کے اوپر "مد" کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے (۴) "ہائے ہوز" یعنی چھوٹی "ہ" کا تلفظ اگر الگ پڑھا جاتا ہو تو اسے ہم ایک علیحدہ حرف کی صورت میں رکھتے ہیں مثلاً "ذائقہ" (ذ-ا-ی-ق-ہ) "نمونہ" (ن-م-و-ن-ہ) وغیرہ (۵) ہندی ترکیب رکھنے والے مخلوط حروف مثلاً بھ-پھ-جھ-چھ-دھ-تھ وغیرہ کو ایک حرف تصور کیا جاتا ہے جیسے "گھر" (گھ-ر) "جھرنا" (جھ-ر-ن-ا) وغیرہ (۶) تشدید والا حرف بھی صرف ایک ہی حرف سمجھا جاتا ہے۔

یاد رکھیئے کہ تیج ویکلی کراس ورڈ کے گذشتہ اٹھارہ معموں کے سلسلے میں چھ ہزار تین سو پینسٹھ روپے (۶۳۶۵) کے نقد انعامات تقسیم ہو چکے ہیں



انڈیا فلور ملز دہلی کی شاندار بلڈنگ

قرص جریان



حضرت مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب مرحوم



عالیجناب مسیح الملک حکیم جمیل خان صاحب

جریان کے بیماروں کو شفا۔ وزندگی کی خوشخبری

قرص جریان کی تمام ہندوستان میں شہرت ہے۔ اس سے جریان کے ایسے ایسے بیمار اچھے ہوئے ہیں جن کو سب نے جواب دیدیا تھا۔ اور وہ زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ یہ عالیجناب مسیح الملک حکیم جمیل خان صاحب رئیس اعظم دہلی کے فیض کا کرشمہ ہے۔ مسیح الملک ہندوستان کے سب سے بڑے طبیب ہیں آپ کی شفا بخشی کی ہر جگہ دھوم ہے۔ قرص جریان سے جریان اور پیدا ہونیوالی تمام شکائتیں جاتی رہتی ہیں۔ مثلاً سستی۔ کمزوری۔ اعضا شکنی۔ سرعت۔ کثرت احتلام۔ پیشاب سے پہلے یا بعد قطرہ کا آنا۔ تولیدی مادہ کا پانی کی طرح بہنا۔ پٹھوں کی کمزوری۔ اعضا رئیسہ کا بگاڑ۔ آلات ہضم کی خرابی۔ دماغ و دل اور پٹھوں کی کمزوری وغیرہ وغیرہ اگر یہ منحوس مرض دیر تک رہ جائے تو پھر مرگی یا پاگل پن یہاں تک کہ دق و سل جیسی خطرناک بیماریاں دور نہیں رہتیں۔ ہمدردی غربا کی وجہ سے قیمت نہایت کم رکھی گئی ہے ۔

قیمت ۶۰ قرص صرف ایک روپیہ چودہ آنے ترکیب استعمال دو قرص صبح یا سہ پہر کو پانی یا دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔

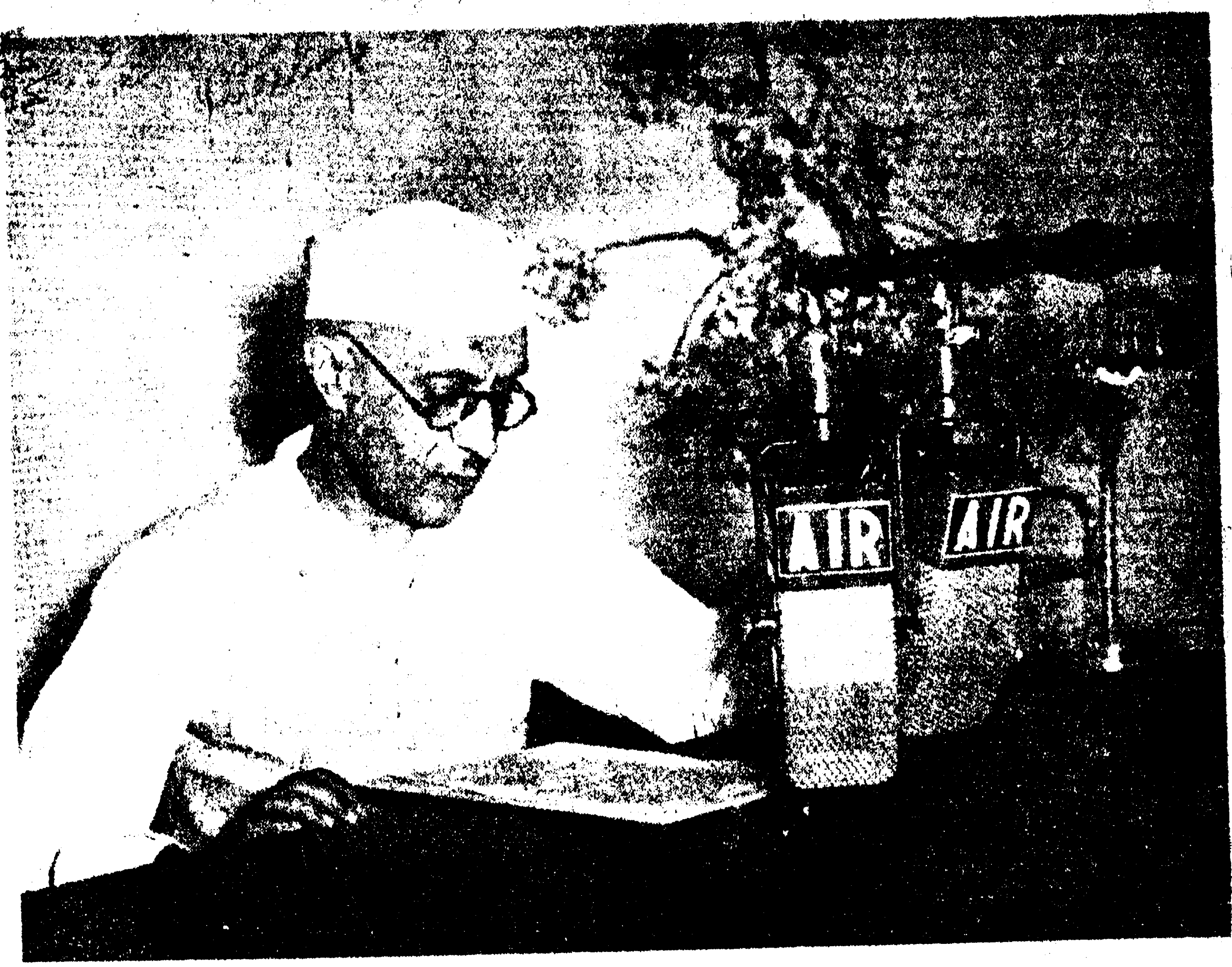
تار کا پتہ ۔ میڈی سنز دہلی — ٹیلیفون نمبر ۵۵۶۶

ملنے کا پتہ منیجر ہندوستانی دواخانہ پوسٹ بکس ۲۲ دہلی

C.G.H.Co DELHI.

Printed and Published by Ram Lal Verma at the Tej Press, Burn Bastion Road, Delhi.

تیج
The TEJ
Illustrated Weekly
DELHI



ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو
ریڈیو پر قوم کے نام پیغام نشر فرما رہے ہیں

NO 38 — 17 th Sept. 1946 VOL.NO. 13

Leading Journal
OF NORTHERN INDIA



بمبئی یونیورسٹی کا کانووکیشن لڑکیاں لڑکوں اپنے گاؤن جلوس
کی شکل میں آرہی ہیں



وزیراعظم پنڈت نہرو اور ریاستی منسٹر مسٹر آصف علی اپنا کام
کرکے سکریٹریٹ سے باہر تشریف لارہے ہیں



مسز صوفیہ علی کے اعزاز میں الوداعی پارٹی آپ بمبئی سے پشاور تشریف لے گئی ہیں

تیج ویکلی دہلی

۱۷ ستمبر ۱۹۴۶ء

مسٹر جناح کا رویہ

کانگریس اس سے زیادہ کیا کر سکتی ہے؟

فارسی کا ایک شعر ہے ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی مسافر اگر پیر سے کانٹا نکالنے کے لئے ٹھہر جاتا ہے تو "محمل" جس سے مراد یہاں پر قافلہ اور قافلہ والے ہیں، آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، یعنی قافلہ تیزی سے آگے بڑھ جاتا ہے اور اس ایک لمحہ کی غفلت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منزل سے دوری سفر میں ایک سو برس کی راہ کا اضافہ کر دیتی ہے، یہ حال تو صرف ایک لحظہ کا ہے، یعنی اتنا مختصر وقت جو صرف آنکھ جھپکتے غائب ہو جائے لیکن اگر غفلت اور حالات سے بے پروائی اتنی زیادہ ہو جائے کہ ہفتوں، مہینوں یا برسوں کی مدت ضائع کر دی جائے تو ظاہر ہے کہ راستہ کا فاصلہ کتنی صدیوں کے پیمانے سے بڑھ جائے گا اور منزل کس قدر زیادہ دور ہو جائے گی۔

اسی صورت حال کو مسٹر جناح صدر مسلم لیگ کے مستقل رویہ اور تازہ بیانات پر عائد کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا اور کیا ہونا چاہیئے تھا، اس شاہراہ راستی میں جہاں تبدیلیاں اور انقلابات تیزی سے رونما ہوتے رہتے ہیں اگر کوئی بڑی سے بڑی پوزیشن والا مسافر اپنی سستی یا غفلت یا غلطی سے پیچھے رہ جاتا ہے تو اس میں تیز رو قافلہ کا کیا قصور ہے! وقت کا کارواں اپنی تیز رفتاری کو ترک نہیں کر سکتا، سمندر کی طوفان خیز موجیں کسی کا انتظار نہیں کر سکتیں، ترقی اور انقلاب کا قافلہ کہیں پر ٹھہر کر کسی بھولے بھٹکے مسافر کی راہ نہیں دیکھ سکتا، آزادی کی منزل کی طرف تیزی سے دوڑنے والے لوگ کسی ایک شخص یا چند اشخاص کی پیدا کی ہوئی رکاوٹوں کے باعث اپنے سفر کی سرگرمیاں ترک نہیں کر سکتے۔

برطانوی کیبنٹ ہندوستان میں تین ماہ تک ٹھہرا رہا، گفت و شنید کے بے شمار مرحلے طے کئے گئے تمام معاملات ایک آخری منزل پر پہونچ کر طے ہوگئے، کیبنٹ کی پیش کش یعنی آئین ساز اسمبلی کی اسکیم کو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے تسلیم کر لیا، یہ تو صرف گذشتہ چند ماہ کے واقعات ہیں ان سے پہلے کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں، اور حکومت برطانیہ کے ارباب حل و عقد میں گفت و شنید کا سلسلہ اکثر جاری رہا ہے لیکن ہر مرتبہ مسٹر جناح کے رویہ نے رکاوٹ ڈالی اور منزل آزادی کی تڑپ رکھنے والوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا، امید تھی کہ برطانوی کیبنٹ کے سلسلہ میں جو گفت و شنید ہوئی ہے وہ آخری ہوگی، اور اب کانگریس اور مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی کی راہ سے ہندوستان کو منزل مقصود کی طرف لے جائے گی۔

لیکن ایسا نہ ہوا، مسٹر جناح نے سب کی محنتوں اور کوششوں اور کاوشوں پر پانی پھیر دیا اور مسلم لیگ نے آئین ساز اسمبلی میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا اس سے پہلے انٹرم گورنمنٹ کے قیام کے سلسلہ میں جو رویہ مسٹر جناح نے اختیار کیا تھا وہ بھی معقول نہ تھا، مسلم لیگ کے لئے پانچ نشستیں اور کانگریس کے لئے چھ نشستیں تو انہیں منظور تھیں مگر ان کا اصرار تھا کہ کانگریس اپنی طرف سے ایک بھی مسلمان ممبر کو نامزد نہ کرے، ظاہر ہے کہ کانگریس اس پوزیشن کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتی تھی مسٹر جناح کو کانگریس کے ممبروں کے معاملہ میں مداخلت کرنے کا کوئی حق بھی نہ تھا، مسلم لیگ کو اختیار تھا کہ جس کو چاہے نامزد کرے، اسی طرح کانگریس کو بھی اختیار تھا کہ اپنے ارکان کو اپنی خواہش و مرضی کے مطابق نامزد کرے انصاف کا سیدھا اور صاف تقاضہ یہی تھا لیکن مسٹر جناح کی ضد نے اس سیدھی اور صاف بات کو بھی پیچیدہ بنا دیا۔

اس کے بعد جب وائسرائے نے پنڈت جواہر لال نہرو کو عارضی مرکزی حکومت بنانے کی دعوت دی تو خود وائسرائے کے براڈکاسٹ میں بھی مسلم لیگ کو پانچ نشستیں پیش کی گئیں، پھر پنڈت جواہر لال نے مسٹر جناح سے ملاقات بھی کی، اس پر بھی وہ نہ ملنے، پھر لارڈ ویول نے اور پنڈت نہرو نے بھی اپنے بیانات میں چند بار اس بات کا اعادہ کیا کہ کانگریس نے برطانوی کیبنٹ کی اسکیم کو اس کی مکمل صورت میں غیر مشروط طور پر قبول کر لیا ہے اور کانگریس اپنی طرف سے کوئی شرط پیش نہیں کرتی بلکہ جو شرطیں خود اس اسکیم میں موجود ہیں انہیں پر کاربند رہے گی، ایک متنازعہ مسئلہ صوبوں کی جماعت بندی کا تھا۔ اس سلسلہ میں بھی پنڈت جی نے صاف کہہ دیا ہے آئینی اسمبلی اپنی اسکیم کے مطابق تین جماعتوں میں بیٹھے گی۔

اب یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ کانگریس اس سے زیادہ کیا کر سکتی ہے؟ وہ کون سی بات ہے جس کو کانگریس نے تسلیم نہیں کیا ہے؟ اور اب مسٹر جناح کیا چاہتے ہیں جس کے لئے ان کی تمنا یہ ہے کہ گذشتہ گفت و شنید کے تمام اجزاء و عناصر کو ملیا میٹ کر کے پھر سب باتوں کو از سر نو شروع کیا جائے؟ اگر یہی مضحکہ انگیز صورت حال جاری رکھی گئی تو ظاہر ہے کہ یہ ہنڈیا ہمیشہ پکتی ہی رہے گی، اور اگر قیامت تک نہیں تو کم از کم دو چار سو برس تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔

پچھلے چند دنوں میں مسٹر جناح کے جو بیانات دیکھنے میں آئے ہیں اب چونکہ وہ لارڈ ویول اور وزیر ہند کے اعمال سے مطمئن نہیں ہیں اس لئے یہ خواہش ظاہر کر رہے ہیں کہ ملک معظم کی حکومت ان کو لندن جا کر، کیبنٹ کے اور بھی بلند تر ارکان، یعنی مسٹر ایٹلی وغیرہ سے گفت و شنید کرنے کی دعوت دے، لیکن کیا مسٹر جناح کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جو کچھ ہوا ہے مسٹر ایٹلی اور برطانوی کیبنٹ کی خواہش کے مطابق ہی ہوا ہے؟ اب یہ خبر ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کہ مسٹر جناح جلد ہی لارڈ ویول سے ملاقات کرنے والے ہیں پھر بھی اگر ان کا رویہ ایسا ہی رہا جیسا کہ اب تک رہا ہے تو حالات میں بہتری کی کوئی بڑی امید نہیں کی جا سکتی، خود پنڈت جواہر لال نہرو نے جس مخلصانہ اسپرٹ میں تعاون کے لئے مسلم لیگ سے اپیل کی تھی اس کے پیش نظر مسٹر جناح کا وائسرائے سے ملنا وزیر اعظم نہرو کی دلی خواہش کے عین مطابق ہوگا۔ اس سلسلہ میں کانگریس کا رویہ ہمیشہ بے لوث اور تعصبات سے بالاتر رہا ہے، وہ پبلک مفاد کے کاموں میں ہر پارٹی سے پورے تعاون کی خواستگار رہی، کانگریس کے بعض حلقے اس امر کو بھی محسوس کرتے ہیں کہ اب تک کانگریس نے اپنا خون پسینہ ایک کر کے، اور ارباب کانگریس نے بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کر کے وطن کی آزادی کی راہ میں جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں لیگ اپنے مناسب حق سے زیادہ کی حصہ دار رہی ہے اور آئندہ کے لئے بھی ایک تقسیم وطن کے مطالبہ کو چھوڑ کر وہ کون سی چیز ہے جو کانگریس نے مسلم لیگ کو پیش نہیں کی ہے؟ یہاں پر ہم پھر وہی سوال دہرانے پر مجبور ہیں کہ کانگریس اس سے زیادہ کیا کر سکتی ہے؟ اس پر بھی اگر مسٹر جناح اور ان کے رفقاء کار اپنے رویہ میں تبدیلی نہ فرمائیں اور ہم سفروں کے ساتھ آگے چلنے کی بجائے راستہ ہی میں بیٹھے رہنا چاہیں تو یہ حالت میر انیس کے مندرجہ ذیل شعر کے مطابق ہوگی (جو خاص مذکورہ بالا فارسی شعر کا ترجمہ ہے)

رستے میں اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالا
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے

یوروپین ممبروں کا امتحان

ہندوستان کے صرف دو صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارت قائم کی جا سکی تھی، بنگال اور سندھ، موخر الذکر صوبہ میں اسمبلی اور وزارت کا جو حشر ہوا وہ معلوم ہے اب بنگال میں سہروردی وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریکیں پیش ہونے والی ہیں، ان دونوں صوبوں کی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کو کوئی خالص اکثریت حاصل نہیں ہے بلکہ ان کی زندگی یوروپین ممبروں کے ووٹوں پر موقوف ہے، یہ یوروپین ممبران اگر اپوزیشن کی طرف چلے جائیں تو موجودہ وزارت ایک دن بھی نہیں ٹھہر سکتی، اس وقت بنگال کی وزارت اور مسٹر سہروردی کے خلاف عدم اعتماد کی دو تحریکیں ۱۹ اور ۲۰ ستمبر کو پیش ہونے والی ہیں یہی وہ وقت ہوگا جبکہ بنگال اسمبلی کے یوروپین ممبروں کا تازہ امتحان ہوگا اور یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کلکتہ کے فسادات اور وہاں کے نقصانات سے کس طرح متاثر ہوئے ہیں۔

ریلوے میں رشوت ستانی کا انسداد

ان اہم ترین مسائل میں جو اس وقت عارضی مرکزی حکومت کے سامنے ہیں ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ سرکاری نظم و نسق کے تمام محکموں سے رشوت ستانی کا انسداد کیا جائے کچھ روز ہوئے پرارتھنا کے وقت اپنی تقریر میں مہاتما گاندھی نے کہا تھا کہ "پوری فضا بدبودار ہو گئی ہے، دفتروں اور ان کے اسٹاف کو ایک مرض لگا ہوا ہے، یا گیا ہے پھر کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہر جگہ رشوت اور بد اخلاقی کا بازار گرم ہے"۔ رشوت ستانی کی یہ گرم بازاری صرف زمانۂ جنگ کے محکموں مثلاً سول سپلائی اور راشننگ وغیرہ ہی میں نہیں ہے بلکہ حکومت کے متعلق محکموں میں پوری وسعت کے ساتھ موجود ہے جن میں ریلوے کا محکمہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے ریلوے ڈپارٹمنٹ کے ایک پریس نوٹ کا بیان ہے کہ عارضی قومی حکومت نے یہ آرڈر پاس کر دیا ہے کہ ریلوے بورڈ نے کچھ روز پہلے رشوت ستانی کے انسداد کا جو کام شروع کیا تھا اسے پوری سرگرمی اور شدت کے ساتھ آگے بڑھایا جائے اور تمام ریلوے ملازمین کو ایک سخت چیتاونی دے دی جائے، مزید برآں یہ پریس نوٹ کہتا ہے کہ حکومت نے ایک قانون کے ذریعہ جو جلد ہی پاس کیا جائے گا، رشوت ستانی کو ایک ایسا جرم قرار دینے کا فیصلہ کیا ہے جو "قابل دست اندازی پولیس ہو یعنی کسی کی اطلاع دہانی کے باوجود پولیس خود مجرم کو گرفتار کر سکے، اس پریس نوٹ میں کہا گیا ہے کہ حکومت اس ضرورت کو تسلیم کرتی ہے کہ "جلد از جلد رشوت ستانی اور بد اخلاقی کا انسداد کیا جائے اور وہ ایک ایسی مشینری قائم کرنا چاہتی ہے جس سے جرم کرنے والا اور جرم کی ترغیب دینے والا دونوں شخص مستوجب سزا یا باب ہو سکیں"۔ (باقی صفحہ ۲۷ کالم ۲ پر)

آئی سی ایس اور قومی حکومت

انڈین سول سروس کے متعلق کسی زمانے میں یہ صحیح کہا گیا تھا کہ یہ تو انڈین ہے نہ سول اور نہ سروس ہے یہ شاہانہ ملازمت اپنی بیش بہا تنخواہ اور غیر محدود اختیارات کے ساتھ ایک غیر ملکی حکومت کی پیداوار ہے جس نے اپنی ضروریات حکمرانی کے پیش نظر اس سروس کو قائم کیا تھا۔ اس سروس کے جو انگریز ارکان پہلے ہندوستان آتے تھے وہ دولت کے اعتبار سے نواب بن کر انگلستان واپس جاتے تھے اب بھی اس ملازمت میں جو لوگ ہیں وہ پرانی روایات شان و شوکت کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور جن لوگوں پر وہ حکمرانی کر رہے تھے ان کے خادم ہو کر ان کی خدمت کرنا نہیں چاہتے اور بعد کو جو ہندوستانی اس سروس میں داخل کئے گئے ہیں وہ بھی انہیں روایات میں پڑ کر اپنی ہندوستانی ذہنیت اور جذبہ فرض شناسی کو کھو بیٹھے ہیں۔ اس سروس والوں کا اگر کوئی "خاص وصف" دیکھنے میں آتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ ان کی آنکھیں کوئی انقلاب نہیں دیکھ سکتیں وہ زمانے میں کسی تبدیلی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے خیال میں ہر ترقی و تبدیلی ان کی جیبوں اور بنک میں جمع ہونے والی رقوں کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے اسی لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سروس کو اس کی تمام مغرورانہ روایات کو جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔

تیج کے خاص نامہ نگار کی دی ہوئی اس خبر سے مسرت ہوئی کہ نئی مرکزی قومی حکومت اس بدیسی "انڈین سول سروس" کی بجائے ایک دیسی "سنٹرل سروس" قائم کرنے والی ہے۔ نامہ نگار تیج کو باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ نہرو کیبنٹ امپیریل سروس یعنی انڈین سول سروس، انڈین پولیٹیکل سروس اور انڈین پولیس سروس کے مستقبل پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہے، یہ ملازمتیں براہ راست وزیر ہند کے ماتحت ہیں اور ابتدا سے نوکر شاہی نظم و نسق کا بار انھیں کے کندھوں پر رہا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ملازمت یقینی حکومت سے اس قدر وابستہ رہی ہے کہ اس سے قومی مفاد کے اسپرٹ میں کام کرنے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہوم ڈپارٹمنٹ کے وزیر سردار پٹیل اس معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر رہے ہیں اور قومی کیبنٹ ایک ایسی سنٹرل سروس قائم کرنے کے حق میں ہے جو ہندوستان کی قومی ضروریات کے عین مطابق ہوگی، اسی کے ساتھ ساتھ یہ قابل تعریف کوشش بھی کی جا رہی ہے کہ سول نظم و نسق کی تنخواہوں کا بوجھ ہلکا کیا جائے یہ انڈین سول سروس ہندوستان کے لئے کتنی مضرت رساں ثابت ہوئی ہے اور ہو رہی ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ امریکہ کی پبلک بھی اب اس "فولادی ڈھانچہ" کی ان چالوں کو سمجھ گئی ہے جو ہندوستان کے سیاسی معاملات میں چلتے رہتے ہیں، واشنگٹن کی ایک اطلاع کہتی ہے کہ امریکن عوام میں ایک عام

ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات کو بہانہ بنا کر مسٹر اٹیلی کی گورنمنٹ پر یہ اثر ڈالنا چاہتی ہے کہ اس ملک کو آزادی نہ دی جائے اس سروس والوں کی در پردہ چالوں سے ہندوستان بھی ناواقف نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ اس سروس کا ہی خاتمہ کر دیا جائے۔

غنڈوں کے خلاف جہاد

صوبہ یو۔پی میں پنڈت گوبند ولبھ پنت کی حکومت نے غنڈوں کے خلاف ایک موثر جہاد شروع کر دیا ہے، خواہ وہ غنڈے کسی فرقہ یا جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، چونکہ حکومت کو اس امر کا یقین ہے کہ امن عامہ میں خلل کے بانی غنڈے ہی ہوا کرتے ہیں اس لئے صوبجاتی حکومت نے تمام ضلع حکام کو یہ ہدایت کی ہے کہ جہاں کہیں کوئی غنڈہ سر اٹھائے اسے فوراً پوری طاقت سے کچل دیا جائے مزید براں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تمام اضلاع میں غنڈوں کی ایک فہرست تیار کر لی گئی ہے جن کو فرقہ وارانہ نزاع کے ابتدائی آثار پیدا ہوتے ہی فوراً گرفتار کر لیا جائے گا۔ مزید براں اس جہاد کے سلسلہ میں ملٹری پولیس کی تعداد بھی دوگنی کر دی گئی ہے، پنڈت پنت کی حکومت قابل ستائش ہے کہ اس نے غنڈوں کے انسداد کے لئے ایسا موثر قدم اٹھایا ہے دوسرے کانگریسی صوبوں کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیئے، اس صورت میں تمام پبلک کا جس میں ہر فرقہ شامل ہے یہ فرض ہے کہ حکومت کو اپنا تعاون پیش کرے ظاہر ہے کہ جن امن پسند بے گناہ شہریوں کو فرقہ وارانہ فسادات نے نقصان پہنچایا ہے ان میں مسلمان بھی ہوتے ہیں اور ہندو بھی ہوتے ہیں یہ تو کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے کہ کسی ایک ہی فرقہ کو نقصان پہنچے یہ کوشش تو سب کے جان و مال کی حفاظت کے لئے ہیں

(صفحہ ۳ کا باقی نوٹ)

اس صورت حال میں جرم کی ترغیب دینے والے وہ اشخاص ہوں گے جو سفر کرتے ہیں یا کسی کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو ضرورتوں سے مجبور ہو کر ریلوے ملازمین کو رشوت دیتے ہیں اس مجوزہ قانون کے نافذ ہونے کے بعد رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں ہی گرفتار کر لئے جائیں گے، ہمیں یقین ہے اس مفید کام میں حکومت کو عوام کا پورا تعاون حاصل ہوگا، سب سے پہلے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ جب تک پبلک کا ضمیر بیدار نہیں ہوگا رشوت ستانی کا انسداد ایک دشوار کام بنا رہے گا، پبلک کے ہر فرد کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ کسی ریلوے ملازم کو رشوت دے کر وہ صرف ایک پبلک سرونٹ کے اخلاق ہی کو خراب نہیں کر رہا ہے بلکہ قومی طور کو جائز آمدنی سے بھی محروم کر رہا ہے کچھ لوگ اپنے خیال کا سلسلہ اس طرح قائم کرتے ہیں کہ اگر چند سکے جو ریلوے کا حق ہیں ایک غریب ملازم کو دیئے جائیں تو کیا برا ہے؟ ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ ریلوے محکمہ کو رشوت سے جو نقصان

فسادات کلکتہ کی تحقیقات

کلکتہ کے فسادات کے تحقیقاتی کمیشن کے صدر کی حیثیت سے فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس سر پیٹرک اسپنس کا تقرر اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ وائسرائے ہند لارڈ ویول اس سنگین معاملہ میں ایک غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تحقیقات کے خواہاں ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ کمیشن کے دوسرے ارکان کے انتخاب میں بھی اسی احتیاط و دور اندیشی سے کام لیا جائے گا تاکہ اس تحقیقات کو پبلک کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہو جائے۔ اگرچہ یہ تحقیقات رسمی اعتبار سے حکومت بنگال کی طرف سے جاری کی جا رہی ہے تاہم کوئی شخص بھی جو واقعات سے آگاہ ہے اس امر سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ اس معاملہ میں خود حکومت بنگال ایک فریق مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے ایک حلقہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تحقیقات شروع کرنے سے پہلے موجودہ "سہروردی وزارت" کو معزول و معطل کر دینا چاہیئے ورنہ اسی وزارت کی موجودگی میں جو کہ خود ایک فریق ہے تحقیقات کے سلسلہ میں بے لوث شہادتوں کا حاصل کرنا دشوار ہو جائے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ وائسرائے اور گورنر بنگال کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے مگر اس تجویز کی معقولیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

سندھ کا تماشا

صوبہ سندھ کی مسلم لیگی وزارت کا تماشہ آخر اس مرحلہ پر آ کر ختم ہوا کہ گورنر نے سندھ اسمبلی کو معطل و برخاست کر دیا، اور اب از سر نو ارکان اسمبلی کا انتخاب کیا جائے گا۔ گورنر سندھ نے جس عجیب طریقہ سے "ہدایت اللہ وزارت" کو مصنوعی اور غیر آئینی ذرائع سے زندہ رکھنے کی کوشش پچھلے دنوں کی ہے اس کی تفصیلات سب کو معلوم ہیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس وزارت کو کبھی اکثریت حاصل نہیں تھی اور یہ ہمیشہ تین یورپین ممبروں کے ووٹوں پر زندہ رکھی گئی۔ لیکن ۳ ستمبر کو جبکہ اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ اس وزارت نے یورپین ووٹوں کے باوجود خود کو اقلیت میں پایا۔ اور ایک ووٹ سے اپنی طاقت بڑھانے کے لئے اس نے اسپیکر کو وزارت میں شرکت کرنے کا وعدہ کر کے انھیں مستعفی ہو جانے کی ترغیب دی گورنر کا فرض تھا کہ اسمبلی کی کارروائیوں کو جاری رکھنے کے لئے انکا استعفا منظور نہ کرے۔ مگر گورنر کا شاید دلی مقصد تو یہ تھا کہ کسی صورت سے ہدایت اللہ منسٹری قائم رہے۔ چنانچہ اسپیکر کا استعفا منظور کر لیا گیا۔ اس کے جواب میں نائب صدر اور "پینل آف چیرمین" نے بھی استعفا دے دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ سندھ اسمبلی بغیر صدر کے باقی رہ گئی۔ اس صورت میں بھی گورنر کا آئینی فرض تھا کہ ایک صدر مقرر کر دے مگر اس کی بجائے گورنر نے اسمبلی کا اجلاس ہی ملتوی کر دیا تاکہ وزارت کی زندگی خطرے میں نہ پڑے۔ اس کے بعد آخر کار یہ کیا کہ اسمبلی کو برخاست کر دیا۔ اور موجودہ وزارت کے دو ارکان یعنی مسٹر ہدایت اللہ اور مسٹر کھوڑو کو اپنا وزیر بنا لیا۔ اور اب جبتک کہ نیا انتخاب ہو کر نئی اسمبلی قائم نہ ہوگی یہی دو ارکان گورنر سندھ کی حکمرانی کی کشتی چلاتے رہیں گے۔ اس پورے ڈرامے میں سب سے عجیب بات یہ ہی کہ اپوزیشن کے لیڈر مسٹر جی۔ ایم سید کو کبھی گورنر نے مشورہ کے لئے نہیں بلایا اور نہ ان کو وزارت قائم کر کے اسمبلی کے ووٹوں کا مقابلہ کرنے کا موقع دیا۔ حالانکہ اپوزیشن کو یہ طاقت حاصل ہو چکی تھی کہ وہ اپنے اسپیکر کے ساتھ اپنی ایک مضبوط وزارت قائم کرے۔ الغرض گورنر سندھ نے ابتدا سے انتہا تک اس معاملہ میں جانبداری سے کام لیا اور آئینی ضابطوں اور رسموں کو بالائے طاق رکھ دیا اگرچہ اب اپوزیشن کو پھر ایک مرتبہ حلقہ ہائے انتخاب کی طرف رجوع ہونا پڑے گا۔ مگر اس پارٹی کا خیال ہے کہ جبتک موجودہ گورنر اور یہ دو وزراء اپنے عہدوں پر رہیں گے۔ آزادانہ اور منصفانہ انتخاب ممکن نہ ہوگا لارڈ ویول کو اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے۔

انٹیرم گورنمنٹ کے دو تازہ کارنامے

چند ہی روز کے اندر "نہرو کیبنٹ" نے نظم فضا میں کس قدر تبدیلی کی ہے اور کیسے مفید کارنامے پیش کئے ہیں۔ دو تازہ واقعات سے ظاہر ہیں چند روز ہوئے وزیرستان پر ہوائی بمباری کا افسوسناک فوجی عمل ملک کے سامنے آ چکا ہے۔ سرحدی قبائل پر بمباریوں کا سلسلہ بہت دنوں پہلے شروع ہوا تھا اور حکومت ہند کی پالیسی کا ایک جزو بن گیا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے وزیر اعظم نہرو نے یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ وزیرستان کے قبائل پر ہوائی بمباری اور توپوں سے گولہ باری فوراً روک دی جائے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس معاملہ پر ایک سرکاری اعلان جلد شائع ہوگا۔

دوسرا واقعہ امپیریل بنک کے ملازموں کی ہڑتال کے خاتمہ کا ہے۔ چند روز ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے اس سلسلہ میں ایک اپیل کی تھی۔ اور یہ کہا تھا کہ متنازعہ مسائل ثالثی کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ اسی اپیل کا یہ اثر ہے کہ امپیریل بنک آف انڈیا بنگال سرکل اور سنٹرل اکاؤنٹ آفس کے ملازموں نے ہڑتال ختم کر دی ہے۔ نئی حکومت ان تمام مستحسن خدمات کے لئے قابل مبارکباد ہے۔

مسلم لیگ اور روس

مسلم لیگ کے لیڈروں نے پچھلے دنوں چند مواقع پر روس کی طرف جس طرح نگاہ اٹھائی ہے اس کے متعلق ہمارا مسلم معاصر ہند کلکتہ لکھتا ہے:- "مسلم لیگ کے بعض بڑے لیڈروں نے اعلان کیا ہے کہ اگر برطانیہ نے اپنی موجودہ پالیسی نہ بدلی اور مسلم لیگ کی بات نہ مانی تو مسلم لیگ ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے سوویٹ روس سے مدد چاہے گی۔ خود مسٹر جناح نے بھی اپنے تازہ بیان میں اس طرف اشارہ کیا ہے میرا ذاتی خیال ہے کہ مسلم لیگ کو سوویٹ روس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی، کیونکہ سوویٹ روس دوسرے ملکوں کے معاملات میں دخل ہی نہیں دیتا۔ پھر سوویٹ روس، قومیت کا جو نظریہ رکھتا ہے وہ مسلم لیگ کے نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔" ہم اس پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔

نمک کے ٹیکس کی تنسیخ

جب سے مرکز میں عارضی قومی حکومت قائم ہوئی ہے بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ امید پیدا ہوگئی ہے کہ نمک پر جو ٹیکس لگا ہوا ہے وہ جلد منسوخ کر دیا جائے گا جو لوگ مہاتما گاندھی کے "ڈانڈی مارچ" اور نمک ستیاگرہ کے ہنگاموں کی یاد تازہ رکھتے ہیں اُن کی یہ توقع جائز ہے اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا جا چکا ہے کہ چونکہ اس ٹیکس کا بار سب سے زیادہ غریبوں پر پڑتا ہے اس لئے عارضی قومی حکومت یقیناً اسے منسوخ کر دیگی لیکن چونکہ لوگوں کے مزاج میں عجلت پسندی زیادہ ہوتی ہے اسی لئے وہ اس سلسلہ میں بے صبری سے کام لے رہے ہیں کچھ لوگوں نے خود مہاتما گاندھی سے سوالات کرنے شروع کر دئے ہیں کہ ٹیکس کب منسوخ ہوگا اور اب تک کیوں نہیں منسوخ کیا گیا ہے؟ مہاتما گاندھی نے اس کے جواب میں بالکل صحیح فرمایا ہے کہ ابھی تو نئی حکومت کو چارج لئے ہوئے بھی ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں گذرا ہے یہاں تک کہ وزیر مالیات نے بھی چارج نہیں لیا ہے (اب چارج لے لیا ہے) ہمارا فرض ہے کہ ہم نئی حکومت کو کام کرنے کا وقت اور موقعہ دیں اور اپنی تائید و امداد پیش کرتے رہیں اس طرح کے تمام مفید کام رفتہ رفتہ انجام پا جائیں گے!

کانگریس سے متعلق فائلیں کیا ہوئیں

حکومت ہند کے سکریٹریٹ کے ہوم ڈپارٹمنٹ میں کانگریس اور لیڈران کانگریس کے متعلق جو فائلیں تھیں اُن کا اب کہیں پتہ نہیں ملتا یہ تو ظاہر ہے کہ یہ فائلیں چند نہیں بلکہ کافی تعداد میں ہونگی کیونکہ کانگریس اور حکومت برطانیہ کی رسہ کشی بہت دنوں سے جاری تھی، اور ہوم ڈپارٹمنٹ کی الماریوں میں کانگریس اور ارباب کانگریس کے خلاف بہت سی مخالفانہ ریکارڈ رکھے گئے ہونگے۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس کی ایک اطلاع کہتی ہے کہ جب نئی مرکزی حکومت کے کانگریسی ممبروں نے اپنے متعلق اور اپنی سرگرمیوں کے متعلق فائلیں دیکھنی چاہیں تو ان کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ ان تمام فائلوں کا کہیں پتہ نہیں ہے، تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ نئی گورنمنٹ کے چارج لینے سے پہلے ہی یہ فائلیں تباہ اور ضائع کر دی گئیں اگر یہ صحیح ہے تو نئے ہوم ممبر کو تحقیقات کرنی چاہئے کہ ایسا کیوں ہوا اور کس کے حکم سے ہوا اور کیا خود والسرائے لارڈ ویول کو اس واقعہ کا کچھ علم ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ فائلیں سکریٹریٹ کی الماریوں سے ہٹا کر دوسری جگہ کسی نہاں خانہ راز میں رکھ چھوڑی گئی ہوں؟

چیزوں کی کثرت پیداوار کی ضرورت

عارضی مرکزی حکومت کے سپلائی و انڈسٹریز ممبر شری راجگوپال اچاریہ نے اپنی ایک تازہ تقریر میں صحیح فرمایا ہے کہ اس ملک کے باشندوں کو اس وقت جتنی چیزیں درکار ہیں وہ سب کی سب ضرورت سے کم ہیں اور اس کا واحد علاج یہی ہے کہ تمام چیزوں کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے ہم جانتے ہیں کہ ضروری اشیاء کی کمی سے ہی گرانی پیدا ہوتی ہے اور پھر اس گرانی کا نتیجہ نفع بازی اور بلیک مارکیٹ کی صورتوں میں نمودار ہوتا ہے، اس وقت ہندوستان کی پبلک کھانے، کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی کی انتہائی کمی کے باعث بہت پریشان ہے پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے عہدے کا چارج لینے کے بعد چند مرتبہ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "جب تک چیزوں کی پیداوار اور سپلائی قومی ضرورتوں سے کافی زیادہ نہیں ہوگی، مصیبت اور بلیک مارکیٹ باقی رہے گی" اس لئے ضرورت ہے کہ جلد از جلد ہر چیز کی پیداوار بڑھانے کی کوشش کی جائے۔

تھرڈ کلاس ڈبہ میں بجلی کے پنکھے

خیال کیا جاتا ہے کہ ریلوے بورڈ نے اس غریب ملک کے تھرڈ کلاس مسافروں کے لئے مزید آسائش بہم پہنچانے کا فیصلہ کیا ہے لیکن یہ خیال نہ کیجئے کہ آپ کو یہ نئی آسائشیں آج ہی حاصل ہو جائیں گی، ریلوے بورڈ کا فیصلہ یہ ہے کہ ہندوستانی ریلوں کے لئے جو تھرڈ کلاس ڈبے اب تعمیر کئے جائیں گے اُن میں بجلی کے پنکھے بھی لگا دئے جائیں گے اور یہ ترقی آپ کی منتظر آنکھیں اس وقت دیکھیں گی جب ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۸ء کے دو سال تک زندہ رہ کر اور اس مدت کو خیریت سے گذار کر آپ اپریل ۱۹۴۹ء میں تھرڈ کلاس کا سفر کریں گے! مزید برآں اب ریلوے ڈبے گیارہ فٹ آٹھ انچ چوڑے ہوں گے، گاڑیوں کی کمانیاں بہتر ہوں گی تاکہ جھٹکے کم ہو جائیں اور ہر پندرہ مسافروں کے لئے ایک ٹٹی ہوگی۔ بہر حال اس خبر کو سن لیجئے اور دو سال کی مدت امیدوں میں بسر کیجئے اس وقت سفر کی جو صورت حال ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہر تھرڈ ڈبے پر میر انیس کا یہ مصرعہ صادق آتا ہے کہ "مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے"

نیتاجی سبھاش چندر بوس

نیتاجی سبھاش چندر بوس کے متعلق متضاد افواہوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب ہر حلقہ میں اس امر کا یقین کیا جا رہا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور جلد ہندوستان آکر ظاہر ہو جائیں گے ابھی چند روز کی بات ہے کہ نئی عارضی مرکزی حکومت نے ان کی گرفتاری کا وارنٹ منسوخ کر کے اُن پر سے تمام پابندیاں ہٹا دی ہیں "نہرو کیبنٹ" کا یہ اقدام یقیناً قابل مبارکباد ہے نیتاجی سبھاش چندر بوس ہندوستان کے صف اول کے لیڈروں میں ہیں اور ہندوستان سے باہر انڈین نیشنل آرمی کے لیڈر کی حیثیت سے جو کارنامہ انہوں نے پیش کیا ہے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

راجدھانی میں

("سپلائی" کے قلم سے)

راجدھانی کو یہ فخر نصیب نہ ہو سکا کہ یہاں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس ہوتا، میرٹھ دہلی پر سبقت لے گیا مگر دہلی کو تسلی ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس اس کے حصہ میں آیا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی قومی پارلیمنٹ کہلاتی رہی ہے ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو ہندوستان کی تاریخ میں جس فیصلے سے نئے دور کا آغاز ہوا وہ اسی پارلیمنٹ نے پاس کیا تھا اور اب جبکہ یہ پارلیمنٹ دہلی میں اپنا اجلاس کرے گی اسے دیکھ کر کس قدر اطمینان ہوگا کہ بمبئی میں اس نے برطانی حکومت سے "کوئٹ انڈیا" کا جو مطالبہ کیا تھا وہ دہلی میں عملی طریق سے پورا کیا جا رہا ہے، کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کی قومی حکومت کے پہلے وزیر اعظم ہیں اور ان کی رہنمائی میں قومی حکومت کامل آزادی کی منزل مقصود کی طرف قدم بڑھا رہی ہے راہ میں دشواریاں ہیں، دلوں میں اندیشے اور خدشے ہیں لیکن کون سی منزل ہے جو ثابت قدمی سے طے نہیں کی جا سکتی؟

قومی حکومت کے قیام پر خوشی کی پہلی لہر ختم ہو چکی ہے یہ اچھا ہے کہ ہم قبل از وقت اور ضرورت سے زیادہ مسرتوں میں محو نہ ہو جائیں وزیر اعظم نہرو نے پچھلی ہفتہ آل انڈیا ریڈیو پر قوم کو آزادی، اتحاد اور عمل کا وہ پیغام دیا جو ہم اس سے پہلے صرف پریس اور پلیٹ فارم سے سنا کرتے تھے، دوسری جنگ عظیم کے دوران بھی جبکہ اتحادی قوموں بالخصوص برطانیہ کو آزادی اور جمہوریت کی حفاظت کے نام پر ہندوستان سے مادی اخلاقی اور انسانی امداد کی ضرورت تھی آل انڈیا ریڈیو پر سب کچھ کہا جا سکتا تھا مگر برطانی راج کے خاتمہ اور ہندوستان کی کامل آزادی کا چرچا نہیں کیا جا سکتا تھا وزیر اعظم نہرو کی آواز نشر کر کے آل انڈیا ریڈیو نے اپنی آواز میں نیا اثر پیدا کیا ہے اب یہ دیکھنا ہوم منسٹر سردار پٹیل کا کام ہے کہ یہ اثر داخلی ریشہ دوانیوں سے زائل نہ کر دیا جائے۔

فرقہ پرستی اور رجعت پسندی نے اپنی حفاظت کے لئے جہاں جہاں غار بنا رکھے ہیں آل انڈیا ریڈیو بھی انہی مقاموں میں سے ایک ہے سردار پٹیل کو یہ غار تباہ کرنے ہونگے اور انہیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ریڈیو پر قوم کا پیسہ بازاری اور فلمی گانوں کی ترویج کے لئے نہیں بلکہ قوم کی صحیح ڈھنگ پر تعلیم و تربیت کے لئے صرف کیا جائے۔

کہتے ہیں کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچا کرتی ہے لیگ کا ترجمان ڈان جو راجدھانی ہی نہیں سارے ملک کی فضا میں فرقہ دارانہ زہر پھیلانے کی کوشش میں مصروف ہے سیاسی بحث میں بلند اخلاقی معیار قائم رکھنے کا تو ابتدا سے ہی قائل نہ تھا۔ قومی کیبنٹ کے قیام سے اس درجہ صدمہ پہنچا ہے کہ وہ اخبار اپنا توازن بھی کھو بیٹھا اور خاص ذاتیات پر اتر آیا ہے اسے نئی دہلی میں اس کے سوائے کوئی نئی تبدیلی نظر آئی کہ ہوم منسٹر سردار پٹیل نے اپنی سرکاری جائے رہائش کی آرائش کے لئے ہزاروں روپیہ صرف کرنے کا آرڈر دیا ہے نامہ نگار "تیج" نے معاملہ کی چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ تمام کارروائی سرکاری دفتروں کے ضابطے کے مطابق ہوئی ہے اور کل پرچوں پر متعلقہ افسروں کے دستخط ہیں وہ بیشتر مسلمان ہیں اور سردار پٹیل صرف انتخابات کے گنہگار ہیں کہ انہوں نے متعلقہ ماتحت افسر سے سرکاری جائے رہائش کو انگریزی اصطلاح میں "فرنش" کر دینے کے لئے کہا۔ اوچھی بحث کا دروازہ بند کر دینے کے لئے اعلان کر دیا گیا کہ یہ کام سردار پٹیل اپنے نجی خرچہ پر کرائیں گے۔

اچھا ہے کہ ہم دوسروں کی آنکھوں کا تنکا دیکھنے کی بجائے اپنی آنکھوں کا شہتیر دیکھیں بنگال اور سندھ کے لیگی وزیروں نے قوم یا ملت کے لئے کیا قربانیاں کی ہیں اور وہ پبلک روپیہ کے صرفہ میں کتنی احتیاط برت رہے ہیں اور ان میں سے کتنے ہیں جو دل پر ہاتھ رکھ کر دیانتداری کا حلف اٹھا سکتے ہیں؟ اور اسلامی اخلاقی اصول کے مطابق سرکاری یا پبلک خزانہ کے پیسے اور نجی دولت میں کوئی فرق نہیں، مالابار کے محل سے "ماروٹ ولا" تک دولت کہاں سے آئی اور ذاتی عیش و عشرت کے لئے اس کا کس طرح استعمال ہو رہا ہے؟ مہاتما گاندھی کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی خالص ضروریات زندگی کی حد سے زیادہ دولت کماتا اور جمع کرتا ہے وہ چور ہے، کیا ڈان کو یہ اصول تسلیم ہے؟ گنہگار پر اس شخص کو پتھر پھینکنے کا حق ہے جس کا دامن گناہ سے پاک ہو۔ کانگریس کے لیڈروں نے کبھی فرشتے ہونے کا دعویٰ نہیں کیا پھر بھی ان کے اخلاق اور کردار کا معیار اتنا بلند ہے کہ ڈان اور اس کے ہمنواؤں کو وہاں تک پہنچنے کے لئے مدت چاہیئے، ڈان کے انکشافات سے یہ واضح ہو گیا کہ سنٹرل سکریٹریٹ میں ففتھ کالم موجود ہے جو ڈان سے قربت رکھتا ہے ہم فی الحال اس اشارہ پر ہی اکتفا کریں گے۔

نئی دہلی اور پرانی دہلی میں اب ذرا بھی فاصلہ نہیں رہا۔ دونوں کی حدیں بالکل مل چکی ہیں مگر ایک نمایاں فرق باقی ہے نئی دہلی میں نئی فضا اور نئی اسپرٹ ہے جو انڈین نیشنل کانگریس کے اختیار و اقتدار کی حامل ہے پرانی دہلی میں وہی نوکر شاہی راج ہے جسے کانگریس سیوا دل ہیں "سرخ خطرہ" دکھائی دیتا ہے چنانچہ یہاں پکڑ دھکڑ کا وہی پرانا سلسلہ جاری ہے نئی دہلی کے حاکم پرانی دہلی کے باغی ہیں۔

ہماری روزانہ زندگی

(از جناب منشی گوپی ناتھ امن، لکھنوی)

(۱۹) بلوے

کچھ عرصہ پہلے اب عنوان مضحکہ خیز سمجھا جاتا کیونکہ بلوے روزانہ زندگی کا حصہ نہیں ہو سکتے لیکن اب ہمارے ملک میں جیسی کچھ حالت ہو گئی ہے اس میں بلووں کو بھی آئے دن کی بات سمجھنا چاہیئے۔ یہ بڑے بہت معمولی بات پر شروع ہو جاتے ہیں لیکن جس طرح ایک چنگاری کی بدولت بڑے بڑے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں اسی طرح ایک معمولی سا واقعہ بھی بڑے سے بڑے بلوے کا باعث ہو سکتا ہے ان بلووں کے نفسیاتی پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بلوے چاہے معمولی سی بات پر ہوں لیکن ان کی تہ میں دونوں کی باہمی منافرت ہوتی ہے جہاں ہندو مسلمان اور سکھ دونوں سے ملے جلے رہتے ہوں وہاں کسی نہ کسی مختلف فرقوں والوں کا باہمی تنازعہ چاہے کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو لیکن وہ آسانی سے جو خطرناک شکل اختیار نہیں کر سکتا لیکن جہاں پہلے سے کشیدگی اور بدبیگی موجود ہو وہاں تو دیوانہ را ہوے بس است کا مضمون ہوتا ہے۔

شہروں میں بلوے زیادہ ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شہروں کی آبادی میں پڑوسی ایک دوسرے سے اتنے مانوس نہیں ہوتے جتنے گاؤں میں ہوتے ہیں قصبوں میں بھی اب قریب قریب شہروں کی سی حالت ہوتی جاتی ہے گاؤں کی زندگی چونکہ کھیتی باڑی وغیرہ کی ہوتی ہے اس لئے پشتہا پشت سے لوگ ایک ہی جگہ آباد چلے آتے ہیں ایک پڑوسی دوسرے کے مزاج سے واقف ہے ایک دوسرے کے دکھ درد کا پتہ ہے ایک دوسرے کی خامیاں اور خوبیاں معلوم ہیں اور ایک پڑوسی دوسرے کا دباؤ ہے مسلمان بزرگ ہندو بچوں کو تنبیہہ کر سکتے ہیں ہندو بزرگ مسلمان بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ سکتے ہیں لیکن شہروں میں تو کیفیت ہی دوسری ہے دہلی میں ہی دیکھئے کہ ایک محلہ میں کوئی پنجاب سے آکر آباد ہوا ہے کوئی یو پی سے کوئی بنگالی ہے تو کوئی مدراسی دونوں سے بھی اگر ایک دوسرے کے پڑوس میں رہتے ہوں تو ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہوتی نہ دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اس لئے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے متعلق یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کیسے لوگ ہیں ان کا ذریعہ معاش کیا ہے یا کہاں سے آئے ہوئے ہیں بستی میں آکر بس جاتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آئے کہ لوٹ مار آسانی سے ہو سکے اس کے لئے فرقہ وارانہ بلوے سے بہتر اور کوئی موقعہ ہاتھ نہیں آ سکتا اس لئے ہندو کہلانے والے گنڈے ہندوؤں کو اور مسلمان کہلانے والے گنڈے مسلمانوں کے دلوں میں تحت الشعوری طور پر ایک دوسرے کے خلاف منافرت کے بیج بوتے رہتے ہیں اور موقعہ کے انتظار میں رہتے ہیں بیشتر ...

اب سوال یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے ظاہر ہے کہ جب بلوہ ہوتا ہے تو محلہ یا بستی کے بھلے آدمیوں کو ہر چند اس سے فکر پیدا ہوتی ہے لیکن وہ اس وقت تک کہ جب تک بے کس اور بے بس محسوس کرتے ہیں جب تک بلووں کی منافرت کسی قدر کم نہ ہو جائے لہذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ حفظ ما تقدم کیا جائے تاکہ وہ بری ساعت آنے ہی نہ پائے پہلے آجکل تقریباً ہر شہر میں شہریوں کا دل بہلاؤ ہوا رہتا ہے ہندو مسلمان سکھوں وغیرہ کی ملی جلی مجلسیں بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں انگریزی معاشرت کی زندگی میں کلب اس کا کام دیتے ہیں دیہات میں جو میل جول ہوتا ہے شہروں کے محلوں میں پہلے تو کسی کسی بزرگ کی بیٹھک میں جمگھٹ رہا کرتا تھا لیکن اب یہ طریقہ بدلتا جا رہا ہے کیونکہ دلچسپی کا مرکز محلوں سے الگ سینما اور تھیٹر ہالوں وغیرہ میں بن گیا ہے ضرورت ہے کہ ان مرکزی انداز میں اس کو پھر سے جاری کیا جائے یہ صورت ایک تفریحی بلکہ نہایت مفید چیز ہو گی ان محفلوں میں کھیل کود پڑھنے لکھنے وغیرہ کا پروگرام بھی رکھا جا سکتا ہے۔

بلووں کے بڑھنے کی بہت بڑی وجہ وہ افواہیں ہوتی ہیں جو موقعہ پر اڑا دی جاتی ہیں کچھ لوگ تو بدنیتی سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات بھڑکانے کے لئے غلط باتیں اڑا دیتے ہیں لیکن بعض اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہیں انہیں مبالغہ سے بات بیان کرنے کی عادت ہوتی ہے اگر کسی علاقہ میں کوئی شخص زخمی ہو گیا ہے تو یہ اسے ہلاک شدہ بتائیں گے اور اگر ایک ہلاک ہوا ہو تو تین چار بلکہ اس سے بھی زیادہ بتائیں گے جب اس طرح کی خبریں مشتہر ہو جاتی ہیں تو مختلف فرقے والے لئے نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بچاؤ کے لئے اپنی تدبیریں شروع کر دیتے ہیں اور یہ تیاری جو بچاؤ کے نام پر شروع کی جاتی ہے اکثر جارحانہ صورت بھی اختیار کر جاتی ہے سب جذبات بھڑکے ہوئے ہوتے ہیں تو تصدیق کرنے کا نہ تو کسی کو حوصلہ ہوتا ہے اور نہ توفیق جوش سے کہہ دیا ہی ٹھیک مان لیا اور اسی بنیاد پر کام کرنے لگے ایسے موقعہ پر ان گنے چنے آدمیوں کا کام ہوتا ہے جو چاروں طرف کی گرم ہواؤں میں بھی اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھ سکتے ہیں ایسا ایک آدمی بھی اپنی رائے یا اپنے الفاظ سے جماعت پر اثر ڈال سکتا ہے اگر افواہوں کو ہوا دی جائے تو وہ بہت بڑھ جاتی ہیں اگر اس کی روک تھام اور تردید شروع کر دی جائے تو کم سے کم لوگوں میں یہ مادہ تو پیدا ہو جاتا ہے کہ لاؤ افواہات کی تصدیق کر لیں۔

بلووں کا اصل علاج اگرچہ دیر طلب ہے لیکن یقینی طور پر یہی ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مذہب سے واقفیت حاصل کریں ایک دوسرے کے کلچر کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کریں روزانہ زندگی میں ایک دوسرے سے زیادہ ملا جلا کریں اور ایک دوسرے کے ...

ہر انگریز ۴۲ پونڈ فی ہندوستانی کے حساب سے مقروض ہے

(از قلم ہیری گریگسن)

(ظ)

برطانیہ ہندوستان سے صلح کرنے پر آج کیوں مجبور نظر آرہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر انگریز ۴۲ پونڈ فی ہندوستانی کے حساب سے ہمارے دیس کا مقروض ہو چکا ہے، کیوں، اور کیسے اس کے لئے یہ مضمون غور سے پڑھنے کے لائق ہے، (ادارہ)

"ہندوستان کے بارے میں یہ گڑبڑ کیوں ہے؟" —— یہ ایک سوال ہے جو ہم انگریزوں میں عام طور پر پوچھا اور سمجھا جاتا ہے ہندوستان کا ہماری جیبوں اور ہمارے مستقبل سے اب ایک گہرا تعلق ہو گیا ہے اور ہر شخص کو بھی اس واضح حقیقت کا احساس ہو چکا ہے وہ اس سلسلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے مجبور ہے۔

آئیے اب ہم پونڈ، شلنگ، پنس کے حساب سے ہندوستان کے بارے میں کچھ باتیں کریں:—

ابھی چند سال قبل چرچل نے یہ بات کہی تھی کہ جزائر برطانیہ میں ہر پانچ آدمیوں سے ایک آدمی کی روزی ہندوستان سے حاصل ہوتی ہے، ہندوستان کو عام طور پر "تاج برطانیہ کا درخشندہ ترین ہیرا" کہا جاتا ہے ہندوستان سے بہت انگریزوں کا بھلا ہوا ہے اور ہوتا ہے، روپیہ لگانے والوں کے لئے بہترین مقام ہندوستان ہے، اصول سروس کرنے کے لئے ہندوستان سے بہتر کون مقام ہو سکتا ہے اس کے علاوہ ہزاروں انگریز ہندوستان میں جا کر نوکریاں کرتے ہیں نیز برطانوی سرمایہ ہندوستانی ہزاروں انجینئروں کا مفاد چھپا ہوا ہے۔

پچھلی دو عالمگیر لڑائیوں نے یہ نقشہ بدل دیا ہے پہلے ہر ہندوستانی فی کس انگلستان کا [illegible] پونڈ کا قرضدار تھا اب ہر انگریز ہر ہندوستانی کا بقدر ۴۲ پونڈ قرضدار ہو چکا ہے دوسرے لفظوں میں اس حساب کو یوں سمجھئے کہ ہندوستان کا ہم انگریزوں پر جو قرضہ ہے اسے ادا کرنے کے لئے ہر انگریز کو ایک سال تک دس شلنگ فی ہفتہ قرض میں دینا ہوگا

فتح کی قیمت!

ہم نے جو جنگ خریدی ہے آخر اس کی کوئی نہ کوئی قیمت تو دینی ہی ہے۔ یہ اس قیمت کا ایک جزو ہے جو لوگ مشرق وسطی اور برما میں گئے ہیں انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جب یو بوٹوں نے امریکہ و برطانیہ سے جنگ کے ان میدانوں میں سامان رسد پہنچانا محال کر دیا تھا ہندوستان ہی نے ساری چیزیں سپلائی کی تھیں اس نے ہی اپنی ریلوے لائنیں اکھاڑ کر ایران، عراق اور مصر میں پھیلا دی تھیں اس نے ۱۹۴۲ء میں فوج کے تین ڈویژن بھی سمندر پار لڑنے کے لئے بھیجے تھے، دو ملین ٹن کچا لوہا اور ...... ٹن فولاد ٹاٹا اسٹیل ورکس نے دیا تھا جو سلطنت برطانیہ میں سب سے بڑا کارخانہ ہے ہندوستان نے ۵۰۰۰۰۰۰ جوڑے جوتے مہیا کئے تھے جو فوجیوں کے لئے تھے گرم ملکوں میں کام آنے والی وردیاں، فوجی روپوشی کے کاموں کے لئے جال، کمبل اور دوسری فوجی ضروریات ہندوستان نے دی تھیں، ۱۲۰۰ ہسپتالیں تعمیر کیں ۳۶۰۰ ہوائی اڈے بنائے اور ۳۲۰۰۰۰ فوجیوں کے لئے رہائش مہیا کی تھی،

لڑائی سے پہلے کے ایک اچھے سال میں (۱۹۳۸ء) برطانیہ نے دساور کو ۶۰۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ مالیت کا سامان بھیجا تھا اس میں سے ہندوستان اور برما نے ۴۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ کا سامان لیا تھا۔ انگلستان میں مال کی برآمد کی انگریز مزدور کی مزدوری میں ہندوستانی خرید کی وجہ سے ایک شلنگ ۴ پنس کی رقم اور شامل تھی۔

انگریزی صنعتوں کا فروغ

مثلاً روپیہ کمایا کس نے؟ زیادہ تر لنکاشائر کے پارچہ بافی کے کارخانہ والوں نے ...... ۴ پونڈ کے آرڈر لنکاشائر برمنگھم اور سنڈرلینڈ کو، کوونٹری اور وولور ہمپٹن نے ...... پونڈ کمائے یہ تو نا سہی، آکسفورڈ، لوٹن اور دوسری جگہ کے موٹر کار کے کارخانوں کو ...... ۲ پونڈ کی رقم ملی ہندوستان کی خریداری میں باقی جن لوگوں نے حصہ بٹایا ان میں انجن بنانے والے کارخانے، دواؤں اور تمباکو کے کارخانے، کپڑے بنانے والے، صابن اور کاغذ بنانے والے، کیمیاوی دوائیں بنانے والے وغیرہ تھے۔ انگلستان میں کوئی بڑا اور معقول کارخانہ ایسا نہ تھا جو براہ راست یا کسی واسطے سے ہندوستان سے تعلق نہ رکھتا ہو ۱۹۳۷ء میں ہندوستان کے ۳۵ کروڑ باشندوں میں سے ہر ایک نے ۲ شلنگ ۸ پنس ولایتی مال خریدنے پر صرف کیا۔

ڈنڈی کے مقام پر جو جوٹ کی صنعت ہے اس کا دارومدار ہندوستان سے حاصل کئے ہوئے جوٹ پر ہے ہندوستان میں جو انگریز آباد ہیں ان کی ایک بڑی بھاری تعداد جوٹ کی کھیتی کے منافع پر بسر کر رہی ہے۔

مگر یہ بات نہیں ہے کہ ہم نے ہندوستان سے لیا ہی لیا ہے وہاں کچھ خرچ نہیں کیا ہندوستان میں ہم نے بھی اپنا بڑا روپیہ لگایا ہے اور اکثر اس روپے کی واپسی کی کوئی امید نہیں تھی۔

ہندوستان جب روپیہ لگانے سے جھجکتا تھا اس وقت ہم نے سارے ہندوستان کی ریلیں اپنے روپے سے تعمیر کی تھیں چنانچہ آہستہ آہستہ یہ ساری ریلیں از خود ہندوستانی ملکیت میں منتقل ہو گئیں۔

مدراس صوبہ کی خوشحالی کا بڑا مدار وہاں کی تمباکو کی کاشت پر ہے اور یہاں انگریزوں نے ہی اس قسم کی وسیع کاشت تجارت کا اہتمام کیا تھا ۱۹۴۱ء میں یہاں ...... ۱ پونڈ تمباکو پیدا ہوا اس تجارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقے کے ہزاروں لاکھوں ہندوستانیوں کے معیار زندگی میں ترقی پیدا ہو گئی،

پنجاب میں ہندوستان کا ایک ٹکڑا ایسا ہے جو پہلے لق و دق صحرا تھا مگر برطانوی آب پاشی کے جال نے اسے لہلہاتا ہوا سرسبز خطہ بنا دیا ہے، اور خوب بستی وہاں ہو چکی ہے اس میں ۹ حصہ پیداوار ہندوستان میں ہی کھپ جاتا ہے، آب پاشی کی کلیں وغیرہ سب انگریزی سرمایہ سے نصیب ہوئی تھیں، مگر اب سب اہل ہند کی ملکیت بن چکی ہیں

غذائی بدحالی کی لعنت!

انگریزی سرمایہ نے ہندوستان میں رہن سہن کی سہولتیں پیدا کرنے میں بڑا کام کیا ہے جس کی وجہ سے حال کے سالوں میں ہندوستان کی آبادی بقدر ۱۵ فی صدی بڑھ گئی ہے بہت لوگ ابھی تک پست معیار زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں غلہ کم ہے اور آبادی اس حد سے کہیں آگے جا چکی ہے

ہم نے ہندوستان میں چائے کے باغات لگانے شروع کئے تھے انگلستان ہندوستانی چائے پر ہر سال لاکھوں روپیہ خرچ کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ چائے پر خرچ ہونے والے ہر شلنگ میں سے ۸ پنس ہندوستان کے مزدور کے شکم میں جاتے ہیں۔

۱۹۳۷ء کو ہم اوسط درجہ کا اچھا سال کہہ سکتے ہیں اسی کی مثال لیجئے اس سال ہندوستان نے ہم کو ...... ۶۵ پونڈ مالیت کا سامان بھیجا تقریباً ہماری ساری چائے ہندوستان سے آتی ہے علاوہ ازیں بہت زیادہ چمڑا، کچا سوت، جوٹ، چاول، کھالیں، بھیڑ بکری کے چمڑے، کچا لوہا، ربڑ، روغنی بیج، لکڑی، گراموفون کے ریکارڈ بنانے کے لئے چپڑا لاک وغیرہ سب ہندوستان ہم کو دیتا ہے۔

ہمارے ناشتہ کی میزوں پر جو کالی مرچ روز دکھائی دیتی ہے وہ زیادہ تر بھی ہندوستان ہی دیتا ہے غرض انگلستان کے اس شہر سے کہ اس شہر تک ہندوستانی مال جہاں تہاں کام میں آتا ہوا آپکو دکھائی دیگا

بات یہ ہے کہ انگلستان اور برطانیہ کے تجارتی مفاد کا ایسا سنگھٹن ہو چکا ہے کہ آپس کے میل ملاپ سے ہی کام چل سکتا ہے اور ایک دوسرے کی ترقی و فلاح میں ہاتھ بٹایا جا سکتا ہے۔

برآمد کا روشن مستقبل

ہمارے نظام مالیات میں آجکل ہندوستان کچھ زیادہ پارٹ ادا نہیں کر رہا ہے یہی وجہ ہے ہم انگریز ہیں اور آپ آج کل پہلے کی نسبت زیادہ غریب نظر آتے ہیں،

۱۹۴۴ء میں ہم نے ہندوستان سے ...... ۴ پونڈ کا مال خریدا تھا اور ہندوستان کو ...... ۲۲ پونڈ کا مال روانہ کیا یعنی ہماری آبادی کے لحاظ سے دس شلنگ فی کس کے حساب سے زیادہ ہی کم ہے۔

جہازوں کی بار برداری اور سیاسی مشکلات کے تسلی بخش حل کے سلسلہ ہم اگر چاہیں تو اپنی یہ برآمد پانچ گنی بڑھا سکتے ہیں۔ جرمنی کی سابقہ ...... ۱ پونڈ کی تجارت جاپان کے شیشہ اور پارچہ کا بیوپار ...... ۸ پونڈ کا، نیز اٹلی کا ...... ۲ پونڈ کی تجارت ہم قطعی اپنا سکتے ہیں بجلی کے اوزار اور سامان، ٹریکٹر، لوکوموٹیوز، مشینری، کارخانوں کی کلیں، عمارتی سامان، دھاتیں، پارچہ، انجن، رنگ اور کیمیکل

غرض بہت سی چیزیں ہم اگر بنائیں اور بھیجیں تو ہندوستان یقیناً ہاتھوں ہاتھ لے لیگا

ہندوستان میں چالیس ہزار یورپین ہیں جن میں سے زیادہ تر انگریز ہیں ہندوستان نوکری دیتا ہے اس کے علاوہ بارہ ہزار انگریز افسران ہیں جو سرکاری نوکریوں پر ہیں نیز پچانوے ہزار گورہ بھی فوج میں ہے ان سب کا بڑا خرچ ہندوستان ہی اٹھاتا ہے

تجارتی ساکھ کی قیمت لکھوکھا روپیہ ہے

اگر ہندوستان اپنے آدمی نہ دیتا اور برطانوی سلطنت کی حفاظت یہ لوگ نہ کرتے تو ہزاروں وہ انگریز جنہوں نے میدان جنگ نہیں دیکھا اور کارخانوں میں رہے اور ہمارا معیار حیات اونچا کرنے میں لگے رہے انہیں بھی وردی پہننی پڑ جاتی۔

مگر عام "لینے والا کھاتا ہے" یہ سب ٹھیک ہے مگر اب کیا ہے، یہ دیکھنا ہے جنگ ختم ہو چکی ہے اب ہم جہاں چاہیں اپنا مال لے جا کر فروخت کر سکتے ہیں

(باقی صفحہ ۹ کالم ۱)

دلچسپ معلومات

مرتبہ بھگوت سروپ گوئل

دیووں کا خاندان

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک ایسا خاندان ہے جسے انسانوں کے خاندان کے بجائے دیووں کا خاندان کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس خاندان کا باپ ایک کسان تھا جس کا قد ۷ فٹ تھا بڑے لڑکے کا قد پونے سات فٹ، دوسرے لڑکے کا قد ساڑھے چھ فٹ اور تیسرے لڑکے کا قد سوا چھ فٹ ہے دو لڑکیاں ہیں جن سے ہر دو کا قد ۶ فٹ ۲ انچ ہے۔

بوڑھے دلیر یا جوان؟

بعض اخبارات میں امریکہ کے بوڑھوں کی ہمت و جرأت کے نہایت ہی دلچسپ واقعات شائع ہوئے ہیں جن کے سامنے جوانوں کی دلیری ماند پڑجاتی ہے چنانچہ کو ذیل واقع جارجیا میں ایک ڈاکو نے جب ایک مکان پر حملہ کیا تو ایک بوڑھی عورت نے مردانہ وار ڈاکو کے ہاتھ سے پستول چھین کر اس زور سے ڈاکو کے سر پر مارا کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اسی طرح ڈنور میں ۷۰ سال کا ایک بڈھا ۲۵ فٹ بلند چھت سے زمین پر کود پڑا اور کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

۲۰ برس سے سوئی ہے

مونٹریل کے ایک ہسپتال میں ایک لڑکی گذشتہ بیس بائیس سال سے سوئی ہے بینز آف دی ورلڈ کا بیان ہے کہ ۱۹۲۴ء میں یہ لڑکی ایک بلند مقام سے گرنے کے بعد بیہوش ہو گئی تھی باوجود ہر ممکن کوشش کے اسے ہوش نہ آیا۔

۱۹۲۴ء میں حادثہ کے وقت اس کی عمر ۱۰ سال تھی اس کی تندرستی بحال ہے اس کو مصنوعی ذرائع سے خوراک پہنچائی جاتی رہی ہے۔

وصیت لکھنے والوں کی جدت طرازیاں

اگرچہ آپ روزانہ عجیب و غریب دل و دماغ کے انسانوں کے بارے میں سنتے رہتے ہیں لیکن آپ کو مندرجہ ذیل سطور پڑھ کر بہت زیادہ تعجب ہوگا کہ کس دماغی کیفیت کے انسان گذرے ہیں چنانچہ ایک شخص نے کانچ کے کالر پر اپنی وصیت لکھی اور جب شخص مذکور کی وفات پر کانچ کا کالر عدالت میں پیش کیا گیا تو عدالت نے اس وصیت کو جائز تسلیم کر لیا۔

ایک ملاح نے اپنی وصیت سگرٹ کی ڈبیہ پر چھپی چھوٹی سی تصویر پر لکھی جسے بالکل صحیح اور جائز تسلیم کر لیا گیا۔

ایک ریل کے مسافر نے جو ریل کی ٹکر کے حادثہ میں مر گیا تھا مرنے سے پہلے اپنی وصیت ریل کے ٹکٹ پر لکھ دی اسی طرح ایک فوجی سپاہی نے اپنی وصیت دھات کی ایک ٹکیہ پر لکھی۔



بال

وہ چمکدار اور گھنے بال ہیں جو آپکے چہرہ کو خوبصورت بنا سکتے ہیں اور یہ صورت کیش وردھنی کی امداد سے بہتر بنائے۔

گنجے سر سے زیادہ بدنمائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بالوں کو پیدا کرنے اور انہیں خوبصورت اور مضبوط بنانے میں کیش وردھنی سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

سب خوبصورت نہیں ہوتے مگر سب اپنے بال ضرور خوبصورت بنا سکتے ہیں۔

اگر آپ کے سر پر خوب بال ہیں تو انہیں کیش وردھنی کے استعمال سے قائم رکھئے اور خوبصورت بنائیے اور اگر آپ اس نعمت سے محروم ہیں تو کیش وردھنی سے بال پیدا کیجئے کیش وردھنی نہ صرف زیادہ بال پیدا کرتا ہے بلکہ بال خوبصورت پیدا ہوتے ہیں۔

کیش وردھنی

کے استعمال سے بال خوبصورت پیدا ہوتے ہیں
آج ہی اس کا استعمال شروع کر دیجئے

کیش وردھنی ———— بارہ آنے
کیش وردھنی شیمپو ———— بارہ آنے

ڈاک خرچ اور پیکنگ علیحدہ

کسی دوکاندار یا سیدھے پتہ ذیل سے خریدیں
ساؤتھ انڈیا کیمیکلز
[illegible]

صفحہ نمبر (۷) کا باقی

اور ہندوستان کی بجائے ہم جہاں سے بھی چاہیں اپنی ضروریات منگوا سکتے ہیں ہمیں ہندوستان سے ہمدردی ہے۔"

یہ صحیح ہے مگر جب ہم ہندوستان سے تجارت کرتے ہیں تو اکثر حالتوں میں خود اپنے ہی انگریز بھائی بندوں سے معاملہ کرتے ہیں یعنی ہندوستان میں پائی جانے والی انگریز کمپنیوں سے جو دوران جنگ میں بہت قیمتی سرمایہ ثابت ہوئی ہیں اور جب ہم ہندوستانیوں سے بیوپار کرتے ہیں جب بھی دولت متحدہ برطانیہ کے نہایت وفادار ارکان سے تجارت کرتے ہیں، ویسے ہی وفادار جیسے خود انگریز انگلستان میں ————

برطانوی دولت متحدہ میں سلطنت برطانیہ کے ساتھ عمومی وفاداری ایک ایسا جوہر ہے جسے غیر لوگ بڑی حیرت سے دیکھتے ہیں اس جذبے سے ہم مشکلات پر فتح حاصل کرتے ہیں شاہی بحری بیڑہ اور انگریزی شاہی بیڑے نے مل کر جنگ میں بڑا کام کیا ہے لیکن دونوں نے ملکر خرچ بھی بانٹ رکھا تھا۔

(خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں)

یہ ایک مثال ہے آپس کے بٹے ہوئے مفاد کی۔

آئے دن کے فسادات اور گڑبڑ نیز کانگریس کی وجہ سے جو مشکلات ہو جاتی ہیں اس کے باوجود ہندوستان میں بڑی تجارتی ساکھ ہماری ہے یہ ساکھ معمولی نہیں ہے ہزاروں لاکھوں پونڈ اس کی قیمت ہے انگلستان کو ہندوستان سے تجارت کرنا آسان ہے بہ نسبت کسی اور ملک کے ساتھ تجارت کرنے کے سبب ظاہر ہے ہندوستان "سٹرلنگ حلقہ" میں شامل ہے۔

ایک ہندوستانی ڈیلی گیشن جو ۲۴۰ پونڈ خرچ کر سکتا تھا حال ہی میں انگلستان آیا ان کے سردار نے کہا تھا "تاریخی جذباتی اور روایتی تعلقات کی بنا پر جو دیسی ریاستوں کو برطانیہ کے ساتھ ہیں ظاہر ہے کہ پہلا حق انتخاب ہم انگریزی مصنوعات کو ہی دے سکتے ہیں"

یہ ہے جسے ہم ساکھ کہہ سکتے ہیں۔

اگر ہندوستان میں امن و امان اور سیاسی اطمینان رہے اور دولت متحدہ برطانیہ کے دیگر اعضاء کے ساتھ بھی آپس کا یہ اتفاق قائم رہے تو اس سے نہ صرف آپ کا معیار زندگی بلند ہوگا بلکہ اہل ہند بھی اس سے فروغ پائیں گے۔ اس سنگم سے ہندوستان اور انگریز دونوں کی زندگی کی حفاظت ہوتی ہے نیز جمہوریت جس کے لئے ہم نے اپنا خون اور روپیہ بہایا ہے صرف اسی صورت میں ایشیا





شکست

افسانہ

مترجمہ:۔ جناب پی، پی بھٹناگر دہرہ دون

کہر کا دھندلایا دل وسوویس پہاڑ پر چھایا ہوا شہر نیپلس تک پھیلا ہوا تھا، ساحل کے کنارے بسے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں ابھی اندھیرے میں تھے سمندر خاموش تھا، خلیج سورنتو کے کناروں پر ماہی گیر اور اُن کی عورتیں اپنے روزمرہ کے کام شروع کر چکی تھیں کوئی ... رسوں سے کشتی کو خشکی کی طرف کھینچ رہا تھا کوئی جال ڈال رہا تھا۔ کوئی بادبان چڑھا رہا تھا کوئی پتوار لئے چلا رہا تھا غرضیکہ کوئی ہاتھ بھی خالی نہ تھا، بڑے بوڑھے بھی جنہوں نے سمندری زندگی ترک کر دی تھی اپنے بچوں کو جال کھینچنے میں مدد دے رہے تھے، بوڑھی عورتیں شوق سے کات رہی تھیں۔

ایک بڑھیا نے اپنی پوتی سے کہا:۔

دیکھ تو ہوشیلا، وہ ہیں ہمارے پادری صاحب۔ انتونیو انہیں اپنی کشتی میں کاپری لے جائیگا لیکن ان کی آنکھیں نیند کے خمار سے اب تک بھاری ہو رہی ہیں۔

... نے ہاتھ اٹھا کر وہیں سے پادری کو سلام کیا۔ پادری اپنی قمیص کا دامن سمیٹ کر کشتی میں بیٹھ گیا۔ لوگ اسے پادری کو رخصت کرنے کی غرض سے کام چھوڑ کر کھڑے ہو گئے پادری نے دائیں بائیں سر جھکا کے ... سب کا سلام لیا۔

ننھی لڑکی نے سوال کیا:۔

پادری صاحب کاپری کیوں جا رہے ہیں؟ کیا وہاں کے لوگوں کا کوئی پادری نہیں جو ہمارے پادری کو قرض لیتے ہیں۔

دادی نے کہا:۔

پگلی! پادری تو بہت سے ہیں لیکن وہاں ایک امیر عورت بیمار ہے وہ پہلے بھی پر ... بیمار تھی اس وقت بھی وہ بیمار تھی لیکن ہمارے پادری صاحب کی دعا سے وہ اچھی ہو گئی۔

یہ کہہ کر بڑھیا نے ایک بار پھر پادری کو سلام کیا۔

موسم کیسا رہے گا بیٹا، پادری نے متفکرانہ نگاہوں سے نیپلس کی طرف دیکھتے ہوئے انتونیو سے پوچھا۔

نوجوان ملاح نے جواب دیا۔

ابھی سورج نہیں نکلا ہے یہ تمام بادل سورج نکلتے ہی چھٹ جائیں گے

تو جلدی کر۔ دھوپ سے پہلے ہی نکل چلیں انتونیو نے پتوار لیا ...

کی نظریں جم گئیں ایک لمبی نازک نسوانی شکل تیزی سے بڑھی چلی آ رہی تھی، وہ رومال ہلا ہلا کر اشارے کر رہی تھی اس کی بغل میں ایک گٹھری تھی، وہ معمولی لباس پہنے تھی لیکن اس کا سر ایک خاص مغرورانہ انداز سے پیچھے کی طرف جھکا ہوا تھا، بالوں کی گھنگھریالی لٹیں پیشانی پر لٹکی ہوئی تھیں۔

اب انتظار کیا ہے، پادری نے سوال کیا

ایک اور شخص کاپری جانا چاہتا ہے ...

سنسنیوا آپ اجازت دیں ذرا سی دیر ہو گی نہ کشتی بھی آہستہ چلے گی وہ ایک لڑکی ہے ابھی اٹھارہ برس کی بھی نہیں ہے۔

پادری پہچان کر بولا

لاریلا! اسے کاپری میں کیا کام ہے؟

انتونیو نے کاندھے ہلائے۔ لڑکی تیزی سے بڑھی چلی آ رہی تھی اس کی نظریں سامنے تھیں۔

لاریلا ذرا قریب آئی، پادری نے ... کہا۔ لاریلا تم بھی ہمارے ساتھ کاپری چلو گی اگر آپ کی اجازت ہو۔

ہاں ہاں! انتونیو نے ... یہ کشتی اس کی ہے یہ آدمی اپنی چیز کا مالک ہے

لاریلا نے ملاح کی طرف دیکھے بغیر کہا میرے پاس چھ پیسے ہیں اگر کرایہ کو کافی ہوں مجھ سے زیادہ تمہیں ان کی ضرورت ہے

انتونیو نے جواب دیا

اور نارنگیوں کی ٹوکریاں ہٹا کر جگہ بنانے لگا۔ وہ جزیرہ میں نارنگیاں لے جا کر بیچا کرتا تھا۔

لاریلا نے اپنی سیاہ بھویں سکوڑ کر کہا۔ میں مفت تو نہ جاؤں گی۔

پادری نے کہا۔ آ بیٹی۔ انتونیو اچھا لڑکا ہے وہ تیرے پیسوں سے امیر ہونا نہیں چاہتا آجا، پادری نے لڑکی کو سہارا دینے کی خاطر لڑکی کی طرف ہاتھ بڑھایا بیٹھ جا

لاریلا کشتی میں آئی اور ... جا کر جو انتونیو نے اس کے بیٹھنے کے لئے بچھا دی تھی، بیٹھ گئی اور پادری کے نزدیک بیٹھ گئی انتونیو کچھ بڑبڑایا اور کشتی روانہ ہو گئی

پادری نے پوچھا اس ... میں کیا لئے جا رہی ہو، وہ ... تھے جس کی نیلی سطح کو آفتاب کی ... نے منور کرنا شروع ...

دھاگا اور ... روزمرہ میں ایک ... بتلانے والی ...

اور دھاگا ایک دوسری دھاگا تو تم نے خود کاتا ہوگا؟

جی ہاں،

مجھ یاد پڑتا ہے کہ تم نے فیتہ بننا بھی سیکھا تھا،

ہاں! لیکن اماں کی بیماری نے

مجھے گھر سے نکلنے ہی نہ دیا۔ کہ ... اس کی اچھی طرح مشق کرتی۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں جس سے بننے کی مشین خرید سکیں،

کیا پہلے سے حالت ... جب ایسٹر پر پچھلی بار جب میں نے اسے دیکھا تھا تو وہ ذرا اچھی تھی۔

کچھ لمحہ کی خاموشی کے بعد پادری لاریلا سے یوں ہم کلام ہوا۔

اس مصور کے بارے میں کچھ تحقیق کی خبر ملی لاریلا؟

لاریلا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کچھ دیر تک سکوت رہا پہاڑی سلسلہ ... نظر آ رہا تھا وسوویس کی چوٹی ... بادلوں میں چھپی ہوئی تھی، سورنتو کی ... چھوٹے چھوٹے سفید مکان ... سرسبز باغوں میں سے دکھائی ... تھے

پادری نے لاریلا کو اپنی طرف مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

تیری تصویر اتارنا چاہتا تھا تو نے انکار کیوں کر دیا۔

میری تصویر سے اُس کو کیا واسطہ، مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں بہت سی موجود ہیں،

پادری نے کہا۔ وہ تجھ سے محبت کرتا تھا وہ شادی کی درخواست کیوں کرتا۔

لڑکی کچھ نہ بولی

تم نے انکار کیوں کر دیا وہ شریف تھا اور خوبصورت بھی،

لڑکی نے متاثر ہوتے ہوئے کہا

ہم غریب ہیں میری ماں مدت سے بیمار ہے پھر میں اس کی بیوی بننے کے لائق بھی تو نہ تھی

تم کیسی باتیں کرتی ہو بیٹی، وہ بہت اچھا آدمی تھا ایسا شوہر ملنا بڑی ... ہے،

میں شوہر نہیں چاہتی، میں شادی نہیں کروں گی، لاریلا نے آہستہ مگر فیصلہ کن انداز میں کہا۔

کیا تم نے قسم کھائی ہے؟

بیٹی کیا کبھی تو نے غور کیا ہے کہ دنیا میں تو بالکل اکیلی ہے، تو نے ایسے آدمی کو رد کر دیا جس نے تجھے اور تیری ماں کو مدد دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

اس کی بھی کوئی وجہ ہے لیکن بتانا نہیں چاہتی،

مجھے نہیں بتائے گی؟ اپنے دل کی باتیں بتا اگر وجہ معقول ہو گی تو میں اس کی تائید کروں گا، تو ابھی کمسن ہے، اس دنیا سے بے خبر، ایک دن آئے گا جب تجھے اپنی ضد کا احساس ہوگا، اور کف افسوس ملنا پڑے گا

لاریلا نے ... شرمائی ہوئی نظریں کشتی کی دوسری جانب پھیر لیں جہاں انتونیو بیٹھا اپنے خیالات میں غرق بڑی سے ... چلا رہا تھا،

دوشیزہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

آپ میرے باپ کو تو نہیں جانتے

تیرا باپ، وہ تو تجھ کو دس برس کا چھوڑ کر مر گیا تھا مگر تیری اس ضد سے تیرے باپ کو کیا واسطہ؟

آپ نہیں جانتے، میری ماں کی بیماری کا سبب وہی ہے،

کیسے؟

اپنی بدسلوکیوں سے، وہ اُسے طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتا تھا۔

میری ماں نے یہ سب کچھ برداشت کیا، وہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتی مگر پھر بھی وہ اپنی حرکات سے باز نہ آتا تھا۔ میرا دل دکھ اٹھتا ... میں اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانک کر سونے کا بہانہ کر کے اپنے پلنگ پر پڑی رہتی اور روتی رہتی، جب ... میری ماں تبھی سے بیمار ہو گئی،

پادری ... یہ باتیں دل ... وہ ... نہیں رہتے

لڑکی نے کہا:۔

میں وہ باتیں کبھی نہیں بھول سکتی یہی وجہ ہے کہ میں نے شادی نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، میں کسی مرد سے ایسی محبت نہ کروں گی جو اذیت پہنچائے۔

تو ابھی بالکل بچہ ہے ایسی باتیں کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو زندگی کے متعلق کچھ واقفیت نہیں، سب مرد یکساں نہیں ہوتے۔

لیکن میرے ماں باپ کا حال کون جانتا ہے ماں اس سے محبت کرتی تھی مگر اس کی ... اسے پسند نہ تھی، اگر محبت ہماری زبان گونگی کر دیتی ہے اور صرف تکلیفیں ہی اٹھانی پڑتی ہیں تو میں کسی سے محبت نہ کروں گی،

تو ابھی ان باتوں کو نہ سمجھ سکے گی جب وقت آئے گا تو تجھ کو سب کچھ معلوم ہو جائیگا کہ آیا تو محبت کرتی ہے یا نہیں،

پادری نے ذرا ٹھہر کر پھر سوال کیا۔ کیا مصور بھی تیرے خیال میں سنگدل ہی تھا۔

ہاں! اس کی عادت بالکل میرے باپ کی سی تھی، میں اس کی نظروں کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔

پچھلے صفحہ سے

مجھے ایسی نظروں سے دیکھ کر سخت جلن ہونے لگتی ہے۔

اس کے بعد پادری اور لاریلا دونوں خاموش رہے۔

دو گھنٹے کے بعد کشتی کاپری کے گھاٹ پر پہنچ گئی۔ انتونیو نے پادری کو کشتی سے اتار کر سامان اٹھا لیا۔ ابھی اس کا انتظار کئے ہوئے ہی انجمنی کو دن ساحل پر پہنچ گئی۔

پادری نے انتونیو سے کہا:۔

میں کاپری میں کچھ دیر ٹھہروں گا۔ انتظار کی ضرورت نہیں۔ ...

پہلے ضرور ... لاریلا میں ... پھری ماں کو دیکھنے آؤں گا۔ رات سے پہلے واپس چلی جاؤں گی۔

ہاں اگر ممکن ہوا۔

لیے ... کا انداز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے انتونیو بولا۔

لیکن مجھے ... اگر تم تک ... چلا جاؤں گا۔

پادری نے کہا ... واپس آ جانا رات بھر ... کو ... چھوڑنا مناسب نہیں کیا تمہیں ڈر ... ہے۔

اناکاپری کے ... انگور ... کے باغ میں ... مجھے کاپری جانے جاؤ خوش رہو میری بچی۔

انتونیو نے لاریلا کی طرف دیکھے بغیر پادری کو سلام کیا لیکن جب دونوں روانہ ہوگئے تو ... دیر تک ... پادری کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر فوراً ہی اپنی نظریں لاریلا کے تعاقب میں ... لاریلا نے بلندی پر چڑھنا شروع کیا۔ اس کے سامنے ... ہوا تھا اس کی نیلگوں چمک اس ... اپنی بہار دکھا رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف ... دھلی ہوئی چٹانیں سر اٹھائے کھڑی تھیں عجیب منظر تھا لیکن ... کی نظریں انتونیو کی نظریں سے جو اس کا تعاقب کر رہی تھیں جا لڑیں۔ بیک وقت دونوں نے ایسی جنبش کی گویا انھوں نے کوئی غلطی کی ہے۔

لاریلا نے جھنجھلا کر تیزی سے اپنا راستہ لیا۔

دوسرا ... ایک گھنٹہ گزر گیا۔ انتونیو کاپری ... کے شراب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ... اور ... دونوں ... جاتی ہوئی سڑک پر نظر ڈال کر چلا آتا۔ ... موسم کا کچھ اعتبار نہ تھا۔

کیا ... سیاح بہت آنے میں شراب خانہ کی مالک نے پوچھا۔

ابھی ... شروع ہوئے ہیں اب تک تو موسم خراب ...

... کیا ... سے ...

... آدمی ...

انتونیو نے کہا ... ابھی نہیں بھرتا ... سنتر ... میں ... میرا اچھا نارنگیوں کے ... باغ ... ہے

... کے اولاد بھی ہے

عورت نے سوال کیا۔

انتونیو نے کہا، نہیں اس نے شادی نہیں کی دوسرے ملکوں میں رہ کر کافی دولت جمع کرلی ہے وہ عنقریب یہیں کی بڑی تجارت کھولنے والا ہے، اس کا انتظام میرے ہی سپرد ہوگا۔

انتونیو تمہاری قسمت تو کھل گئی، زندگی کا بوجھ سب کے ... ملاح نے ... کر کہا۔

اتنے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی باہر طرف والی سڑک سے لاریلا آ رہی تھی۔

انتونیو تیزی سے کھڑا ہوگیا۔

کشتی پر آ کر اس نے رسی کھولی اور انتظار کرنے لگا۔ لاریلا آہستہ آہستہ کشتی کے قریب پہنچ گئی اس نے چاروں طرف ... کسی سافر ... میں دیکھا لیکن گھاٹ بالکل خالی تھا لاریلا کشتی کے ایک کنارے پر جا بیٹھی اور اپنی پشت کو ... دیا کہ انتونیو اس کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ کشتی روانہ ہوگئی۔

کچھ دیر خاموشی سے جانے کے بعد اس نے آفتاب کی تپش محسوس کی اس نے گٹھری کھول کر رومال سر پر رکھا اور روٹی کھانے لگی۔

انتونیو نے ... ٹوکری سے دو نارنگیاں نکال کر بڑھا دیں اور کہا۔ لاریلا روٹی ان کے ساتھ کھاؤ۔

لاریلا نے جواب دیا۔

تم کھاؤ میرے لئے روٹی کافی ہے۔

... اچھی ہوتی ہے

تم بہت ... کرتی ہو

میں پانی پی چکی ہوں

اچھا تمہاری مرضی، ملاح نے یہ کہا اور نارنگیاں کشتی میں ڈال دیں۔

... کی طرح شفاف تھا جیسی سوئی ہوئی تھی۔ سفید آبی چڑیاں بھی اپنے شکار کا تعاقب بے آواز پروں سے کر رہی تھیں۔

انتونیو نے پھر سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ تم اپنی ماں کے لئے نارنگیاں لیتی جاؤ گھر ... ہیں اور جب وہ ختم ہوجائیں گی تو ...

... بھی لے جاؤ، میرے سلام کے ساتھ اپنی ماں کو دینا۔

لاریلا نے جھنجھلا کر کہا:۔

وہ تمہیں نہیں جانتی۔

تم ... دینا۔

میں بھی تو تمہیں نہیں جانتی۔

یہ پہلا موقع نہ تھا کہ لاریلا نے اس سے تجاہل برتا تھا گذشتہ سال ایک اتوار کو جب ... پہلی بار گاؤں میں آیا تھا انتونیو اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ گیند کھیل رہا تھا۔

وہیں پر ... نے پہلی بار لاریلا کو دیکھا تھا۔ وہ سر پر گھڑا لئے بغیر اس کی طرف دیکھے گزر گئی تھی۔ مصور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

ہم

(از حضرت سیماب اکبر آبادی)

تھے خود بیں مگر خود نما ہو گئے ہم
ہمیں دیکھئے کیا سے کیا ہو گئے ہم

کبھی خوش، کبھی غمزدہ ہو گئے ہم
جو کچھ ہم کو ہونا ہوا، ہو گئے ہم

ہوئے تو یہاں تک رسا ہو گئے ہم
ندیم حریم وفا، ہو گئے ہم

نہ پوچھو کہ ان کی نظر میں سما کر
خود اپنی نگاہوں میں کیا، ہو گئے ہم

نہ تھے ہم زمانی، نہ باقی نہ فانی
جو کچھ آپ نے کہہ دیا ہو گئے ہم

کہاں ہوگی یہ نازشِ بے وفائی
اگر بے نیازِ وفا ہو گئے ہم

ہماری پرستش بھی کیا تھی پرستش
بتوں نے یہ سمجھا خدا ہو گئے ہم

قسم اب وہ کھانے لگے ہیں ہماری
بڑی چیز نامِ خدا ہو گئے ہم

کرم نے ترے کر دئے کچھ اضافے
جو ہونا تھا اس سے سوا ہو گئے ہم

نہیں، طور کیا گھر پر آنا پڑے گا
اگر حوصلہ آزما، ہو گئے ہم

محبت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا،
مگر یہ کہ درد آشنا ہو گئے ہم

خدا ہونے والوں نے اتنا نہ سوچا
کہ بندے سے کیونکر خدا ہو گئے ہم؟

یہ عقدہ محبت میں کھلنے نہ پایا
کہ وہ ہو گئے جذب یا ہو گئے ہم

جو نیت میں تر دامنی ہو تو کافر
گنہ گار ابر و ہوا ہو گئے ہم

بنی راہِ منزل میں تربت ہماری
مرے بھی تو منزل نما ہو گئے ہم

قطعہ!

ہم انسان ہیں پوچھنا کیا ہمارا
کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے ہم

فرشتوں کو شاید ابھی یاد ہوگا
کہ مسجود سرتا بہ پا ہو گئے ہم

ہوئے پھر ہمیں وجہ تخلیق عالم
سزا وارِ ارض و سما ہو گئے ہم

بیاباں میں گونجے تو ہلچل مچا دی
گلستاں میں رنگ و نوا ہو گئے ہم

دیا حسن کو شیوۂ دل نوازی
پیامیٔ مہر و وفا ہو گئے ہم

جہاں بانی و شہریاری سے بڑھ کر
دلوں پر بھی فرمانروا ہو گئے ہم

ہوئی علم و حکمت کی ہم پر وہ بارش
کہ نباضِ موج و ہوا ہو گئے ہم

فروزاں کیا شمعِ انسانیت کو
تو خلاقِ ماہ و سہا ہو گئے ہم

ہماری بلندی تدبیر یہ تھی
کہ سیارۂ ہر فضا ہو گئے ہم

ہوئے باخدا بن کے محرم حرم کے
صنم بن کے دیر آشنا ہو گئے ہم

کبھی سیر کی طورِ سینا کی ہم نے
کبھی قرب جوئے خدا ہو گئے ہم

مگر تھا نہ ہونا، یہ ہونا ہمارا
کہ سب ہیچ ہے جب فنا ہو گئے ہم

زمیں تھی بہت عام سیماب پھر بھی
تو ار دے عرصہ برآ ہو گئے ہم

پھول اور کانٹے

موڈرن سوسائٹی

رائے بہادر رام پرشاد کی کوٹھی کے آگے باغیچہ میں کرسیاں اور میزیں بچھی ہوئی تھیں میزوں پر اجلے اجلے میز پوش اور ان پر سلیقہ سے سجے ہوئے چینی اور جاپانی گلدستے برتن عجیب بہار دکھا رہے تھے تھوڑی دیر میں موٹروں کا تانتا بندھ گیا سوسائٹی کے اونچے طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک ایک کرکے کرسیوں پر بیٹھنے لگے ان میں زیادہ تعداد ٹھیکیداروں، تاجروں، معزز سٹہ بازوں اور چور بازار کے نامی سوداگروں کی تھی ایک طرف عورتوں کا جمگھٹ لگا ہوا تھا ان کی قیمتی رنگین ساڑھیوں پر نظر نہ ٹھہرتی تھی، مسز رحیم بیگ نے مسز رائے صاحب رام کشور سے دریافت کیا "یہ فورڈ کار کب خریدی ہے آپ نے؟ کیا پچھلی کار فروخت کر دی آپ نے" مسز رام کشور نے فخر سے سر اٹھا کر جواب دیا "جی نہیں ایک کار تو وہ خود دفتر لے جاتے ہیں دوسری میرے ذاتی استعمال کے لئے وقف ہے" زرد رنگ کی بیش قیمت ساڑھی میں ملبوس مسز ایس بی سنگھ کی پارسی بیوی بڑی بے صبری کی انگلی کی انگوٹھی کو گھما رہی تھی لیکن کسی نے ابھی تک اس بیش قیمت انگوٹھی کی تعریف نہ کی تھی آخرکار مسز راج کرشن آئی سی ایس نے پوچھ ہی لیا "کیوں مسز سنگھ یہ انگوٹھی آپ نے ہی نئی خریدی ہے یا خود بنوائی ہے؟" مسز سنگھ بے پروائی سے بولیں "ایک مشہور جوہری سے بیس ہزار میں خریدی ہے اس میں لگا ہوا پکھراج بہت نادر چیز ہے" غرض یہ کہ بات چیت موٹروں، کوٹھیوں، زیور اور ضیافتوں تک ہی محدود تھی، دھیرے دھیرے مردوں کے درمیان موضوع گفتگو خطابات، عہدوں اور گھڑدوڑوں ہالی وڈ کے فلمی ستاروں سے آگے نہ بڑھ سکا، ہر شخص ہزاروں اور لاکھوں روپے سے کم کی کوئی بات ہی نہ کرتا تھا۔

سڑک پر مزدوروں کا ایک جلوس جا رہا تھا "انقلاب زندہ باد" "ہمیں روٹی چاہئیے۔ ہم بھوکے ہیں ہمیں کپڑا نہیں ملتا ہمارے رہنے کو مکانات بنوائے جائیں، ہماری تنخواہیں پوری کرو" جلوس جا چکا تھا خان بہادر علی بخش نے آگے جھک کر سیٹھ ہادی پرشاد سے کہا "اگر جمنا کے کنارے والی کوٹھی کے لئے دو لاکھ قبول ہوں تو ابھی چیک کاٹ کر دے سکتا ہوں" بھوکے مزدوروں کی آوازیں اب بھی ہوا میں تیر رہی تھیں

"چندہ"

سچ تو یہ ہے کہ چندہ مانگنے والوں کو دیکھ کر میری روح فنا ہو جاتی ہے کتنا ہی کہو صاحبان میں ایک غریب آدمی ہوں جنگ کی گرانی علیحدہ پیچھے ڈالتی ہے، بال بچوں کا پیٹ پالنا بھی دشوار ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ، لیکن چندہ مانگنے والوں کے کان پر جوں نہیں رینگتی، میں دفتر سے آکر اخبار دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، کھڑکی سے باہر سر نکال کر دیکھا تو دل دھک دھک کرنے لگا دو برقعہ پوش عورتیں ہاتھ میں کچھ لمبی لمبی کاپیاں لئے کھڑی تھیں، میں اس قسم کی کاپیوں سے اچھی طرح واقف ہوں جب دونوں معزز خواتین کرسیوں پر بیٹھ چکیں تو میں نے بھولے پن سے دریافت کیا "دیویو میرے لائق کیا خدمت ہے؟" دونوں عورتیں تعجب سے میرے منہ کی جانب دیکھنے لگیں ان میں سے ایک نے ایک لمبا سا اشتہار میرے ہاتھ میں دیا اور ساتھ ہی ساتھ بولنے لگیں "ماسٹر صاحب جی! سکندرآباد یو پی میں لڑکیوں کا کوئی پاٹھ شالہ موجود نہیں، یہ دیش اس سمے تک اُنتی نہیں کر سکتا جب تک کہ گھر گھر میں ودیا کا پرچار نہ ہو، سکندرآباد نواسی چودھری لال چند نے اس شبھ کام کو کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ کرپا کرکے آپ بھی کچھ سہایتا کیجئے۔"

میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہاں سکندرآباد اور کہاں دہلی، اور غضب یہ کہ ایک غریب کلرک ہی ملک کی سماجی اور سیاسی تحریکوں کے لئے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹے، میں عجیب کشمکش میں پڑ گیا چندہ دوں تو کم از کم دو روپے کا خون ہونا ضروری ہے اور نہ دوں تو بھی برا لگتا ہے خیر میری مشکل کا حل انہوں نے خود ہی کر دیا، میز پر جلد کی لمبی سی کاپی کھلی اور "مسٹر... سے پانچ روپے شکریہ کے ساتھ وصول پائے" کی رسید میرے سامنے تھی میں نے گھبرا کر بٹوہ کھولا درزی کا بل ادا کرنے کے لئے پانچ روپے رکھے تھے چپ چاپ ان کے حوالے کر دئے، مسز کاپیوں کو بند کرکے انہوں نے نمستے کی اور چل دیں جب دروازے سے نکل کر میری کھڑکی کے پاس سے گذریں تو ایک عورت دوسری سے کہہ رہی تھی "گھر میں تو بجلی کا پنکھا لگا ہوا ہے اور پانچ روپے نکالتے ہوئے دم نکلا جا رہا تھا"

میں کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

بیسویں صدی!

یوں تو موجودہ صدی کی ہر چیز ہی انوکھی اور حیرت انگیز ہے لیکن بیسویں صدی کی محبت تو بہت ہی عجیب چیز ہے اس محبت کی بھی کئی قسمیں ہیں مثلاً کالج والوں کی محبت، کلرکوں کی محبت، مزدوروں کی محبت، سرمایہ داروں کی محبت وغیرہ وغیرہ۔

ٹرام میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی میں ایک طرف آہنی ڈنڈے کو پکڑے کھڑا تھا، اور راجندر سامنے کی سیٹ پر بیٹھا تھا، ٹرام تیس ہزاری پر رکی تو کوئی حسین اور تعلیم یافتہ لڑکی ہاتھ میں چمڑے کا ایک خوبصورت بٹوہ لئے ٹرام کی جانب بڑھی، راجندر نے اٹھتے ہوئے کہا "مس صاحبہ آپ تشریف رکھئے" لڑکی نے دلفریب انداز میں مسکرا کر "تھینک یو" کہا اور راجندر والی جگہ پر بیٹھ گئی۔

راجندر نے کہا "شریر معلوم ہوتا ہے اس لڑکی کو مجھ سے محبت ہو گئی تھی"

بیوقوف راجندر کے نزدیک کسی عورت کا تمہاری جانب دیکھ کر مسکرا لینا گویا اس بات کا

دستور ساز اسمبلی

(از جناب سید انیس الرحمٰن ایڈیٹر "نئی زندگی" الہ آباد)

دستور ساز اسمبلی اس مجلس کو کہتے ہیں جو محض اس غرض سے بلائی گئی ہو تاکہ کسی ملک کا دستور اساسی مرتب کرے یہ مجلس عارضی اور وقتی ہوا کرتی ہے جو اپنے فرض کی تکمیل کے بعد خود بخود ختم ہو جاتی ہے، یہ مجلس اکثر اوقات کسی زبردست سیاسی انقلاب کے بعد وجود میں آتی ہے تاکہ انقلاب سے پیدا شدہ حالات کا صاف جائزہ لے اور ایک سیاسی نظام کی شکست کے بعد اس کی جگہ دوسرا نظام عمل تجویز کرے بجنسہٖ جس طرح کسی بوسیدہ عمارت کو منہدم کرنے کے بعد نئی عمارت کھڑی کرنے کی ضرورت پڑتی ہے ہر تخریب کے بعد تعمیر لازمی ہے لہٰذا انقلاب جو سراسر تخریب ہوا کرتا ہے اپنی تکمیل کے لئے تعمیر کا متقاضی ہے۔

غرضیکہ ایک قوم یک ناپسندیدہ اقتدار کا جُوا اپنے کندھے سے اتار پھینک دینے کے بعد اپنے مستقبل کے لئے اپنا ایک نیا نظام زندگی سوچنے بیٹھتی ہے۔ اور یہی مرحلہ دستور سازی کا ہوتا ہے۔

انقلاب یا بغاوت ہمیشہ غیر آئینی ہوا کرتی ہے اور اس غیر آئینی خلفشار کو آئینی شکل دینے کے لئے ہی دستور ساز اسمبلی کی ضرورت پڑتی ہے یوں تو خود دستور ساز اسمبلی کو بھی ایک غیر آئینی جماعت کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے پیچھے بھی کوئی روایت نہیں ہوتی لیکن چونکہ جدید نظریۂ سیاسیات کی رو سے تمام سیاسی اقتدار، حاکمیت اور آئینیت، عوام الناس کے قبضۂ قدرت میں ہے اس لئے عوام الناس کی منتخب کی ہوئی آئین ساز اسمبلی کو بھی ہم آئینی کہہ سکتے ہیں۔

دستور ساز اسمبلی اکثر انقلابات کے شعلوں کی لپٹوں کے بیچ بیٹھی ہے اور اکثر انقلابی فوجوں کے حفظ و امان میں اس کے اجلاس ہوئے ہیں، بعض اوقات مخالف عناصر نے اس کے حقوق حاکمیت پر حملے بھی کئے ہیں لیکن انقلابی قوتوں نے ہمیشہ اس کے اختیارات اور حقوق کی حفاظت کی ہے،

حاکمیت کا جھگڑا

دنیا میں جتنے انقلابات اور اتھل پتھل ہوئے ہیں ان کا بنیادی سبب صرف ایک ہی رہا ہے یعنی حاکمیت کا جھگڑا، ظاہر ہے کہ حاکمیت جن کے قبضہ و تصرف میں ہوا کرتی ہے اور آسانی سے اس سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے لہٰذا یا تو جوانی قوتوں کے بل پر ان سے طاقت چھینی جاتی ہے، یا پھر حالات سے مجبور ہو کر وہ خود بخود طاقت دوسروں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں قرون وسطیٰ کا پورا دور اسی جھگڑے میں گذرا کہ حاکمیت کہاں ہے؟ بادشاہ میں ہے یا عوام الناس میں ہے اور اب عہد جدید میں یہ بات مسلّمہ کی حیثیت اختیار کر چکی کہ حاکمیت اصل میں جنتا یعنی عوام الناس کی ہے۔

لیکن اس لڑائی کے کئی مدارج رہے ہیں پہلے دور بادشاہ یعنی شخصی حکمرانی کا دور رہا جس کے لئے بادشاہوں نے (DIVINF RIGHT OF KINGSHIP) "خدا کا سونپا ہوا حق بادشاہت" کا اصول گڑھا اس کے بعد بادشاہ کی حاکمیت پر امراء کو تعارض ہوا۔ اور امراء اس کی حاکمیت میں حصہ دار ہوئے اور امراء کی حاکمیت پر عوام الناس معترض ہوئے اور بالآخر ان سے یہ حق چھین لیا۔ انگلستان کی مثال لیجئے میگنا کارٹا کے ذریعہ امراء نے بادشاہ کی حاکمیت کو محدود کیا اور ۱۹۱۱ء کے پارلیمنٹ ایکٹ نے امراء سے یہ حق چھین کر مجلس عوام یعنی عوام الناس کے سپرد کر دیا۔ یہی تاریخ یورپ کے سارے ملکوں کی ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ کہیں یہ حاکمیت بزور شمشیر تسلیم کرائی گئی اور کہیں حالات کے دباؤ میں آ کر اقتدار نے خود راہ فرار اختیار کی۔

لیکن جب یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ "حاکمیت کہاں ہے؟" اور عوام الناس کی حاکمیت اور ان کے ووٹ کا حق تسلیم کر لیا گیا تو ایک دوسرا سوال اٹھ کھڑا ہوا۔ یعنی "پیسہ کہاں ہے؟" کیونکہ جمہوریت ہوتے ہوئے بھی دولت کی نابرابری کے سبب دنیا کے ۹۰ فی صدی انسانوں کی تکلیف و مصیبت دور نہ ہوئی اور پھر ان کی سمجھ میں آیا کہ صرف حاکمیت ہی کوئی چیز نہیں بلکہ اصلی چیز پیسہ ہے اس میں شبہ نہیں کہ امریکہ کے سب سے بڑے کارخانہ دار راک فیلر یا ہنری فورڈ کو بھی بس ایک ووٹ کا حق ہے جو ایک ٹرام کنڈکٹر کو حاصل ہے لیکن ہنری فورڈ کے پاس پیسے ہیں جس سے وہ ایک لاکھ ووٹ خرید سکتا ہے لہٰذا موجودہ مشینی دور میں یہ حقیقت بھی سمجھ میں آئی کہ جب تک پیسے کی حاکمیت بھی عوام الناس کو حاصل نہ ہو اس وقت تک عوام کی سیاسی حاکمیت یا جمہوریت کے کوئی معنی نہیں۔

بہرحال یہ حاکمیت اونچے طبقہ سے نکل کر عوام کے ہاتھوں میں آئی اور کہیں تو "پیسے" کی حاکمیت پر بھی عوام کا قبضہ ہوا (مثلاً روس میں) غرضیکہ گذشتہ ۲۰۰ سال کی تاریخ اسی حاکمیت کے جھگڑے کی تاریخ ہے۔

دستور ساز اسمبلی کی ایسے مرحلہ پر ضرورت پیش آئی جبکہ طاقت ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کے ہاتھوں میں آئی، ذیل میں ہم مختلف ممالک میں دستور ساز اسمبلی کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے،

امریکہ

امریکہ برطانیہ کی ایک نو آبادی تھا، اور ۱۷۸۲ء میں جنگ کر کے آزاد ہوا ہے ۱۷۶۶ء میں امریکہ کی ریاستوں نے (جو اس وقت متحد نہ ہوئی تھیں) یہ سوال اٹھایا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ کو امریکہ پر ٹیکس لگانے کا حق حاصل نہیں کیونکہ برطانوی پارلیمنٹ میں امریکنوں کا کوئی نمائندہ نہیں لہٰذا جب نمائندگی ہی نہیں تو پھر ٹیکس عائد کرنے کا حق بھی نہیں (NO TAXATION WITHOUT REPRESENTATION)

برطانیہ نے ۱۷۶۹ء میں امریکہ کی مخالفت سے دب کر تمام ٹیکس منسوخ کر دئے اور صرف چاء پر ٹیکس رکھا لیکن امریکنوں نے اسے بھی برداشت نہ کیا اور جب ماساچوسٹ ریاست کی بندرگاہ (بوسٹن) میں چاء کے برطانی جہاز داخل ہوئے تو امریکنوں نے چاء کے بکس اٹھا اٹھا کر سمندر میں پھینک دئے۔

۱۷۸۲ء میں برطانیہ نے امریکہ سے جنگ کا اعلان کر دیا لیکن بری اور بحری دونوں جنگوں میں برطانیہ کو شکست ہوئی اور ایک صلح نامہ کے ذریعہ برطانیہ نے امریکہ کی آزادی کو تسلیم کر لیا

اب نیا دستور بنانے کا سوال سامنے آیا امریکہ میں پرانا نو آبادیاتی دستور چلا آ رہا تھا اور ہر اسٹیٹ اپنی جگہ خود مختار تھا لیکن آزادی کے بعد امریکہ کی ۱۳ ریاستوں نے اپنی اپنی ریاست کو دستور بنانے کی طرف توجہ دی ان میں اکثر نے دستور سازی کے لئے اپنی ریاست کی پرانی اسمبلی کو کافی سمجھا لیکن بعض ترقی یافتہ ریاستوں نے اس کام کے لئے علیحدہ دستور ساز اسمبلی منتخب کی لیکن اب تک ان ریاستوں کی کوئی متحدہ اور مرکزی تنظیم عمل میں نہ آئی تھی، بالآخر ۱۷۸۷ء میں فیڈرل کنونشن کے نام سے ایک دستور ساز اسمبلی بیٹھی جس نے امریکن یونین کا دستور تیار کیا۔ تیرہ ریاستوں میں سے صرف ایک ریاست رہوڈس آئیلینڈ نے اس میں شرکت منظور نہ کی تمام ریاستوں نے ۷۳ اراکین دستور ساز اسمبلی کے لئے چنے ان میں سے ۱۰ اراکین کبھی جلسے میں اپنی صورت نہ دکھائی ۴۲ برابر شریک رہے اور فی الواقع ۳۹ اراکین نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دستور اساسی پر اپنے دستخط ثبت کئے رہوڈس آئیلینڈ کو جب یہ دھمکی دی گئی کہ اس کے ساتھ غیر ملک کا سا سلوک کیا جائیگا تو آخر اس نے بھی شرکت کر لی، دستور ساز اسمبلی کی تمام کارروائی صیغہ راز میں رہا کرتی تھی سات اسٹیٹوں کا کورم طے پایا تھا۔

امریکن دستور ساز اسمبلی کے نمائندے یا تو اپنی ریاست سے منتخب ہوئے تھے یا اس ریاست کے گورنر کے نامزد کردہ تھے لیکن یہ تمام تر تہذیب سرمایہ دار طبقہ کی نمائندگی کرتے تھے، ۴۳ نمائندوں میں سے ۱۷ بینکر تھے ۱۴ سٹے باز تھے ۸ مہاجن تھے ۱۱ تاجر اور جہاز راں تھے اور بارہ وہ تھے جو غلام مزدوروں کے ذریعہ بڑی بڑی کھیتیاں کرتے تھے۔ ان سرمایہ دار نمائندوں نے بڑی ہوشیاری سے امریکن دستور کا ایسا ڈھانچہ بنایا جس کے اندر سرمایہ دار اچھی طرح پھل پھول سکے یہی دستور آگے چل کر امریکہ کی عظیم الشان سرمایہ داری کی ضامن ہوا۔

فرانس

فرانس کی رعایا بیک وقت تین چکیوں میں پس رہی تھی بادشاہ، امراء اور پادری امراء اور پادری قطعاً ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ و مبرا تھے اور اسٹیٹ کا سارا بار عامۃ الناس پر پڑ رہا تھا جنہیں اپنی آمدنی کا ۶۰ فی صدی حکومت کو نذر کرنا پڑتا تھا۔

بادشاہ بے پناہ عیاشیوں میں مبتلا تھا اور امراء بھی اس کی پیروی فیشن سمجھتے تھے یہاں تک کہ لوئی چہاردہم انسانوں کے خون سے غسل کیا کرتا۔

"سلطنت کیا ہے؟ وہ میں ہوں" لوئی شتر کہا کرتا۔ رفتہ رفتہ عیاشیوں میں شاہی خزانہ خالی ہو گیا اور ملک انتہائی مالی بدحالی میں مبتلا ہوا بادشاہ کو روپے کی ضرورت پڑی لوئی سوم نے نئے نئے ٹیکس لگانے چاہے لیکن عوام نے کہا کہ اسٹیٹ جنرل یعنی عوام کی اسمبلی، جس کا اجلاس صدیوں سے نہ ہوا تھا، بلائی جائے جبھی ہم ٹیکس ادا کر سکتے ہیں ناچار بادشاہ کو انتخاب کرانے پڑے اور پارلیمنٹ بلائی گئی، اسمبلی ۱۲۱۴ اراکین پر مشتمل تھی جن میں ۳۰۸ کلیسا کے نمائندے ۲۸۵ امراء اور ۶۲۱ عوام کے نمائندے تھے۔ اس اسمبلی نے نہ صرف فرانس کی تاریخ میں بلکہ دنیا کی تاریخ میں زبردست اہمیت حاصل کی۔ اسی نے بادشاہت کا خاتمہ کیا کلیسا اور امراء کے انتہا پسند ارکان کو نیست و نابود کیا اور بالآخر انقلاب کی رہنمائی کر کے دنیا میں جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔

بہرحال ۱۷۸۹ء میں جب تمام نمائندے منتخب ہو کر آئے تو پادریوں اور امراء نے نمائندوں کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دیا، اس سے ایک فائدہ ہوا جمعیۃ عوام نے پورے ایوان پر قبضہ کر لیا بادشاہ نے ہال پر تالا ڈال دیا اور جمعیۃ عوام کا اجلاس ٹینس کے لان میں ہوا وہاں سبھوں نے ایک عہد کیا اور وہ یہ کہ اب خواہ اس کے لئے جو کچھ بھی ہو ملک کا نظام سیاسی بدل کے رہیں گے اور اس وقت تک منتشر نہ ہوں گے جب تک ملک کا ایک دستور نہ بنا لیں سارے فرانس میں انقلاب کی لہریں دوڑنے لگیں طبقۂ امراء اور پادری بھی ٹوٹ ٹوٹ کر جمعیۃ عوام سے ملنے لگے۔

اس پارلیمنٹ کا نام مجلس قومی رکھا گیا اور تین سال کی محنتوں اور جھگڑوں کے بعد ۱۷۹۱ء میں فرانس کا جمہوری آئین تیار ہوا لیکن اس کے بعد ہی ۱۷۹۲ء میں جو نیشنل کانفرنس بلائی گئی اس نے اس دستور میں مزید اضافے کے بعد اسے مکمل کر دیا اس نے یہ بھی کہا کہ اس کی آخری توثیق عوام الناس کے استصواب کے بعد ہی ہوگی۔ (دیکھیے)

دستور ساز اسمبلی

(صفحہ (۱۳) سے آگے)

۱۷۹۱ء میں لوئی (۱۶) فرانس سے بھاگ گیا اگست ۱۷۹۳ء میں عوام الناس سے استصواب کیا گیا، اٹھارہ لاکھ باشندوں نے جمہوری دستور کے حق میں ووٹ دیا اور گیارہ ہزار نے خلاف میں اور اس طرح یہ دستور پاس ہوا دو سال کے بعد لوئی ۱۶ کو عوام نے دار پر کھینچ دیا۔

فرانس کے دستور نے اصل میں بادشاہت اور جاگیردارانہ نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ جمہوریت بلائی ووٹ کا حق جائدادی صلاحیت پر دیا گیا جمہوریت تو ہو گئی مگر پیسے کی نابرابری کے سبب فرانس میں سرمایہ داری کو بھی بڑھاوا ملا۔

روس

جہاں تک عوام الناس کا تعلق ہے، روس کی بھی وہی حالت تھی جو فرانس کی تھی، بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب تھی عوام الناس کی محنتوں کا پھل حصہ جاگیرداروں اور پادریوں کے لئے وقف تھا اور اس پر زار روس کا ضرب المثال استبداد، بس عوام کا پیمانہ صبر لبریز ہو کر چھلکنے کا منتظر تھا جنگ عظیم اول کے چوتھے سال (۱۹۱۷ء) میں روس کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہوئی کہ زار کو مجبور ہو کر تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ حاکمیت کے سارے اختیارات اب امرا کے قبضہ تصرف میں آ جائیں گے،

لیکن یہ کسی کو اندازہ نہ تھا کہ کسان مزدور اور سپاہی کمیونسٹوں کی رہنمائی میں اس قدر منظم اور مضبوط ہو چکے ہیں کہ حکومت پر قبضہ کرنے سے انہیں کوئی نہیں روک سکتا،

بہر حال زار کی علیحدگی کے بعد ڈوما (روسی پارلیمنٹ) کے ممبروں پر مشتمل ایک عارضی حکومت قائم ہوئی جو امرا اور سرمایہ داروں پر مشتمل تھی عوام کی تشفی کے لئے عارضی حکومت نے فوراً یہ اعلان کیا کہ عنقریب ایک دستور ساز اسمبلی بلائی جائے گی جس کے نمائندے تمام بالغ باشندوں کے ووٹ سے چنے جائیں گے دستور ساز اسمبلی کا انتخاب ہوا اور اسی وقت انقلابیوں نے تمام سوویٹ (گاؤں کی پنچایت) کی کانگریس بھی بلائی، دستور ساز اسمبلی نے جس پر سرمایہ داروں کا تسلط تھا سوویٹ کانگریس کی سفارشوں کو منظور کرنے سے انکار کر دیا اور دستور ساز اسمبلی کو برخاست کر دیا

اکتوبر میں اس روس میں زبردست انقلاب ہو چکا تھا، نومبر ۱۹۱۷ء میں نئی دستور ساز اسمبلی بلائی گئی جس میں تقریباً ساڑھے چار کروڑ روسیوں نے ووٹ دیا، اسمبلی پر سوشلسٹ [illegible] قبضہ ہو [illegible] کو سوشلسٹ [illegible] سکا [illegible] [illegible] کے [illegible] اس اعلان کے [illegible] گیا سب [illegible]

لئے دستور تیار کر لیا تو آل روس سوویٹ کانگریس کے پانچویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۰ جولائی ۱۹۱۸ء میں اسے توثیق کے لئے پیش کیا گیا اور اس نے آئین کی شکل اختیار کی اس کانگریس میں ہر شہر سے ۲۵ ہزار کی آبادی پر ایک نمائندہ اور ہر صوبے سے (یعنی گاؤں سے) ایک لاکھ پچیس ہزار آبادی پر ایک نمائندہ منتخب ہو کر آیا تھا۔

روس کا دستور دو ایوانوں پر مشتمل قرار پایا "یونین کانسل" اور "قومیتوں کی کانسل" کے حق رائے دہی کو وسعت دی گئی لیکن انتخابات بالواسطہ ہوا کرتے تھے یعنی گاؤں کے نمائندے ضلع میں آتے، ضلع کے صوبہ میں اور صوبے کے مرکز تک پہنچتے،

آگے چل کر جب روس میں مزید ریاستیں شامل ہو گئیں تو دستور پر نظر ثانی کی گئی اور ۱۹۲۲ء میں یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک کا قیام عمل میں آیا۔

ہندوستان کے لئے روس کے دستور میں ایک بڑا سبق ہے جہاں سیاسی جمہوریت کے ساتھ ساتھ اقتصادی جمہوریت بھی قائم کی گئی

ترکی

ترکی کے انقلاب سے ہندوستان کو بہت بڑا سبق ملتا ہے کیونکہ دونوں کے حالات تقریباً ملتے جلتے ہیں،

پہلی جنگ عظیم میں ترکی جرمنی کے ساتھ تھا، لہذا جنگ کے خاتمے کے بعد جب اتحادیوں نے ترکی سے صلح کی بات چیت شروع کی تو ترکی کو حقیقی معنوں میں غلام بنا لینا چاہا اناطولیہ کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کرنا چاہا اور صلحنامہ میں سمرنا کو یونانیوں کے حوالے کر دیا۔ ترکی حکومت جس کے علمبردار خلیفہ عبدالمجید خاں تھے۔ کسی طرح اس توہین کا جواب دینے کو تیار نہ تھی، لیکن ترکی کے نوجوان جاگ چکے تھے مصطفیٰ کمال جو خلیفہ کی فوج کے افسر تھے، کی رہنمائی میں ترکی فوجوں نے اتحادی فوجوں سے گوریلا لڑائی لڑنی شروع کی،

۵ اپریل ۱۹۱۹ء کو یونانی سمرنا کے ساحل پر اترنے لگے، اب کیا تھا فوج کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، اور انھوں نے خلیفہ کی مرضی کے بغیر یونانیوں سے جنگ شروع کر دی۔

مصطفیٰ کمال نے ترکی پارلیمنٹ کا اجلاس بلانا چاہا لیکن انگریزوں نے اس کے ممبروں کو اسمبلی کی حاضری سے روک دیا کمال نے فوراً ایک نئے انتخاب کا اعلان کیا اور ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو یہ اسمبلی بیٹھی جس کا نام گرینڈ نیشنل اسمبلی رکھا گیا جو حقیقی معنوں میں دستور ساز اسمبلی تھی،

اس اسمبلی نے ترکی کی نمائندگی کا دعویٰ پیش کیا ترکی کے دستور کا ایک خاکہ تیار کیا اور حکومت بھی شروع کر دی خلیفہ کی حکومت علیٰ حالہ قسطنطنیہ میں قائم تھی اور ان کے وزیر وا، فریدشاہ تھے جو قومی حکومت کو کچلنے کے لئے سازشیں کر رہے تھے،

خلیفہ کی حمایت میں مذہبیات اور ان کی جماعت بھی بڑی سرگرم تھی ۱۹۲۳ء میں قومی مجلس نے خلیفہ کو معزول اور جلاوطن کر دیا

اور تمام رجعت پسندوں کو ختم کر دیا خلیفہ روس بھاگ گئے جہاں ان کا انتقال ہوا۔

بالآخر ۱۹۲۴ء میں قومی اسمبلی نے ترکی کا دستور مکمل کیا جس میں

(۱) ترکی کو ری پبلک قرار دیا گیا اور حاکمیت قوم کا حق مانا گیا۔

(۲) مذہب کو حکومت سے الگ کیا گیا۔

(۳) ہر بالغ کو رائے دہی کا حق دیا گیا۔

(۴) عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دئے گئے۔

(۵) اور بنیادی حقوق کا اعلان کیا گیا، اسمبلی کے ممبروں کی تعداد ۲۸۴ مقرر ہوئی جو صرف دو سال کے لئے چنی جاتی تھی،

ترکی کو سب سے پہلے مشرقیت سے نکال کر ایک جدید قوم بنانا تھا اس لئے مصطفیٰ کمال نے ابتدا میں کمرشل اصلاحات کی طرف زیادہ دھیان دیا اور متعدد معاشرتی اصلاحات کیں یہاں تک کہ عربی رسم خط کو منسوخ کر کے لاطینی لکھاوٹ جاری کر دی۔

ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی

حاکمیت کا جو جھگڑا امریکہ اور فرانس میں ڈیڑھ سو سال قبل شروع ہوا تھا، وہ ہندوستان میں بھی ۱۹۲۰ء میں پیدا ہو چکا تھا، فرق یہ ہے کہ ہم ان ملکوں سے ڈیڑھ سو سال پیچھے ہیں۔ ہندوستان میں اس جھگڑے کی نوعیت دوسری ہے ہندوستان کو اپنی اندرونی، مستبد اور بیت کے خلاف نہ لڑنا تھا بلکہ ایک بیرونی طاقت سے جنگ کرنی تھی، لہذا سب سے پہلے اس کے سامنے آزادی کا سوال آیا برطانیہ کے ایک مفتوحہ ملک کی حیثیت سے ہندوستان برطانی پارلیمنٹ کے ماتحت ہے اور ہندوستان کے دستور پارلیمنٹ ہی سے بن کر آتے ہیں لیکن ہندوستانیوں نے ۱۹۲۰ء ہی میں برطانی پارلیمنٹ کے اس حق کو چیلنج کیا اور یہ دعویٰ پیش کیا کہ ہندوستان کا حقیقی دستور وہی ہو گا جو خود ہندوستانیوں کا بنایا ہوا ہو گویا دوسرے الفاظ میں ہندوستان کے لئے دستور ساز اسمبلی کے مطالبے کی داغ بیل ۱۹۲۰ء میں ہی پڑ گئی تھی ۱۹۲۲ء میں مہاتما گاندھی نے کہا تھا:-

"اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ سوراج کے معنی و مفہوم کیا ہیں۔ اس کے معنی بلاشبہ یہی ہیں کہ ہندوستان اس قابل ہے کہ وہ اپنی آزادی کا اعلان کرے لہذا سوراج برطانی پارلیمنٹ کا کوئی تحفہ نہ ہو گا ہاں یہ صحیح ہے کہ اس کا دستور برطانی پارلیمنٹ کا کوئی تحفہ نہ ہو گا لیکن یہ بھی ہندوستانیوں کے مجوزہ دستور کی توثیق ہو گی اور اس کا ایک نقطہ یا ایک نقرہ بھی بدلنے کا حق پارلیمنٹ کو نہ ہو گا دوسرے الفاظ میں یہ گویا ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہو گا ممکن ہے اس قسم کا سوراج جلد حاصل ہو سکے یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اسے نہ پا سکیں لیکن ہم نے سوراج کے جو معنی لئے ہیں وہ اس کو کسی طرح کم نہیں ہیں برطانی پارلیمنٹ صرف ہندوستان کی خواہشات کی توثیق کرے گی جو ہندوستان کے منتخب نمائندے ظاہر کریں گے"

گرچہ اس میں دستور ساز اسمبلی کا لفظ موجود نہیں لیکن آپ ہی بتلائیں کہ دستور ساز اسمبلی اس کے سوا کیا ہے جس کا مہاتما گاندھی نے آج سے چھبیس سال پہلے اشارہ کیا تھا اس عبارت کا ایک ایک فقرہ اور ایک ایک لفظ آج کے حالات میں بھی اپنی صداقت کی داد لے رہا ہے،

پھر پنڈت موتی لال نہرو نے سوراج پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے ۱۹۲۴ء میں مرکزی اسمبلی میں حکومت سے ہندوستان کا دستور بنانے کے لئے ایک نمائندہ کنونشن کا مطالبہ کیا تھا یہ رزولیوشن ۷۶ کی اکثریت اور ۴۸ کی مخالفت سے پاس ہوا تھا یہ مطالبہ اکثر سیاسی پارٹیوں کی طرف سے ہوتا رہا اور بالآخر ۱۹۲۷ء میں کانگریس نے پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی جس نے ہندوستان کا ایک دستور بنا کر پیش کیا جو نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہے یہ دستور ہندوستان کی تمام پارٹیوں کی کونشن میں پیش ہوا اور پاس ہوا گویا یہ آل پارٹیز کنونشن (کلکتہ ۱۹۲۸ء) ہندوستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی تھی لیکن چونکہ اس دستور ساز اسمبلی کے پیچھے کوئی قوت منفذہ نہ تھی، جو اس کے فیصلہ کو منوا سکتی لہذا اس رپورٹ کی کوئی شنوائی نہ ہوئی،

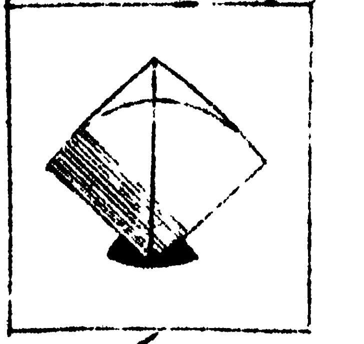
لیکن ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس بلائی گئی جس میں ہندوستان کے لوگوں کو بھی بلایا گیا یہ پہلا موقع تھا کہ ہندوستان کا دستور بنانے میں، اور پارلیمنٹ میں پیش ہونے سے پہلے ہندوستانیوں سے بھی مشورہ کیا گیا، گرچہ اس کانفرنس کے نمائندے حکومت کے نامزد کردہ تھے، اور نامزدگی بھی بڑے بیہودہ طریقے سے کی گئی تھی یعنی راجہ مہاراجے اور سرکاری پٹھو زیادہ تعداد میں بلائے گئے تھے لیکن پھر بھی یہ حق تو تسلیم ہی کر لیا گیا کہ ہندوستان کا دستور ہندوستانیوں کے مشورے کے بغیر نہیں بن سکتا۔

دستور ساز اسمبلی کا نعرہ،

سب سے پہلے دستور ساز اسمبلی کی اصطلاح ہمیں کانگریس کے انتخابی منشور میں ملتی ہے جو ۱۹۳۴ء میں مرکزی اسمبلی کے الیکشن کے موقعہ پر جاری کیا گیا تھا اس میں ووٹروں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی کے قیام کے لئے کوشش کرے گی اس کے بعد فیض پور کانگریس ۱۹۳۶ء میں دستور ساز اسمبلی کا مطالبہ باضابطہ تجویز کی شکل میں آیا دستور ساز اسمبلی کا خیال اصل میں سوشلسٹوں کی طرف سے آیا تھا اور کانگریس نے اپنے بائیں بازو کے دباؤ سے اسے قبول کیا تھا

باقی صفحہ (۲۶) پر

بچوں کا باغ



ابراہیم لنکن

(از ہربنس لعل بھلوی)

ابراہیم لنکن کی ولادت ۱۲ فروری ۱۸۰۹ء میں شمالی امریکہ کی ریاست "لینگ" میں ہوئی تھی۔ اس کے باپ کا نام ٹامس لنکن تھا جو ایک نہایت غریب آدمی تھا اور ایک ایماندارانہ زندگی بسر کرتا تھا ابراہیم لنکن کی ماں اس کی کمسنی میں ہی رحلت کر گئی جس کے باعث اب ابراہیم لنکن کے لئے تعلیم کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا اس کی والدہ نے اُسے کچھ لکھنا پڑھنا سکھا دیا تھا جس کے ذریعہ وہ اپنی مذہبی کتابوں کا آسانی سے مطالعہ کرلیا کرتا تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح جفاکش خوش اخلاق اور ایماندار تھا۔ ان ہی اوصاف کے باعث وہ کرتے کرتے امریکہ کا پریسیڈنٹ ہوگیا۔

اس کے اوصاف کی تعریف سن کر ایک سوداگر نے اس کو اپنی کوٹھی کا گماشتہ مقرر کیا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت نے اس کی کوٹھی سے کچھ مال خریدا اور دام دے کر چلی گئی۔ شام کو ابراہیم لنکن نے حساب جوڑا تو معلوم ہوا کہ دو آنے زائد ہیں۔ خیال آیا کہ یہ پیسے اس عورت کے فاضل آگئے ہیں۔ ابراہیم لنکن پاپیادہ اندھیری رات میں اس کے مکان پر گیا اور اس نے پیسے واپس کردیئے

امریکہ کی ریاستہائے متحدہ آزاد ہو چکی تھی۔ مگر وہاں کے قدیم باشندوں نے حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا جدید حکومت کی فوجی تعداد بہت کم تھی۔ اس نے والنٹیر بھرتی کرنے شروع کردیئے۔ ابراہیم لنکن بھی بھرتی ہوگیا۔ جس پارٹی میں یہ بھرتی ہوا اس نے اس کو اپنا کپتان بنالیا لنکن نے اس لڑائی میں اپنی حب الوطنی کا پورا پورا ثبوت دیا۔ باغیوں کے سرغنہ بلیک ہاک کو شکست ہوئی اب تمام امریکہ لنکن کے نام سے بخوبی واقف ہوگیا۔

لنکن خواہشمند نہ ہوتے ہوئے بھی تین مرتبہ کونسل کا ممبر منتخب کیا گیا۔ اسی دوران میں اس نے کچھ عرصے پوسٹ ماسٹروں کا کام کیا اور بعد میں اس نے وکالت کا امتحان پاس کیا اور اس آزاد پیشے کو نہایت ایمانداری اور راست بازی کے ساتھ انجام دینے لگا۔

اسی زمانے میں تمام امریکہ میں چالیس لاکھ غلاموں کی تعداد آباد تھی۔ لنکن کا قول تھا کہ جتنک امریکہ



کا ایک باشندہ بھی غلامی کی زندگی بسر کرتا ہو اس وقت تک امریکہ آزادی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اسلئے یہ سب غلام آزاد ہونے چاہئیں لیکن بڑے بڑے امیر جنھوں نے بہت سا روپیہ صرف کرکے غلاموں کو خریدا تھا اس کے خلاف تھے۔ ایسے اشخاص کی تعداد آدھی تھی۔ یعنی آدھے آدمی لنکن کے مخالف تھے۔

۱۶ جون ۱۸۶۵ء کو وہ دن آ آپہونچا جب کہ لنکن تمام امریکہ کا پریسیڈنٹ مقرر ہوگیا اس کے مقرر ہوتے ہی سات جنوبی ریاستوں نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اس نے ان کو ہرچند جنگ کرنے سے منع کیا لیکن وہ نہ مانے۔ آخر کار لنکن کو اعلان کرنا پڑا کہ غلام بالکل آزاد کردیئے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنوبی حصص کے تمام غلام بھاگ کر شمالی امریکہ کی فوجوں میں آ داخل ہوئے۔ ۱۹ اپریل ۱۸۶۵ء کو لنکن کو اس لڑائی میں فتح ہوئی اور باغیوں کی فوجوں نے "رچمنڈ" کے مقام پر اطاعت قبول کرلی۔

ابھی اس فتح کی خوشیاں ہو رہی تھیں اور لنکن کے دوبارہ صدر ہونے کی مسرت بھی بالکل تازہ ہی تھی کہ ایک زبردست پولیٹکل سازش کرکے ۱۴ اپریل ۱۸۶۵ء میں لنکن کی جان لے لی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ لنکن کی موت غلاموں کی آزادی کی کوشش میں ہوئی۔ باشندگان امریکہ جسقدر اس قابل ہستی پر فخر کریں کم ہے +

سچ کا گیت

(از جناب ماسٹر عبدالصمد بزمی بلند شہری)

جب بولے سچ بول ــــ تو پیارے ــــ جب بولے سچ بول
سچے کو سب مانیں سچا ــ اس میں بوڑھا ہو یا بچا
مت کر دل کو جھوٹ سے کچا ــ بات نہ کر تو گول
جب بولے سچ بول ــــ تو پیارے ــــ جب بولے سچ بول
سچ کہنے میں ہرگز مت ڈر ــ گھر کے اندر ہو یا باہر
عیب نہیں ہے جھوٹ سے بڑھکر ــ بات یہ من میں تول
جب بولے سچ بول ــــ تو پیارے ــــ جب بولے سچ بول
جھوٹ سے دل میں آئے سیاہی ــ کبھی نہ دے تو جھوٹی گواہی
جھوٹ سے ہوگی تیری تباہی ــ ہو مت ڈانواں ڈول
جب بولے سچ بول ــــ تو پیارے ــــ جب بولے سچ بول
سچی بات تو کہدے منہ پر ــ بول تو سچی بات برابر
جھوٹی باتیں کنکر پتھر ــ سچ ہیں انمول
جب بولے سچ بول ــــ تو پیارے ــــ جب بولے سچ بول
سچے کی ہر بات ہو بالا ــ ہو جائے منہ جھوٹ سے کالا
جھوٹا جائے مار نکالا ــ ڈھول میں جب ہو پول
جب بولے سچ بول ــــ تو پیارے ــــ جب بولے سچ بول
سچے کی ہر بات اٹل ہے ــ پوچ ہے جھوٹا سچ میں بل ہے
سچ بزمی اک امرت جل ہے ــ من میں امرت گھول
جب بولے سچ بول ــــ تو پیارے ــــ جب بولے سچ بول

مہاجن کا شکنجہ

(از جناب دیو کی نندن ناتھ بی۔ اے۔ آنرز)

صوبہ بمبئی کی کانگریسی وزارت نے ایک قانون پاس کیا ہے جس کی رو سے صوبہ کے تمام مہاجنوں کی کڑی نگرانی کی جائے گی تاکہ وہ غریب کاشتکاروں کو نہ لوٹ سکیں۔ اس قانون کا مقصد ایک مناسب شرح سود مقرر کرنا ہے۔ تمام وہ لوگ جو سود پر روپیہ قرض دیتے ہیں، انہیں باقاعدہ لائسنس حاصل کرنا ہوگا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستانی کاشتکاروں کا قرضہ لگ بھگ بیس ارب روپے ہے۔ اس مضمون میں اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱)

دنیا کے ہر ایک ملک میں کاشتکار اپنا کام چلانے کے لئے قرض لیتا ہے۔ لیکن دوسرے ملکوں میں قرض دینے کا کام زراعتی بنک کرتے ہیں۔ یہ زراعتی بنک بہت معمولی شرح سود پر روپیہ قرض دیتے ہیں اور کاشتکار فصل کے فروخت ہو جانے کے بعد اپنا قرض ادا کر دیتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں کاشتکار مہاجن کے رحم پر ہے۔ اس کی مدد کے لئے مغربی ممالک کی طرح زراعتی بنک موجود نہیں۔ ہمارے دیہات کا مہاجن اپنی کارستانیوں کے لئے بہت بدنام ہے، وہ سود خوری، بے رحمی اور بے ایمانی میں شیکسپیئر کے مشہور کردار "شائلاک" سے کسی طرح کم نہیں۔ ایک مشہور انگریزی مصنف کے الفاظ میں "زمیندار اور مہاجن ہندوستانی کاشتکار کے بڑے دشمن ہیں۔ ان دونوں نے مل کر ہماری زراعت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" ہمارا کاشتکار محض زراعتی کاموں کے لئے ہی قرض نہیں لیتا بلکہ غریبی کے سبب شادی غمی کے موقعوں پر بھی مہاجن کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، چالاک مہاجن اس کی غریبی اور مجبوری کا پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ شادی بیاہ، موت اور شرادھ وغیرہ کے موقعوں پر جو قرض لیا جاتا ہے وہ بہت قابل اعتراض ہے کیونکہ اس کا ادا کرنا "زراعتی قرض" کی نسبت کہیں زیادہ مشکل ہے۔ زراعت میں لگایا ہوا روپیہ زیادہ پیداوار کی شکل میں وصول ہو سکتا ہے۔ لیکن سماجی رسومات میں لگا ہوا روپیہ کوئی نفع حاصل نہیں کرتا۔

(۲) قرض کا تخمینہ:-

اعداد و شمار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۲۹ء تک کے عرصہ میں یہ قرضہ تین ارب سے بڑھ کر بیس ارب ہو گیا۔ سر فریڈرک نکلسن نے اندازہ لگایا ہے کہ ۱۸۹۵ء میں صوبہ مدراس کے کاشتکاروں کا قرضہ دس کروڑ روپے تھا۔ ۱۹۱۱ء میں برطانوی ہندوستان کا قرضہ تین ارب تھا۔ ۱۹۲۴ء میں بڑھ کر چھ ارب ہو گیا۔ ۱۹۲۹ء میں نو ارب اور ۱۹۳۵ء میں تقریباً بیس ارب ہو گیا۔ اگر شرح پانچ فیصدی سیکڑہ سالانہ بھی فرض لیں (حالانکہ یہ شرح عموماً ۲۴ فیصدی ہے) تو صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان کے مفلس کاشتکار ہر سال ایک ارب روپیہ بطور سود مہاجنوں کو دے دیتے ہیں! ان حالات میں اگر ہمارا کاشتکار مفلس، جاہل اور کمزور ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ وہ ایک ایسی چکی میں پس رہا ہے جس کے دو پاٹ "زمیندار" اور "مہاجن" ہیں۔ اس کو بچانا نئی قومی حکومت کا ایک اہم فرض ہے۔

(۳) وجوہات:-

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہمارا کاشتکار قرض لیتا کیوں ہے؟ جبکہ وہ مہاجن کے ہتھکنڈوں کو اچھی طرح جانتا ہے بہت حد تک اس کی مفلسی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ مہاجن کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ ہمارے ملک کی آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ زراعت اتنے انسانوں کو روزی مہیا نہیں کر سکتی۔ بعض اسی بہت پیچھے ہیں۔ ہمارا کاشتکار زراعت کی بدولت دو وقت پیٹ بھر کے کھانا بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات کاشتکار فصلوں کے خراب ہو جانے کے سبب قرضہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری زراعتی خوشحالی مون سون ہواؤں کے رحم پر منحصر ہے۔ ملک کے کئی حصوں میں مفلس کاشتکار کنواں کھدوانے کی حیثیت نہیں رکھتا۔ بعض علاقوں میں نہروں کی بھی کمی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مون سون ہواؤں پر کسی انسان یا گورنمنٹ کا اختیار نہیں سرکاری رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ مجموعی طور پر ہندوستان میں ہر تیسرا سال "خشک سالی" کا ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کی "لگان پالیسی" پر بھی قرضہ بڑھانے کے لئے بہت حد تک ذمہ دار ہے۔ خواہ کاشتکار خوشحال ہو یا خستہ حال حکومت اپنا لگان کا حصہ بڑی باقاعدگی اور سختی کے ساتھ وصول کرتی ہے۔ ان حالات میں لگان وقت پر ادا کرنے کے لئے اکثر کاشتکار مہاجن سے قرض لیتا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ہندوستانی کاشتکاروں کی رسومات بد بھی بہت حد تک قرضہ کے لئے ذمہ دار ہیں۔ ایک وقت فاقہ کرنے والا اور لنگوٹی باندھنے والا مفلس کاشتکار شادی بیاہ اور دیگر موقعوں پر دل کھول کر قرض لیتا ہے۔ اور دونوں مٹھیاں بھر کے لٹاتا ہے۔ یہ بھی شکایت اکثر سنی گئی ہے کہ ہمارے کاشتکار مقدموں پر بہت روپیہ برباد کرتے ہیں انگریزی عملداری کا سیلاب اپنے ساتھ ہماری پرانی تہذیب اور کلچر کے جن اداروں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ ان میں "پنچایت" ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ پرانے وقتوں میں مہاجن اور کاشتکار کے باہمی تعلقات نہایت دوستانہ تھے۔ اگر کوئی مہاجن کسی کاشتکار کو لوٹنے کی کوشش کرتا تو گاؤں کی پنچایت اسے خاطر خواہ سزا دیتی تھی۔ انگریزی راج میں عدالتیں قائم ہوئیں۔ اور انصاف بہت مہنگا ہو گیا۔ ایک مقدمہ لڑنے میں ہی کئی کاشتکار خاندان پائی پائی کو محتاج ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ گاؤں کی پنچایت کے ایک قانون کی رو سے سود کا روپیہ اصل سے بڑھ جاتا تو قرضہ منسوخ سمجھا جاتا تھا۔ جب مہاجن نے دیکھا کہ وہ کاشتکار کو عدالت میں لے جا سکتا ہے تو وہ بے رحم اور خود غرض بن گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارا کاشتکار قرضے میں پیدا ہوتا ہے۔ تمام عمر مقروض رہتا ہے اور مرنے کے بعد قرضہ کا بوجھ بطور ورثہ اپنے جانشینوں کو دے جاتا ہے۔ مہاجن کے تقاضے مفلسی کی تلخی، جہالت کی تاریکی — یہ ہے ہمارے کاشتکاروں کی زندگی کا نچوڑ! شہروں میں پٹھان سود خور جو مزدوروں وغیرہ کو روپیہ قرض دیتے ہیں اپنی قابل اعتراض کارروائیوں کے سبب گاؤں کے مہاجن سے بھی زیادہ بدنام ہیں۔ یہ لوگ تو بعض اوقات تین سو فیصدی سیکڑہ سالانہ جیسی بڑی شرح پر بھی روپیہ قرض دیتے ہیں۔ پٹھان سود خور کا روپیہ وصول کرنے کا طریقہ بھی بہت ظالمانہ اور قابل اعتراض ہے

(۴) سرکاری کوشش

حکومت نے "دیہاتی قرضہ" کم کرنے کے لئے جو کام کئے ہیں انہیں چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(ا) غیر ضروری قرضہ لینے سے کاشتکار کو روکا جائے۔

(ب) انتقال اراضی پر پابندیاں۔

(ج) امداد باہمی کی انجمنوں کی مدد سے کاشتکار کی حالت کو بہتر بنانا، فصلوں کے خراب ہو جانے پر لگان کی تخفیف، تقاوی قرضے، کنوئیں کھودنے کے لئے امداد وغیرہ وغیرہ۔

(د) مقروض کاشتکاروں کے لئے سول قانون میں اہم ترمیم۔

وقتاً فوقتاً کئی صوبوں نے قانون پاس کئے جن کی رو سے مہاجنوں کی کارروائیوں کی نگرانی کرنا مقصود تھا۔ ان میں خاص طور پر وہ قانون ہیں جو شرح سود مقرر کرتے ہیں یا مہاجنوں کے لئے یہ شرط رکھتے ہیں کہ وہ لائسنس لیں اور باقاعدہ حساب رکھیں۔ اسی طرح ۱۹۱۸ء کے ایک قانون کی رو سے عدالتوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ مہاجنوں کے حساب کی جانچ پڑتال کریں۔ پنجاب میں ایک قانون کی مدد سے ساہوکاروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ تمام پرانے قرضوں میں تخفیف کریں اور قرضداروں کو یہ سہولت دیں کہ وہ باقاعدہ قسطوں کی شکل میں اپنا قرض ادا کر سکیں۔ ۱۹۰۱ء میں پنجاب کا قانون انتقال آراضی پاس ہوا۔ اس کی رو سے غیر کاشتکار ساہوکار کاشتکار قرضدار کی زمین پر قبضہ نہیں کر سکتا اسی طرح کوئی ساہوکار بیس سال سے زیادہ عرصہ تک کسی کاشتکار کی زمین رہن نہیں رکھ سکتا۔

(۵) غلط قدم:-

اگرچہ مندرجہ بالا سرکاری کوششیں قابل تعریف ہیں، لیکن ان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اب کاشتکار کو آسانی سے قرض نہیں ملتا۔ مہاجن کو کچلنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو مہاجن کی جگہ پر کر سکیں۔ حکومت کے تقاوی قرضے برائے نام حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ایک اندازے کے مطابق ان قرضوں کی صورت میں صرف چند لاکھ روپیہ سالانہ قرض دیا جاتا ہے اور اسے لینے کے لئے بھی "دفتری کارروائی" کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کاشتکار ایک معمولی سا تقاوی قرضہ لینے کے لئے مہاجن سے بگاڑ نہیں کر سکتا۔ اس اندھیرے میں اگر کوئی امید کی کرن ہے تو وہ ہے امداد باہمی کی تحریک اگرچہ اس تحریک کو شروع ہوئے چالیس سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ اور اگرچہ آج ہمارے ملک میں ایک لاکھ سے زیادہ امداد باہمی کی انجمنیں ہیں پھر بھی ہمارے کاشتکاروں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان انجمنوں کا کل سرمایہ لگ بھگ چالیس کروڑ ہے۔ جو ملکی ضرورتوں کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ اس کے علاوہ ان انجمنوں کے انتظام میں بہت خامیاں پائی جاتی ہیں مثلاً دفتری کارروائی سرمایہ کی کمی، عہدہ داروں کی نااہلیت وغیرہ وغیرہ۔

(۶) قومی حکومت کا فرض:-

آج سے دو ہزار سال پہلے ارسطو نے کہا تھا کہ تعلیم تمام مشکلوں کا حل ہے۔ آج بھی اس کی بات بالکل درست ہے۔ ہندوستانی کاشتکاروں کی بہت سی مشکلات کا سبب اس کی جہالت ہے تعلیم کی روشنی اس کی تمام زندگی میں تبدیلیاں پیدا کر دیگی۔ وہ اپنی فضول رسومات کو چھوڑ دیگا فضول خرچی سے کنارہ کشی اختیار کرے گا۔ مہاجن سے لین دین کرنے میں باقاعدہ حساب کتاب رکھ سکیگا سچ تو یہ ہے کہ وہ صحیح معنوں میں انسان بھی اس وقت بنے گا جب وہ تعلیم کی مدد سے اپنے برے اور بھلے میں تمیز کر سکے گا۔ میرے خیال میں مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کرنا بہت مناسب ہوگا۔

(۱) تحریک امداد باہمی کی اصلاح اور ترقی کے لئے کوششیں کی جائیں۔

(۲) مہاجنوں اور ساہوکاروں کی کارروائیوں کی نگرانی کی جائے۔

(۳) دیہات کو تعلیم کی روشنی سے منور کیا جائے۔

(۴) ریڈیو، سینما اور پروپیگنڈے کے دوسرے ذرائع سے کاشتکاروں میں سماجی اور سیاسی بیداری پیدا کی جائے۔

(۵) ملک کے ذرائع آبپاشی کو ترقی دی جائے تاکہ کاشتکار مون سون کے رحم و کرم پر نہ رہے

(۶) قومی حکومت صنعتوں کو ترقی دے تاکہ زراعت میں پھنسے ہوئے فالتو انسان صنعتوں میں لگ جائیں اور زراعت زیادہ نفع بخش ہو جائے۔

(۷) حکومت کاشتکاروں کا پچھلا تمام قرضہ کم کرا کے مہاجنوں کو ادا کر دے۔ اور بیس پچیس سال کے عرصے میں آہستہ آہستہ کاشتکاروں سے خود وصول کرے۔

ٹیگور کی وطن پرستی

(از جناب پریم شنکر، رام پور)

ٹیگور کو صرف دنیائے ادب کا بادشاہ ہی سمجھ لینا غلطی ہے۔ جہاں وہ علم و ادب اور فنون لطیفہ میں عدیم المثال ہے وہاں وہ ایک زبردست سیاستداں بھی ہے۔ ان میں وہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں جو ایک سچے وطن پرست میں ہونا چاہیئے۔ جوانی سے مرتے وقت تک انھوں نے اس جذبہ میں کمی نہ آنے دی اور جب بھی وطن پر مصیبت اور ادبار کی گھٹائیں چھائیں انھوں نے سینہ سپر ہو کر اس کا مقابلہ کیا۔ جب وہ پہلی مرتبہ انگلستان سے واپس آئے تو حب وطنی کا جذبہ رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ہندوستان ایک زبردست سیاسی کشمکش سے دوچار تھا۔ حکومت کے خلاف لوگوں میں جذبۂ نفرت امنڈ رہا تھا۔ ملک کی قربانیوں نے ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں ایک نئی طاقت پیدا کر دی تھی۔ ٹیگور اپنے کو اس تحریک سے جدا نہ رکھ سکے۔ اور انھوں نے بھی مادر وطن کی پکار کو لبیک کہا۔ جب ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے تقسیم بنگال کا حکم دیا تو صرف بنگال ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں اس حکم کے خلاف آواز اٹھائی اور لوگوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ ٹیگور بھی اس آگ میں کود پڑے اور تقسیم بنگال کی مخالفت شروع کر دی۔ اس وقت ہندوستان کی کوئی آواز اتنی پُر اثر نہیں تھی جتنی ان کی تھی اور کوئی قلم اتنی طاقت نہ رکھتا تھا جتنی ان کا۔ ان کی سیاسی نظمیں اور گیت اتنے پر اثر، پُرجوش اور ولولہ انگیز تھے جس سے بنگال کا بچہ بچہ شعلہ جوالہ بن گیا اور انھوں نے اس ناپائیدار اسکیم کو جلا کر خاکستر بنا دیا۔ حقیقت میں تقسیم بنگال کے حکم کو ناکامیاب بنانے میں ٹیگور کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔

ٹیگور اپنے وطن کے مقابلہ میں خطابات کو ایک ناچیز حقیقت تصور کرتے تھے۔ جب ہندوستان میں رولٹ ایکٹ کی مخالفت کی گئی اور اس کے خلاف تمام ہندوستان میں اظہار ناراضگی کیا گیا، ایک تحریک جاری کی گئی جس کے رہنما مہاتما گاندھی ہوئے۔ امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں نہتے وطن پرستوں پر گولیاں چلائی گئیں جس سے لاتعداد جانیں تلف ہوئیں۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ نے جب اس خبر کو اخباروں میں پڑھا تو ان کی آنکھوں سے خون کے آنسو رواں ہو گئے۔ اور انھیں احساس ہوا کہ وہ ڈاکٹر اور سر ہوتے ہوئے بھی اپنے ہموطنوں کی امداد نہیں کر سکتے۔ اور نہ وہ گورنمنٹ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے جائز مطالبات قبول کرے۔ یہ سوچ کر وہ جوش وطن میں اٹھے اور تمام بنگال میں اتحاد کی روح پھونک دی۔ اور ساتھ ساتھ گورنر بہادر کی خدمت میں ایک عرضداشت روانہ کی جس میں تحریر کیا کہ وہ اس قابل نہیں رہے کہ "سر" جیسے اعزاز کو اپنے پاس رکھیں اور یہ خطاب انھوں نے واپس کر دیا۔ حکومت کے لئے یہ بات قابل تحسین نہ ہو مگر ہم ہندوستانیوں کے لئے باعث فخر ہے۔ اور ٹیگور کے کٹر وطن پرست ہونے کی دلالت کرتا ہے۔

وہ ہمیشہ اپنے ہم وطنوں کو متحد رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ اور جب بھی قوم کو ان کی ضرورت ہوئی موصوف نے رہنمائی کی۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں جب مہاتما گاندھی نے تحریک عدم تعاون شروع کرنا چاہی اور اس تحریک کے متعلق مشورہ کرنے شانتی نکیتن گئے تو ٹیگور نے ان کی پُر زور حمایت کی اور سارے ہندوستان میں شہنشاہیت کے خلاف تقریریں کیں۔ ان کی ان آتشیں تقریروں نے بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کے دلوں میں آزادی کے لئے مرنے اور زندہ رہنے کی روح پھونک دی۔ بہت سے نقادوں کی رائے ہے کہ اس تحریک کی کامیابی کا سہرا ڈاکٹر موصوف کی کوششوں کا ثمرہ تھا۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں جب ڈاکٹر چین اور جاپان کی سیاحت سے واپس آئے تو ان کو پھر ہندوستان کی عزت کے لئے قلم اٹھانا پڑا اور وہ حکومت سے ٹکر لینے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت پر لارڈ لٹن حکمراں تھے۔ انھوں نے بنگالی عورتوں کے متعلق کچھ ایسے جملے استعمال کئے جو ایک قوم پرست انسان کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ رابندر ناتھ اپنی ہم وطن خواتین کے خلاف یہ بے انصافی نہ دیکھ سکے اور موصوف نے بڑے فاضلانہ انداز سے لارڈ کے بیان پر کڑی نکتہ چینی کی اور جب سنہ ۱۹۳۰ء میں عدم تعاون کے سلسلہ میں گاندھی جی کی گرفتاری کا حال سنا تو وہ پھر بے چین ہو گئے۔ انھوں نے انگلستان کے مشہور روزنامہ "مانچسٹر گارڈین" کے ایڈیٹر کو ایک خط لکھا جس میں نہایت جرأت اور بیباکانہ انداز میں حکومت کے رویہ کی مذمت کی جس میں ان کی قوم پرستی اور وطنی دوستی کا جذبہ پورے طور سے نظر آتا ہے۔

جب شاعر اعظم بستر مرگ پر موت کی گھڑیاں گن رہا تھا تو اس نے مس رتھ بون کا وہ مکتوب پڑھا جس میں ہندوستان کی خواتین پر بے جا اور رکیک حملے کئے گئے تھے۔ پھر کیا تھا قوم پرور شاعر کی رگ غیرت پھڑک اٹھی اور وہ بیتاب ہو کر جانکنی کی حالت میں قلم اٹھایا اور ایک خط میں وہ دنداں شکن جواب دیا کہ مس صاحبہ کے ہوش ٹھکانے آگئے اور ان کو اپنے خیالات میں ترمیم کرنا پڑی۔ اور موصوفہ کو احساس ہو گیا کہ ہندوستان جیسے ملک میں وطن پرستوں کی کمی نہیں۔

مندرجہ بالا واقعات سے یہ صاف روشن ہو جاتا ہے کہ "ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور زندگی بھر وطن پرست رہے۔ یہ چیز ان کی شاعری میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ ان کی وطن پرستی مغربی وضع کی نہیں، جہاں وہ اپنے محبوب ملک سے محبت کرتے تھے۔ دوسرے ممالک سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ "جذبہ قومی" عالمگیر محبت ہم معنی ہے۔ مگر ٹیگور اس مغربی قومیت کے خلاف ہیں، جو تنگ نظری اور خود غرضی پر مبنی ہے۔ ہر وقت جنگ و جدل کی راہ دکھائی دیتی ہے۔ جب ڈاکٹر موصوف سے یہ دریافت کیا گیا کہ آپ کس بنا پر مغربی قومیت کو برا تصور کرتے ہیں جبکہ خود ہندوستان اس کمی کے باعث غلام بنا ہوا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ:-

"وہ خاک جس پر ہندوستانی جھکے ہوتے ہیں ان عالی شان محلات اور ایوانوں سے زیادہ مقدس ہے جو نفرت اور غرور کے نام نہاد اینٹ اور گارے سے بنے ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ خاک زندگی اور حسن پرستاری سے معمور ہے۔"

ٹیگور ہندوستانیوں کو اپنی پسماندہ حالت پر شرمندہ ہونے سے باز رکھتے ہیں بلکہ انھیں اس پر فخر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

"میرے بھائیو! ان سفید لباسوں میں طاقتور اور مغرور لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے شرمندہ نہ ہو۔ انکسار سے اپنا تلک بناؤ "آزادی" روح کی آزادی ہے۔ اور روزانہ خدا کے تخت کو اپنے خشک اور افلاس زدہ چہرے سے آراستہ کرو۔ یقین مانو سرکشی چیز بڑی نہیں ہے۔ غرور کبھی دیرپا نہیں۔"

ہندوستان جو مشرقی ممالک کا واحد نمائندہ بن سکتا ہے وہ ہمیشہ حسن و صداقت اور عالی تخیلات کا مرکز رہا ہے جیسا کہ شاعر خود فرماتا ہے۔

"ہاں روشنی اور مسرت کی شعاعیں مشرق سے نکل رہی ہیں تاکہ دنیا کی مقید روحوں کو آزاد کر لیں۔"

شاعر اعظم ہماری زندگی اور قومی اقتدار کا سچا معمار تھا۔ سے بین الاقوامی امن و امان کے مبلغ۔ جبتک ہندوستان میں قومیت کا دور دورہ ہے اور جبتک گیتانجلی، فلسفہ اور ادب کا دلکش اور متناسب امتزاج اس صفحہ ہستی پر موجود ہے جبتک شری نکیتن اور شانتی نکیتن کی دلکش فضائیں امن و آشتی کا پیغام دے رہی ہیں آنیوالی نسلیں تجھکو خراج عقیدت پیش کرتی رہیں گی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

"مرجھائی کلی"

(از جناب بی۔ بی۔ بہار۔ آگرہ)

اے کلی! صد افسوس کہ تو بغیر کھلے ہی مرجھا گئی گو نسیم سحری نے تجھے گدگدا کر اٹھانے کی کوشش کی مگر تجھکو بے حس و حرکت پایا۔ تیری مست اور ہستی خوشبو تیرے دل ہی میں رہ گئی۔ تیرے ارمانوں کا خون ہو گیا۔ کسی روز تجھکو ایک خوشنما پھول بن کر کسی حسین کی مالا میں پروئے جانے یا کسی مقدس ہستی کی تربت پر چڑھائے جانے کا فخر حاصل ہوتا۔ آج مغموم مالی جس نے تجھکو اتنی جانفشانی اور مشقت سے سینچا تھا۔ آخر کار تجھکو گلشن سے علیحدہ کر کے کوڑے میں پھینک دیا جہاں سے تجھے ہزاروں آدمی روندا کر چلے گئے۔ تیری یاد میں یہ حسرت ناک آواز ابتک جابجا گونجتی سنائی دیتی ہے:-

"حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے"

پھولوں کی ڈالی

(مرتبہ طاہرہ خاتون طاہرہ سیتاپوری)

دل رکھدیا ہے سامنے لا کر خلوص سے
آگے اب اس کے کام تمہاری نظر کا ہے
— جگر مراد آبادی

گو مدتیں ہوئی ہیں کسی سے چھٹے ہوئے
دلت مگر وہی ہے دل بے قرار کی
— بہزاد لکھنوی

تیرا ملال غم مرا تیری خوشی خوشی مری
سچ تو یہ ہے کہ بیوفا تجھ سے ہے زندگی مری
— خمار لکھنوی

جلا کے سوز الم مجھکو خاک کر دینا
میری طرف سے وفا میں اگر کمی ہو جائے
— شعری بھوپالی

لاکھوں ارمان دینے والوں سے
ایک تسکین دی نہیں جاتی
— بیدم الہ آبادی

کلیجے میں رکھ لو نگاہیں تمہاری
یہ نشتر چبھونے کو جی چاہتا ہے
— اختر نگینوی

میں اس منزل عشق پر ہوں جہاں سے
انھیں بھول جانے کو جی چاہتا ہے
— جلیس شیر کوٹی

ابھی کچھ موت کے دن شاید اپنے دور ہیں شیدا
کہ یاد آتا ہے کیوں گذرا ہوا عہد شباب اکثر
— شیدا نبی نگری

محبت کو نہیں کچھ احتیاج شعلہ سامانی
یہ آتش خود بھڑک اٹھتی ہے بھڑکائی نہیں جاتی
— سلطان جہاں بیگم رعنا

تصور میں ہوتا ہے دیدار ان کا
وہ تسکین دے دے کے تڑپا رہے ہیں
— ممتاز حسین ممتاز

دیکھتے ہی جو دل میں گھر کر جائے
وہ نظر کامیاب ہوتی ہے
— زاہد فتحپوری

یہ کیسا شکوہ تغافل کا حسن سے جذبی
تمہیں تو بھولنے والوں کو بھول جانا تھا
— معین حسن جذبی

ہمیں جب دل نے سوا کر دیا پہلو نشیں ہو کر
تو کس امید پر ہم اپنا کوئی رازداں ہو دیں
— مشفق محمود آبادی

غرض جہاں میں کوئی نقش پائدار نہیں
بنایا ہم نے نشیمن تو اب بہار نہیں
— حماد لکھنوی

یاد رہ رہ کے مجھے آتی ہے ان خوابوں کی
جن کی تعبیر حسیں مجھکو بتایا تم نے
— جمیلہ بیگم قمر

پوچھتے ہیں وہ مری حالت کچھ اس انداز سے
مجھکو یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ اب آرام ہے
— طاہر بریلوی

میری جبین شوق ترے آستاں پہ ہے
لائی کہاں یہ آرزوئے بندگی مجھے
— گمنام

نہیں ہے سیر کا کچھ لطف باغ میں تنہا
بغیر یار رگ گل ہے خار کے مانند
— سودا

رکشے والا

(صفحہ ۲۰ کا بقیہ)

اس لئے کہ میں ایک غریب رکشے والا ہوں اور وہ ایک متمول باپ کی چہیتی بیٹی ہے۔

اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ میں اسکی بھلائی کے خیال سے یہاں سے دور بہت دور چلا جانا چاہتا ہوں لیکن اس ارادے پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں۔ مجھ میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے۔ خوف و خطر کا خیال مجھے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہا ہے۔ اب آپ ہی بتائیے میں کیا کروں۔ میرا خیال ہے کہ محبت کے اس سلسلے کو ہمیشہ منقطع کر دوں۔ میں اس کے لئے خودکشی کرنے پر بھی آمادہ ہوں لیکن صرف اس خیال سے نہیں کرتا کہ میری موت کی خبر سن کر کہیں وہ بھی کوئی غلط اقدام نہ کرے۔ آپ نے میری جان بچائی ہے۔ میرے محسن و مہربان ہیں۔ بتائیے میں کیا کروں"۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

میں اس کی اس درد بھری داستان سے بہت متاثر ہوا۔ جوانی اور محبت کی زندگی کو بالکل آزاد ہونا چاہیئے۔ محبت میں ذات پات اور مذہب و ملت کا کیا سوال؟ ذات پات کا فرق ہندو سماج کی بہت بڑی لعنت ہے۔ اس کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہیئے اور ان اندھے اصول کو دیر یمیں سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے۔ محبت کرنا گناہ نہیں ہے حسن سے حسن کی محبت فطری ہے۔ جوانی بھی ایک حسن ہے اور محبت بھی ایک حسن۔ چاہے یہ ایک شہنشاہ کے دل میں ہو یا ایک غریب رکشا والے کے دل میں۔ میں نے کہا ایسی کوئی وجہ تو نہیں ہے جو ان دونوں کے ملاپ کے رستے میں پتھر ثابت ہو سکے۔ جب وہ دونو آپس میں ملنا چاہتے ہیں اور اسی میں انکی خوشی ہے تو کسی کو کیا حق ہے کہ ان کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہو جائے۔ میں نے بہت دیر تک اپنے دوست کو سمجھایا اور یقین دلایا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکیگا میں اس کی مدد کروں گا۔ اسے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ ناامیدی کے اندھیرے ہی میں امید کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔ لیکن تمہیں رکشا چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کرنا پڑیگا تاکہ تمہاری آمدنی میں اضافہ ہو جائے۔ اور تم اس قابل ہو جاؤ کہ اپنے من مندر کی دیوی کی آرام و آسائش کے سامان مہیا کر سکو۔ اس کے لئے ذرا محنت کرنی ہوگی۔ ہم دونوں کو اس کے متعلق غور کر کے ایک نتیجے پر پہونچنا ہوگا۔ آج تو رات زیادہ ہو گئی ہے۔ اب ہمیں گھر چلنا چاہیئے۔

اس نے رکشا کی طرف جاتے ہوئے کہا میں کسی صورت میں بھی رکشا کھینچنا نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ یہی تو ایک ذریعہ ہے جس سے میں اس سے مل سکتا ہوں۔ میں نے گھر آ کر بہت سوچا، بہت غور کیا، کون کون ذرائع ہیں جس سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ نوکری، دوکان، کنٹریکٹ، تجارت وغیرہ میرے دماغ میں جلدی جلدی اس طرح آئے جس طرح چلتی پھرتی تصویریں پردۂ فلم پر آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ لیکن میں نے کسی کو بھی اس کے لئے مناسب و موزوں نہیں پایا۔

ہمیں کام بہت جلد شروع کر دینا چاہیئے ورنہ ممکن ہے اسکی شادی دوسری جگہ ہو جائے۔ میرا اس وقت تجارت کرتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اسے اپنے دفتر میں نوکری دیدوں اور چند دنوں کے بعد کاروبار میں اس کا حصہ مقرر کر دوں۔ وہ میرے ساتھ محنت شفقت کرے گا اور جو نفع ہوگا ہم دونو آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ میں نے سوچ لیا کہ اس پروگرام کو نہایت ہوشیاری سے اس کے سامنے پیش کرنا ہوگا ورنہ اگر اس کو میری قربانی یا فیاضی کا ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ اسے قبول نہ کرے گا۔ اور کوئی بہانہ تراش کر انکار کر دیگا۔

ایک دن جب وہ خوش نظر آ رہا تھا میں نے اس سے کہا کہ میرے دفتر میں ایک نیا شعبہ کھلا ہے اس کے لئے مجھے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ یوں تو مجھے بہت سے آدمی مل سکتے ہیں۔ یوں تو مجھے بہت سے آدمی مل سکتے ہیں لیکن اگر تم کام کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ تمہیں اپنی محبوبہ کو رکشا پر سکول لے جانے کے لئے چھٹی دیدیا کروں گا۔ اس نے میری تجویز منظور کر لی۔

وہ بہت جلد ایک کامیاب اور محنتی معاون ثابت ہوا۔ میری تجارت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ وہ زمانہ بھی قریب ہو گیا جب وہ اپنے من کی دیوی کے لئے محبت کا مندر تیار کرنے کے قابل ہو گیا۔ لیکن اس تبدیلی سے اسکی صحت پر برا اثر پڑا۔ اس نے اصرار کیا کہ وہ رکشا ہی چلائے تو بہتر ہے کیونکہ یہ اس کی زندگی کا ایک جزو بن گیا ہے۔ وہ کسی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جانے کے لئے بھی تیار نہ تھا۔ اور نہ کسی دوسرے شہر میں تبدیل آب و ہوا کی غرض سے جانے پر راضی کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنی محبوبہ سے دور ہو جاتا۔ رفتہ رفتہ اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ ضعف و نقاہت کے مولناک پنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ پھر بھی رکشا چلاتا ہی رہا۔ میں نے زور دیا کہ وہ میرے یہاں آ کر رہے۔ لیکن وہ راضی نہ ہوا میں نے یہ بھی کہا کہ ایک دن اس دوشیزہ سے جا کر لوں اور اسے بتاؤں کہ وہ کس طرح اپنی زندگی کو برباد کر رہا ہے لیکن اس نے اسے بھی منظور نہ کیا۔ میں نے تجویز پیش کی کہ وہ دوشیزہ روزانہ میرے یہاں آ کر اس سے ملے اور اس طرح کافی سے زیادہ تسکین حاصل ہو سکتی ہے۔ اسے اب رکشا چلانے کی ضرورت نہیں مجھے بہت افسوس ہوا کہ میری اس تجویز کو بھی اس نے مسترد کر دیا۔

ایک چاندنی رات میں ستاروں کی محفل سجی ہوئی تھی۔ میں اپنے دوست کا انتظار کر رہا تھا۔ تاکہ وہ آئے تو ہم دونوں جھیل کی سیر کو جائیں میں اپنے مکان سے کچھ آگے بڑھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔ وہ آیا بھی لیکن رکشے میں اس کے من مندر کی دیوی بھی تھی میں آہستہ سے ایک دیوار کے پیچھے ہو گیا تاکہ وہ مجھ کو نہ دیکھ سکے وہ راستہ پر جا رہا تھا رکشے کا ایک پہیہ ایک بڑے پتھر میں جو وہاں پڑا تھا پھنس گیا اس نے زور سے گاڑی کو ایک جھٹکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ منہ کے بل زمین پر گرا تو پھر کبھی نہ اٹھا۔ ایک چیخ فضائے آسمانی میں تیرتی ہوئی سنائی دی میں تیزی کے ساتھ اس کے پاس پہونچا۔ دیکھا کہ اس نے اپنی محبوبہ کے قدموں پر اپنی جان قربان کر دی ہے باوجود ضبط کے میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ رکشے والوں کا دل بہت کمزور ہوتا ہے اور ان کی عمر چالیس سال سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی۔

(عالمگیر)

افسانہ

رکشے والا

(از پروفیسر ضبط. ایم اے)

رات کافی گذرچکی تھی۔ میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھے نیند اپنی سنہری زنجیروں میں جکڑنے ہی والی تھی کہ معلوم ہوا کوئی رکشا میرے مکان کے پاس سے گذر رہا ہے۔ اس کی ہلکی گھڑگھڑاہٹ خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کررہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد دو گاڑیوں کے ٹکرانے کی خوفناک آواز سنائی دی۔ پھر ایک چیخ فضائے آسمانی میں پھیلتی ہوئی غائب ہوگئی۔

میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ آخر معاملہ کیا ہے؟ باہر نکل کر دیکھا تو میرے مکان کے سامنے ہی ایک رکشا ٹوٹا پڑا تھا۔ پاس ہی ایک شخص بیہوشی کے عالم میں اپنی بیکسی اور غربت کا اظہار کر رہا تھا۔ میں نے سامنے کی طرف نظر دوڑائی تو بڑی فوجی لاری کو تیزی سے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچھے کی سرخ روشنی اس حقیقت کا اظہار کررہی تھی کہ اس نے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہے۔

میں نے جیسے ہی اس شخص کے سر پر ہاتھ رکھا اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اب اسے ہوش آچکا تھا۔ وہ ہمت کرکے بیٹھ گیا۔ پھر میرا سہارا پاکر کھڑا ہوگیا لیکن اس میں چلنے کی تاب نہ تھی۔ وہ چلتا تو کیسے؟ اپنے بازو کا سہارا دے کر میں اسے اپنے مکان میں لایا۔ ایک گلاس پانی پینے کے بعد اس کی حالت قریب قریب درست ہوگئی۔ وہ میری طرف اس طرح دیکھنے لگا گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں شکریہ ادا کر رہا ہو۔

سب سے پہلے اسے اپنے رکشا کا خیال آیا۔ وہ اسی وقت جاکر اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اسے جانے نہ دیا اور اسے کہا کچھ دیر تک اطمینان سے لیٹے رہو۔ میں خود جاکر اس کا رکشا اندر لے آیا۔ دوسرے لمحہ اس کی ہڈیوں کا معائنہ کرتا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی ہے۔ اور یہ کہ اس کے بدن میں کہیں درد تو نہیں ہے۔ اس نے بتایا کہ صرف سر میں تھوڑی سی چوٹ آگئی تھی جس کی وجہ سے وہ بیہوش ہوگیا تھا۔ اب اس کے جسم میں کہیں درد نہیں ہے۔ میں نے اپنے نرم بستر پر اسے سونے کے لئے مجبور کیا۔ وہ پہلے رضامند نہیں ہوتا تھا میرے بہت اصرار کرنے پر سویا۔ تھوڑی دیر میں اسے گہری نیند آگئی جیسے عام طور پر بہت تھک جانے کے بعد آیا کرتی ہے۔ اس حادثے نے میری نیند اچاٹ کردی۔ میں دیر تک جاگتا رکشا والوں کی دردناک اور پُرمحن زندگی کے پیچ وخم پر غور کرتا رہا۔ ان بیچاروں کو زندہ رہنے کے لئے کتنی محنت وجفاکشی، کتنی جدوجہد کتنی تکلیف اور مصیبت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ ان کی زندگی ایک بوجھ ڈھونے والے چوپائے سے کسی طرح بہتر نہیں۔ کیا انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بھائی انسان کو ایک حیوان کی طرح محنت کرنے پر مجبور کرے۔ میں نے ایک دفعہ رکشے والے کی طرف غور سے دیکھا وہ سو رہا تھا۔ بیس اکیس سال کا ایک تندرست وتوانا نوجوان۔ اس کے اعضا متناسب تھے اور وہ خوبصورت بھی تھا۔

مجھے سب سے زیادہ تعجب اس کی گفتگو پر ہو رہا تھا۔ اس کی زبان بڑی شستہ تھی۔ لہجہ نہایت شیریں، تلفظ صحیح، ترکیب الفاظ نہایت موزوں ومناسب۔ ایک رکشا کھینچنے والے کی ملی سے میں نے ایسی زبان کبھی نہ سنی تھی۔ وہ عام رکشا والوں سے مختلف معلوم ہو رہا تھا۔ بالکل مختلف اس کے رکشے کا ایک پہیہ ٹوٹ چکا تھا اس لئے آمدنی کے بند ہونے کا اسے بڑا غم تھا۔ وہ افسردہ وپریشان نظر آرہا تھا۔ رکشے کی مرمت کے لئے روپے کی ضرورت تھی۔ اس وقت تک وہ کھائے گا کہاں سے؟ اس کے پاس اتنے پیسے کہاں تھے؟ یہی خیال اسے پریشان کئے دے رہا تھا میں نے اس سے کہا کہ رکشا کی مرمت کے لئے روپے بھی میں دوں گا اور درست ہونے تک اس کے کھانے پینے کا انتظام بھی میری طرف سے ہوجائے گا۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں میرا شکریہ ادا کیا لیکن وہ خیرات کے طور پر میرا روپیہ قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ مجھے اس خود داری، حمیت اور بلند اخلاقی پر بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو تھوڑا تھوڑا کرکے میرا روپیہ واپس دے سکتے ہو۔

یہ سنکر اس کی بجھی ہوئی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی جس سے اس کی قلبی طمانیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ اب جانا چاہتا تھا لیکن میں نے کہا کہ تم کو اس وقت تک نہ جانے دیا جائے گا جب تک تم اپنی داستان زندگی نہ سناؤ گے اور یہ نہ بتاؤ گے کہ کس چیز نے تم کو رکشا کھینچنے پر مجبور کیا۔

کچھ دیر تک تو وہ ہچکچاتا رہا۔ شدت جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "جناب آپ نے میری جان بچائی ہے۔ میں آپ کے بار احسان سے سرنگوں ہو رہا ہوں۔ آپ نے اپنی شرافت اور نیکدلی سے مجھے اپنا غلام بے دام بنالیا ہے۔ اس لئے میں اپنے سربستہ راز کو آپ سے چھپانا جائز نہیں سمجھتا خصوصاً جب آپ اس کے سننے کے لئے مصر ہیں۔"

"میں ایک نہایت متمول خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ لاڈ پیار میں پل کر جوان ہوا۔ ذات کا ایک راجپوت ہوں۔ میرے والد ایک بہت بڑے زمیندار تھے۔ پڑوس کے ایک زمیندار سے میرے والد کی خاندانی عداوت تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز دشمنوں نے میرے ماں باپ کو سوتے میں قتل کردیا۔ میں اس وقت چند میل دور شہر کے ایک کالج میں پڑھتا تھا۔ اس زمیندار نے مجھے بھی مار ڈالنے کی بہت کوشش کی تاکہ ہمارے خاندان کا چراغ ہی گل ہوجائے۔ لیکن میری زندگی ابھی باقی تھی۔ اس لئے مجھے کون مار سکتا تھا۔ میرے والد کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اس مصیبت کے وقت کوئی بھی میرے کام نہ آیا۔ میں خوف وہراس اور یاس وناامیدی کی حالت میں جان بچاکر وہاں سے بھاگا اور اس شہر میں چلا آیا۔ تاکہ خطرے سے بھی محفوظ ہو جاؤں اور لکھا پڑھ بھی سکوں۔ میری بدقسمتی نے یہاں بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ مجھے چند دنوں تک ایک نوکر اور پھر ایک چپراسی کی حیثیت سے کام کرنا پڑا۔ کبھی کبھی ایک آدھ ٹیوشن بھی مل جایا کرتی تھی جس سے کچھ اور آمدنی ہوجاتی۔"

"ہوسکتا ہے آپ میرے اس خیال سے متفق نہ ہوں۔" اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ خدا کی مخلوق میں انسان سب سے زیادہ ظالم اور بے رحم ہے۔ بجز چند مستثنیات کے جس کا ایک نمونہ آپ ہیں میں نے غربت وپریشانی اور محنت وجانکاہی میں چار سال گزار دیئے۔ اس دوران میں ایسا محسوس کرتا تھا گویا کسی نے میری روح کچل دی ہو۔ میری خود داری کو پامال کردیا۔ مجھے جیتے جی مار ڈالا۔ بہرحال میں نے رفتہ رفتہ اتنا روپیہ جمع کرلیا تھا کہ ایک شخص سے جو بیماری کے زمانے میں کلکتہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہا تھا یہ رکشا لے لیا۔ میں پچھلے بارہ مہینے سے رکشا کھینچ رہا ہوں کسی کا غلام نہیں۔ اپنا مالک آپ ہوں۔ اب میری روح کو سکون اور دل کو قدرے قرار ہے میری انسانیت وخودداری بھی برقرار ہے۔ مجھے محنت وجفاکشی کی پرواہ نہیں لیکن جب کبھی کبھی پولیس کے سپاہی کا ظلم وستم بھی سہنا پڑتا ہے تو سوچتا ہوں کہ ایک انسان کو کچھ طاقت ہوجاتی ہے تو کس طرح انسانیت کو خیرباد کہہ دیتا ہے اگر ہم ایسوں کو حیوان کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان لوگوں کی نسبت جو دولتمند، خوشحال، مہذب اور تعلیمیافتہ کہلاتے ہیں، رکشا کھینچنے والوں میں زیادہ انسانیت اور فراخدلی ہے۔" یہ کہکر وہ بالکل خاموش ہوگیا۔

میں نے اسے روپے دیدیئے اور بہت التجا کی کہ وہ مجھے اپنا دوست اور بھائی سمجھکر کم ازکم ہفتے میں ایک مرتبہ مجھ سے ضرور ملاقات کرے۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کا روپیہ دینے کے لئے ہفتہ میں ایک مرتبہ تو آنا ہی پڑے گا۔"

وہ دوستی جو اس طرح شروع ہوئی روز بروز ترقی ہی کرتی گئی۔ لیکن یہ کبھی بے تکلفی یا بے حیائی کی حد تک نہیں پہنچی۔ وہ اب بھی مجھے اپنا محسن اور بزرگ سمجھتا تھا کیونکہ میں اس سے قدرے عمر میں بڑا تھا۔ وہ کبھی کبھی مجھ سے ایک آدھ کتاب بھی مانگ کر پڑھنے کے لئے لیجاتا اور اکثر ہندوستان کی سیاسی اور اقتصادی حالت پر گفتگو بھی کرتا کسی روز جلد ہی اپنے کھانے بھر کما لیتا تو رکشا لئے ہوئے میرے پاس آتا اور اصرار کرتا کہ میں اس کے رکشے پر سیر کو چلوں۔ چنانچہ کبھی کسی باغ کے فرش پر کبھی پارک کی بنچ پر ہم دونوں بھائیوں کی طرح پاس بیٹھ جاتے۔ اور آپس میں گفتگو کرتے کبھی دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے متعلق گفتگو ہوتی۔ کبھی ہندوستان کی ترقی وپستی کے موضوع پر تھوڑے ہی دنوں میں اس نے میرا قرض ادا کردیا۔ اور جب اس کے سر سے یہ بوجھ اتر گیا تو وہ زیادہ آزاد اور بشاش دکھائی دینے لگا۔ اور ایک مرتبہ پھر اس کی بجھی ہوئی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔ وہ پڑھا لکھا تھا اس لئے وہ رکشا والوں کی سماجی جسمانی اور اقتصادی اصلاح وترقی کے اور خصوصاً ان کو ظالم وبے رحم مالکان رکشا کے ظلم وستم سے بچانے کی غرض سے ایک جماعت بنانا چاہتا تھا۔

قرض ادا ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کی ملاقات کا وقفہ طویل ہوتا گیا۔ اب وہ کبھی آتا تو زیادہ تر رکشے والوں کی تکلیف، ان کی بیماری ان کی تنگ وتاریک جائے سکونت، ان کی مفلسی ونا داری کے متعلق گفتگو کرتا۔ ان کا حل دریافت کرتا۔ میں سوچتا اچھا ہے اس میں بھی اپنے بھائیوں کی ہمدردی کا جذبہ شدید سے شدید تر ہوتا جارہا ہے۔ میں اس کی تعریف کرتا اور اس کا دل بڑھاتا تاکہ وہ شوق اور حوصلے سے کام کرے۔

ایک حسین رات کو جب ماہ کامل اپنے پورے شباب پر تھا، چاندنی ہر طرف بکھری ہوئی تھی وہ قدرے دیر سے میرے یہاں آیا اور اصرار کرنے لگا کہ میں اس کے رکشا میں کرزن پارک کی سیر کے لئے چلوں۔ میری طبیعت نہ چاہتی تھی پھر بھی اس کے پیہم اصرار پر میں انکار نہ کرسکا اور راضی ہوگیا۔ خلاف معمول وہ باغ میں پہونچنے تک خاموش رہا جیسے اس کے منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن کہہ نہیں سکتا۔ کہتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔ اس کی آواز حلق میں اٹک رہی ہے۔ میں نے بھی خاموشی کا پردہ چاک کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہم دونوں گھاس کے ایک خوشنما قطعے پر بیٹھ گئے۔ رکشا سامنے کھڑا کردیا گیا۔ وہ چاند کی طرف بغور دیکھنے لگا۔ "وہ لوگ جو چاند کی طرف غور سے دیکھتے ہیں پاگل ہوجاتے ہیں۔ میں ایسا کرتا ہوں میرے پاگل ہوجانے کا بھی کافی اندیشہ ہے۔۔۔"

میں اس کی یہ عجیب وغریب باتیں سن کر چونک پڑا۔ بولا "شاید کوئی بات تمہارے دل میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہے۔ مجھ سے کہو وہ کیا ہے۔ تمہارا راز میرے سینے میں راز ہی رہے گا۔ اطمینان رکھو۔ ایک دوست کو رازدار بنانے اور اسے اپنے غم والم میں شریک کرنے سے رنج وغم کا بار کافی حد تک ہلکا ہوجاتا ہے۔ میں تمہارا دوست ہوں نا۔ کیا تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے؟ میں تم سے عمر میں بھی بڑا ہوں مجھ سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالو۔ شاید میں اس بارے میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔ ایسا کرنا میں اپنا ایک خوشگوار فرض سمجھوں گا۔"

"حضور ۔۔۔!" اس نے کہا۔ "آپ صرف میرے دوست ہی نہیں، میرے محسن بھی ہیں۔ آپ کے بار احسان سے کبھی میں سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ آپ نے میری زندگی بچائی ہے۔ میں اپنا راز تو کیا اپنی زندگی تک کے لئے آپ پر قربان کرسکتا ہوں۔" وہ کچھ دیر تک بالکل خاموش رہا۔ اس کے بعد ایک ٹھنڈی (باقی

پچھلے صفحہ سے آگے)

سائنس نے کہا بولا "اچھا تو سنیئے!" اس نے کہنا شروع کیا۔

"میرا معمول ہے کہ میں اکثر بڑی سڑکوں اور مشہور بازاروں میں سواری کمانے کے لئے نہیں جاتا۔ بلکہ شرفا کے محلے میں چکر لگاتا رہتا ہوں۔ وہاں سواری بھی زیادہ ملتی ہے اور لوگ بھی مہذب اور شریف ہوتے ہیں۔ ایک صبح کو جب میں ایک ... سے گذر رہا تھا۔ ایک حسین و جمیل دوشیزہ ... جو ایک خوبصورت سی کوٹھی کے سامنے کھڑی تھی۔ میرے رکشا پر سوار ہو گئی ... ہوسٹن کے سکول میں لے چلنے کو کہا۔ یہ سکول کوئی ایک میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ میرے ... نا ممکن تھا کہ میں پیچھے مڑ کر دوشیزہ کی طرف دیکھوں لیکن میرا دل ... کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ دھوپ کافی تیز ہو چکی تھی اور رکشا بھی بہت تیز دوڑ رہا تھا ... کہا۔ وقت کافی ہے۔ اتنا تیز چل کر اپنے آپ کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ مجھے ایک ... معلوم ہوتی تھی۔ اس نے مجھے مناسب ... سے کچھ زیادہ دیا۔ اور ایک ... مسکراہٹ کے ساتھ سکول میں داخل ہو گئی۔

اس کی مسکراہٹ میں ایک عجیب سحر تھا جس نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔ میرے ہوش بجا ... رہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے اسے بھول گیا کہ میں ایک غریب رکشا والا ہوں۔ گاڑی کھینچنے والے اور بوجھ ڈھونے والے چوپایہ کے برابر۔ اور وہ کلکتہ کے ایک اعلیٰ معمول زاندان سے تعلق رکھنے والی حسین نازنین دوشیزہ! جو مجھ سے زیادہ پڑھی لکھی ہوئی۔

میں نے اپنی انگلیوں سے ماتھے کا پسینہ پونچھا۔ سواری کی تلاش میں دوسری طرف جانا چاہتا تھا لیکن میرے پاؤں نے چلنے سے انکار کر دیا۔ میں سڑک کے دوسرے کنارے پر ایک بڑے تناور درخت کے نیچے جا بیٹھا اور وہاں اپنے من مندر کی دیوی کے درشن کا انتظار کرنے لگا۔

میری قسمت ساز گار تھی۔ دوشیزہ تقریباً دو گھنٹے کے بعد باہر آئی۔ ایک دوسری دوشیزہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ شاید اس کی سہیلی تھی۔ اسے دیکھا جلدی ... اٹھا اور حضور رکشا والا ... سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت خوش ہوئی میں اس کا منتظر رہا۔ بعد ... سحر یا مسکراہٹ سے اس نے مجھے رکشا لانے کے لئے کہا۔ دونوں بیٹھ گئیں تو میں چلا۔ ان دونوں نے انگریزی میں گفتگو شروع کی جس کا ملاحصہ یہ تھا کہ میں ان کو آسانی ... نے جا سکوں گا۔ دو موٹے ... منیوں یا دو تندرست و توانا ... سواریوں کے مقابلے میں میرا بوجھ یقیناً بہت ہلکا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پھولوں سے بھری ہوئی دو ٹوکریاں لئے جا رہا ہوں حسن میں بھی ایک عجب زندگی بخش طاقت ہوتی ہے۔ مجھ میں بھی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ میں نے اپنا خیال غلط ثابت کرنے کے لئے زور زور سے رکشا دوڑانا شروع کیا۔ ایک مقام پر مجھے رکشا روک دینے کے لئے کہا گیا۔ جہاں دوسری دوشیزہ اتر گئی یعنی دوشیزہ کو ... میں اس کے مکان پر گیا۔ ... اس نے مجھے زیادہ کرایہ دیا ... مکان پر داخل ہونے کے بعد اس نے ایک مرتبہ مڑ کر میری طرف دیکھا میں نے اس کا بہت شکریہ ادا کیا اور دریافت کیا کہ کیا وہ ہر روز اسی وقت سکول جاتی ہے۔ اور کیا میں اسے سکول لے جانے کے لئے دوسرے دن بھی آ سکتا ہوں؟ اس وقت میرے دل کی دھڑکن بند سی ہو گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر جواب نفی میں ملا تو کیا ہو گا۔ مگر نہیں میرا اندیشہ غلط نکلا۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور کہا۔

"ہاں ہاں کل بھی آپ اسی وقت آ سکتے ہیں"۔ میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس دن سے میری زندگی ہی بدل گئی۔ میں ہر وقت خوش آئند تصورات کے جھولے میں جھولتا رہتا ہوں۔ اور اس اجنبی حور کو روزانہ سکول لے جاتا ... لے آتا ہوں۔ اتوار کو بھی وہ میرے ہی رکشے ... ساحل دریا یا پارک میں سیر کو جاتی ہے۔ ایسے ... میں ہم دونوں کو آزادانہ طور پر طویل طویل گفتگو کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میں ... ہوں۔ اور کیوں رکشا کھینچنے پر مجبور ہوا ... اس نے بڑی ہمدردی سے کہا کہ میں یہ کام چھوڑ دوں اور کوئی دوسرا کام شروع کروں۔ اس نے بتایا کہ اس کے ایک چچا مشہور ڈاکٹر ہیں وہ کہتے ہیں کہ رکشا والوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے ... ان کا سینہ بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ چالیس سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتے۔ آخر میں اس نے ... کہا۔

"میں نہیں چاہتی کہ جوانی ہی میں آپ کی موت واقع ہو جائے"۔

دوشیزہ کے اس جملے نے میری رگ رگ میں ... کی لہر دوڑا دی۔ دل میں نئی نئی امنگیں موجزن ہو گئیں۔ دوسرے ہی لمحے میں نے سوچا کہ میں تو ایک ادنیٰ رتبہ رکھنے والا ہوں۔ میری حقیقت ایک چوپایہ سے کسی طرح بھی بہتر نہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میری ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ میں غمگین و افسردہ ہو گیا۔ آج ہی کی طرح ایک حسین رات کو اس کے اسکول میں ایک تقریب تھی لیکن وہاں جانے کی بجائے ہم دونوں ایک جھیل کے کنارے سیر کو چلے گئے۔ پانی کی نقرئی سطح چاند سے نور ... کی بارش اس دلکش و پرسکون ماحول نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔ میں نے اپنے دل کی تمام باتیں اس سے کہہ دیں۔ اس نے میری باتوں کو بہت دھیان سے سنا۔ چند لمحے ... بعد میں نے دیکھا کہ اس کی دو موٹے موٹے صاف و شفاف ستارے جیسے قطرے اس کی حسین آنکھوں سے نکل کر اس کے معصوم چہرے رخسار پر پھیل گئے۔ اس نے پیار بھرے لہجہ میں آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔

"میں آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں۔ اگر میں خاموش رہتی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتی۔ میرے دل کے انتہائی عمق میں آپ کی محبت موجود ہے۔ میں نے اسی وقت اپنا دل آپ پر قربان کر دیا جب میں نے پہلی مرتبہ آپ کو دیکھا۔ اس دن سے میرا ہر لمحہ آپ کی یاد میں گذرتا ہے"۔ "میری خوش قسمتی ہے کہ دنیا کی ایک حسینہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ لیکن یہ سماج کی لعنت نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم دونوں کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر ملاحظہ فرمائیے)

شکست

(صفحہ (۱۰) کا باقی افسانہ)

ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ چلنا چاہیئے۔

فوراً ہی اس نے چیخ کر یہ کہا اور اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا لیکن ساتھ ہی اپنا ہاتھ تیزی سے کھینچ لیا۔ خون کا فوارہ چھوٹ نکلا۔ لاریلا نے بڑے زور سے اس کے کاٹ کھایا تھا۔ لاریلا نے قہقہہ لگایا اور انتونیو کو دور دھکیل دیا۔

یہاں میں تیرے اختیار میں ہوں۔ یہ کہکر وہ سمندر میں کود پڑی۔ اور نظروں سے غائب ہو گئی۔

وہ پانی کے اوپر نمودار ہوئی اس کے کپڑے جسم سے چمٹ گئے تھے۔ بال موجوں کے تھپیڑوں سے کھل گئے تھے۔ اور اسکی لمبی گردن سے لپٹے ہوئے تھے۔ وہ کشتی سے دور ساحل کی طرف جانے لگی۔

اچانک خوف سے انتونیو سناٹے میں آگیا

اسے یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ کھیل کے درمیان ٹھہرا ہے۔ ایک گیند اسکی پسلی میں اس زور سے آکر لگی کہ وہ اپنے خیال سے چونک پڑا۔ گویا اسے بتایا جا رہا تھا کہ وہ غلط راستے پر کھڑا ہے۔ گیند پھینکنے والا سوائے انتونیو کے اور کوئی نہ تھا۔

کئی ہفتہ بعد جب لاریلا نے شادی کی درخواست نامنظور کر دی تو مصور نے کہا تھا کیا تم میری درخواست کو اس بدتہذیب چھوکرے کی وجہ سے رد کرتی ہو۔ مگر لاریلا نے تیز ہو کر کہا تھا۔ میں اسے بھی نہیں جانتی۔ حالانکہ وہ گیند کے قصے سے واقف ہو چکی تھی اور انتونیو کو اچھی طرح جانتی تھی اور اس وقت دونوں ایک ہی کشتی میں بیٹھے تھے۔ دو دشمنوں کی طرح دونوں کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

انتونیو کا ہنس مکھ چہرا سرخ ہو رہا تھا وہ اتنی زور سے پتوار چلا رہا تھا کہ چھینٹیں اڑ اڑ کر لاریلا پر پڑ رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ اس کے ہونٹ بھی ہل رہے تھے۔ گویا غصہ میں کچھ بڑبڑا رہا ہو۔

لاریلا اس طرح بیٹھی تھی جیسے وہ اسے دیکھ نہیں رہی ہے۔ بے پروائی سے کشتی میں جھکی ہوئی دریا کی موجوں سے کھیل رہی تھی۔

کشتی انھیں کھلے ہوئے سمندر میں لے آئی۔ جزیرہ بہت دور پیچھے تھا اور ساحل سامنے بھی دور پر تھا۔

انتونیو نے چاروں طرف دیکھا۔ جیسے کوئی عزم مصمم کر رہا ہو۔ اس نے پتوار چھوڑ دیا۔

لاریلا نے بے خوف مگر لاپروائی سے اس کی طرف دیکھا۔

انتونیو بول اٹھا۔ لاریلا تم کہتی ہو۔ مجھے نہیں جانتیں۔ حالانکہ برابر دیکھتی ہو کہ میں پاگلوں کی طرح تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں تاکہ تم سے اپنے دل کی باتیں کہوں لیکن تم ہمیشہ نفرت سے منہ پھیر لیتی ہو۔

لیکن میں بے وجہ لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بننا نہیں چاہتی۔ میں تمہیں اپنا شوہر بنانا نہیں چاہتی اور نہ کسی دوسرے کو۔

تم ہمیشہ ایسا نہیں کہہ سکتیں لاریلا تم ابھی نادان ہو۔ آئندہ کسی نہ کسی کو شوہر ضرور بناؤ گی۔

لاریلا نے سنجیدگی سے کہا مستقبل کی کسے خبر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنا ارادہ تبدیل کر دوں تمہیں اس سے کیا۔

مجھے کیا۔ انتونیو نے چیخ کر کہا اور کھڑا ہو گیا کشتی ادھر ادھر جھکنے لگی۔ لاریلا سنو جس شخص کو بھی تم مجھ پر ترجیح دو گی میرے ہاتھوں سے اسے سخت اذیت اٹھانی پڑیگی۔

تو کیا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ تمہارا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔

انتونیو نے زور سے چلا کر کہا۔ آہ میرا حق کہیں لکھا ہوا نہیں ہے اور نہ کسی حاکم کی اس پر مہر ہے۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے تم پر بڑا حق حاصل ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں دوسرے آدمی کے ساتھ گرجا جاتے ہوئے دیکھنا گوارا کرونگا کیا مجھے یہ پسند آئے گا کہ دوسری لڑکیاں مجھ پر انگشت نمائی کریں اور میں چپ رہوں۔

تمہارے جی میں جو آئے وہ کرو اور جو میری مرضی ہوگی میں کرونگی۔

انتونیو غصہ سے کانپ اٹھا۔

میں اب تمہیں ایسا نہ کہنے دوں گا یاد رکھو تم میرے بس میں ہو۔

وہ چونک پڑی لیکن اس کی آنکھیں دلیری سے دیکھ رہی تھیں۔

اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔ اگر ہمت ہو تو مار ڈالو۔

میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں۔ انتونیو کی آواز بھرا گئی۔ یہاں سمندر کی تہ میں ہمارے لئے جگہ ہے۔

وہ بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں حیران تھیں۔

آخر کار جب اس کے حواس بجا ہوئے تو اس نے ڈانڈ اٹھائی اور پوری قوت سے اس کے پیچھے چلا کشتی اس کے خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی۔

لاریلا بڑی تیزی سے جا رہی تھی مگر کشتی جلد ہی اس کے نزدیک پہونچ گئی۔ اس نے چلا کر کہا۔ لاریلا کشتی پر آ جاؤ۔ میں پاگل تھا۔ خدا جانے کس چیز نے میرا دماغ بالکل تاریک کر دیا تھا۔ آ جاؤ۔ لاریلا۔ اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔

لاریلا تیرتی رہی گویا اس نے سنا ہی نہیں۔

انتونیو نے پھر کہا۔ تم تیر کر ساحل تک نہیں پہونچ سکتیں۔ دو میل ہے۔ اپنی ماں کا خیال کرو۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں جان دیدوں گا۔

لاریلا نے دوری انداز لگایا اور بغیر اس کی باتوں کا جواب دئے کشتی کے پاس آ گئی۔ کنارہ پکڑ ا اور اوپر چڑھنے لگی۔ کشتی بوجھ سے ایک طرف جھک گئی۔ انتونیو کی جاکٹ جو کنارے پر رکھی تھی وہ دریا میں گر پڑی۔ لاریلا اچک کر اپنی پہلی جگہ پر آ بیٹھی۔

انتونیو نے اسے مطمئن دیکھکر پھر کشتی کھینی شروع کر دی۔ لاریلا اپنے بھیگے ہوئے کپڑوں اور بالوں کو نچوڑنے لگی۔

یکایک اس کی نظر کشتی کے پیندے پر پڑی وہ خون سے رنگین تھی۔ ہٹا اس کی نگاہیں ہاتھ کی طرف گئیں جس سے برابر خون بہہ رہا تھا۔

یہ لو۔ لاریلا نے اپنا رومال بڑھا کر کہا۔

انتونیو نے سر ہلایا اور کشتی چلاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی۔ ملاح کے پاس گئی۔ اور زخم کو اپنے ہاتھوں سے دھو کر رومال سے کس کر باندھ دیا۔ زخم بہت گہرا تھا۔

اس کے شدید زخم کا خیال کرتے ہوئے اس نے انتونیو کے ہاتھ سے پتوار لے لیا اور اس کے سامنے بیٹھکر کشتی چلانے لگی۔

دونوں خاموش تھے۔

آفتاب ابھی چمک رہا تھا۔ لاریلا نے اپنے کپڑے درست کئے جو اب تک سوکھ چکے تھے۔ اتنے میں ساحل قریب آ گیا۔ اور لاریلا کشتی سے اتر گئی۔

بڑھیا جو انھیں جاتے ہوئے دیکھ چکی تھی اب بھی وہیں چھت پر کھڑی تھی وہ چلائی۔ تیرے ہاتھ میں کیا ہوا انتونیو۔ کشتی خون سے بھری ہے نوجوان نے لاپردائی سے جواب دیا۔ کچھ نہیں کشتی میں کیل نکلی ہوئی تھی۔ اس سے زخم لگ گیا ہے۔ کل تک اچھا ہو جائے گا۔

لا۔ میں پٹی باندھ دوں۔

تکلیف نہ کرو۔ پٹی بندھ چکی ہے۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔

لاریلا نے سڑک کی جانب مڑتے ہوئے انتونیو کو دیکھکر کچھ اشارہ کیا۔ اور روانہ ہو گئی

انتونیو نے بھی اس کی طرف دیکھا اور اپنی ٹوکری اور پتوار کشتی سے اتار کر جھونپڑی میں چلا گیا۔

انتونیو اپنے کمرے میں تنہا ٹہل رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا بغیر شیشہ کی کھڑکیوں سے آ رہی تھی۔ جو کھلے سمندر کی ہواؤں سے زیادہ فرحت زا تھی۔ تنہائی اس کے لئے سکون بخش تھی۔ وہ دعا نہ کرنا چاہتا تھا۔ اب اسے دعا کی ضرورت ہی کیا تھی جبکہ وہ زندگی کی تمام آرزوئیں کھو چکا تھا۔

اطمینان سے بیٹھکر اس نے لاریلا کا رومال اپنے بازو سے کھولا۔ خون جو اب تک دبا ہوا تھا بہنے لگا۔ اس نے ہاتھ دھویا۔ ٹھنڈے پانی سے اس کے درد میں کچھ افاقہ ہوا۔ لاریلا کے دانتوں کے نشان صاف نظر آ رہے تھے

وہ اپنے آپ کہنے لگا۔ اس کی کچھ خطا نہیں میں وحشی ہو گیا تھا اور اس کی یہی سزا تھی۔ کل اس کا رومال اسے واپس کر دوں گا اور اب کبھی اس سے نہ ملوں گا۔ دانتوں اور بائیں ہاتھ کی مدد سے اس نے بمشکل پٹی باندھی۔ وہ بستر پر لیٹ رہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ چاندنی کی تیز شعاع اور ہاتھ کے درد نے اسے فوراً ہی جگا دیا ٹھنڈے پانی سے ہاتھ دھونے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ دروازہ کھولنے پر دیکھا کہ سامنے لاریلا کھڑی ہے۔

وہ بغیر کچھ کہے سنے اندر چلی آئی سر سے رومال کھول کر اور اپنی ٹوکری میز پر رکھکر اطمینان کی سانس لی۔

انتونیو نے پوچھا۔ رومال لینے آئی ہو تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی

(باقی اگلے صفحہ پر)

محبت و نفرت

(از جناب جلیل شیرکوٹی ایم اے)

محبت کو ملامت کر رہے ہیں
وہ قسمت کی شکایت کر رہے ہیں

عداوت پر عداوت کر رہے ہیں
وہ جیتے جی قیامت کر رہے ہیں

نہیں معلوم کیا انجام ہوگا
وہ آغاز محبت کر رہے ہیں

عنایت ہائے بیجا کرتے کرتے
مجھے مرہون منت کر رہے ہیں

دل غمگین و صد پارہ پہ یارب
وہ کیوں مشق جراحت کر رہے ہیں؟

نہیں معلوم کس تقصیر پر وہ
مجھے وقف ملامت کر رہے ہیں

مداوا ہو نہ کوئی جس کا جز مرگ
وہ درد دل عنایت کر رہے ہیں

الٰہی کیا قیامت ہے قیامت
مجھے رسوائے الفت کر رہے ہیں

محبت کا جو دم بھرتے تھے میری
وہی اب مجھ سے نفرت کر رہے ہیں

جلیل ایسے میں مر جائے نہ کیونکر
بچشم تر وہ رخصت کر رہے ہیں

(پچھلے صفحہ سے آگے)

تب خود کل صبح بھیجدیتا۔

لاریلا نے ناپتے ہوئے جواب دیا۔ رومال کے لئے نہیں۔ دیر سے پہاڑی پر خون روکنے والی بوٹیاں تلاش کررہی تھی۔

ملاح نے نرمی سے کہا۔ تم نے بڑی تکلیف کی۔ میں تو اب اچھا ہوں۔ لیکن اگر مجھے تکلیف بھی ہوتی تو میں اسی لائق تھا۔ تم اس وقت کیوں آئیں۔ اگر کوئی دیکھ لے۔ لوگوں کی حالت تم جانتی ہو۔ انھیں اشارہ چاہیئے۔ چاہے واقعہ کچھ بھی نہ ہو

لاریلا نے تیز ہوکر کہا۔ میں کسی کی بھی اس کی پروا نہیں کرتی۔ میں تمہارا ہاتھ دیکھنے اور دوا لگانے آئی ہوں۔

لیکن اس کی خاص ضرورت نہیں۔

تو مجھے دیکھنے دو۔ یہ کہکر اس نے ہاتھ پکڑلیا اور پٹی کھول دی۔ ورم دیکھکر اسے جھرجھری سی لی

انتونیو نے بے پروائی سے کہا۔ معمولی سا ورم ہے کل تک کم ہو جائے گا۔

لاریلا نے سر ہلا دیا۔ تم ایک ہفتہ سے پہلے کام پر نہیں جاسکتے

زیادہ سے زیادہ ایک دو دن۔

لاریلا نے زخم کو بڑی توجہ سے دھویا۔ انتونیو ایک بچے کی طرح کراہتا تھا۔

لاریلا نے دوا لگاکر پٹی باندھ دی۔ جب پٹی باندھ دی۔ جب پٹی بندھ چکی تو انتونیو نے کہا۔ لاریلا شکریہ۔ اگر مجھ پر ایک اور احسان کرنا چاہو تو میری دن والی دیوانگی معاف کردو۔ میری سب باتیں دل جلے کی ہیں کہہ سکتا کہ یہ کیونکر ہوا۔ اس میں تمہارا کچھ قصور نہیں۔ پر تم میری زبان سے کوئی ناگوار بات نہ سنوگی۔

لاریلا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ مجھے معافی چاہیئے۔ کچھ ایسا برتاؤ نہ کرنا چاہیئے تھا کاش میں نے تمہیں بری سے ٹھکرا دیا۔

یہ سب کچھ تم نے اپنے بچاؤ کے لئے کیا۔ مجھے تمہارا ممنون ہونا چاہیئے۔ یہ لو اپنا قمیص۔ رومال لیتی جاؤ۔ لیکن لاریلا خاموش رہی۔

کچھ لمحہ کی خاموشی کے بعد اس نے کہا میری نالائقی سے تمہاری جاکٹ بھی چلی گئی۔ ناریلیوں کی تمام قیمت اسی کی جیب میں تھی۔ میں اس کی تلافی نہیں کرسکتی۔ ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں اگر ہے تو ماں کا۔ لیکن یہ چاندی کی صلیب میری ہے۔ مصور نے جاتے وقت اسے میز پر چھوڑ دیا تھا اور اگر تم اسے بیچ لو تو شاید تمہارے پیسے وصول ہو جائیں۔ اگر پورے وصول نہ ہوں تو باقی میں ماں کے سو جانے کے بعد رات

کو سوت کات کرادا کردونگی۔

نہیں۔ لاریلا میں اس کو قبول نہیں کرسکتا۔

لاریلا نے کہا لے لو۔ کیا جانے کب تمہارا ہاتھ کام کرنے کے قابل ہوسکے۔ یہ صلیب رکھی ہے میں اسے اب نہ لونگی۔

تو سمندر میں ڈال دو۔

میں تمہیں تحفہ نہیں دے رہی ہوں۔ میں تمہاری قرضدار ہوں میں تو اپنا بوجھ ہلکا کررہی ہوں۔

انتونیو نے جوش سے کہا۔ تم پر میرا کوئی ہاں اگر مہربانی کرنا چاہو تو جب کبھی میں ملوں میری طرف نہ دیکھنا۔ اگر دیکھوگی تو مجھے خیال ہوگا کہ تم میری اس حرکت کو یاد کررہی ہو۔ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔

لاریلا نے رومال اور صلیب ٹوکری میں ڈال لئے۔ لیکن جب انتونیو نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ چونک پڑا۔ آنسوؤں کے قطرے اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

اس نے گھبراکر پوچھا " لاریلا! خیر تو ہے تم سر سے پیر تک کانپ کیوں رہی ہو۔

بالکل اچھی ہوں۔ مگر اب مجھے جانا چاہیئے

لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ دروازے کی طرف بڑھی اور دیوار سے سر ٹیک کر رونے لگی قبل اس کے کہ انتونیو آگے بڑھے وہ پلٹی اور بانہیں اس کی گردن میں ڈال دیں۔

میں اس زندگی کو برداشت نہیں کرسکتی اس نے ملاح کو زور سے پکڑتے ہوئے کہا جیسے کوئی دنیا کو چھوڑنے والی روح اپنے جسم سے چمٹی جارہی ہو۔

میں برداشت نہیں کرسکتی۔ تم مجھے اتنی نرمی سے۔ اتنی محبت سے جانے کے لئے کہہ رہے ہو۔ آہ اگر میری ان سب حرکتوں کے باوجود بھی تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو مجھے اپنے پاس . . . .

مجھے اس طرح اپنے پاس سے نہ جانے دو

لاریلا کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ اس سے آگے کچھ نہ بول سکی۔

انتونیو نے اس کے نازک جسم کو سہارا دیتے ہوئے کہا۔

اگر میں تم سے اب بھی محبت کرتا ہوں۔ اس نے آخر کار کہا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میرا دل خون ہوکر زخم کی راہ بہہ گیا۔ میرے سینہ میں ایک دھڑکتا ہوا دل ہے۔ کیا تم اس کی آواز سن رہی ہو۔ تم یہ خیال نہ کرو کہ چونکہ میں نے تمہاری وجہ سے دکھ اٹھایا ہے اس لئے تم پر میرا حق ہے۔

نہیں لاریلا نے اس کے کاندھے پر سے سر اٹھاکر اپنی پرنم آنکھیں اس کے چہرے پر جماکر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

مجھے شکست ہوئی انتونیو۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ مجھے اب کہنے دو۔ چونکہ میں تم سے محبت کرنے سے ڈرتی تھی اس لئے چڑچڑا کرتا کیا کرتی تھی لیکن اب ایسا نہ کرونگی۔

پھر اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ کو چھڑاکر کہا۔ " اب سو رہو اور اپنا ہاتھ اچھا ہونے دو۔ نہیں میرے ساتھ نہ آؤ۔ میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی۔ تمہارے سوا۔

وہ آہستہ سے باہر نکل کر تاریکی میں غائب ہوگئی۔

وہ کھڑکی کے پاس کھڑا ساکن سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نیلے آسمان پر روشن ستارے رقص کرتے ہوئے معلوم ہورہے۔

کرسی پر بیٹھا پادری خود بخود مسکرا رہا تھا۔ اور خود بخود کہہ رہا تھا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ لاریلا کو جو اتنی ضدی اور مغرور لڑکی تھی اتنی جلدی شکست ہو جائے گی۔ ہماری آنکھیں کوتاہ بین ہیں۔ میں اتنے دن اور زندہ رہوں کہ اپنے باپ کے بجائے لاریلا کا اکلوتا بیٹا مجھے اپنی کشتی پر کھیے کرلے جائے۔

صفحۂ صحت

زکام و نزلہ اور اُس کا علاج

(ایک ماہر طبیب کے قلم سے)

نزلہ یوں تو ناک اور گلے کی اندرونی جھلی کے متاثر ہوجانے سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس اصطلاح کو ذرا وسیع معنی میں استعمال کیا جائے تو نزلہ ہر اس جگہ ہو سکتا ہے جہاں غشاء مخاطی ہو۔ مثلاً معدہ اور آنتوں کا نزلہ بھی کچھ عام نہیں ہے لیکن لوگ اسے نزلہ کے نام سے نہیں جانتے۔ نزلہ کے معنی ہیں تراوش یعنی جس مقام کی غشاء مخاطی میں ورم ہوکر تراوش شروع ہوجائے وہی نزلہ ہے۔

یہاں ہم تنفس کی نالیوں کے نزلہ سے بحث کریں گے۔ اس لئے کہ ناک گلے اور نرخرے کی جھلیوں کا نزلہ عام ہوجاتا ہے اور بہت ہی زیادہ پھیل رہا ہے۔ اس کے بار بار سخت و تکلیف دہ قسم کے حملوں کو دیکھ کر لوگ اس سے بچا طور پر ڈرنے لگتے ہیں۔ اور بعض تو اس قدر تنگ آ گئے ہیں کہ وہ اسے لاعلاج امراض کی فہرست میں شمار کرنے لگتے ہیں۔ اصل میں یہ واقعہ بھی ہے کہ بچے اور بالغوں کا نزلہ تو خیر جلد آرام ہوجاتا ہے لیکن ادھیڑ عمر کے یا اس سے زیادہ عمر کے لوگوں کے نزلہ کو آسانی سے آرام نہیں ہوتا۔ اگر مریض میں قوت حیات اور قوت ارادی دونوں موجود ہیں اور مرض اس قدر نہیں بڑھ گیا ہے کہ غشائے مخاطی خراب ہو رہی ہو تب تو علاج جلد یا بہ دیر ہوجاتا ہے اور مریض مکمل طور پر صحت یاب ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر غشائے مخاطی تباہ ہوچکی ہو تو اس صورت میں آرام و صحت ناممکن ہے۔ البتہ مریض کی تکالیف کم کی جاسکتی ہیں اور وہ بڑی حد تک آرام و سہولت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ لیکن اس کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے کہ بد پرہیزی اور بدعنوانیاں پھر اسے مبتلائے مرض کردیں گی اور وہ صحت و سکون سے بہت دور جا پڑے گا۔

یہ خیال رہے کہ غشاء مخاطی بڑی سخت جان جھلی ہے اور بہت عرصہ اور طویل قسم کی بیماری کے بعد کہیں اس کے تباہ و خراب ہونے کی نوبت آتی ہے۔ اس کی یہی خصوصیت ہمارے لئے امید افزا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ شدید و مزمن قسم کی صورتوں کے علاوہ نزلے کا ہر مریض صحتیاب ہوجاتا ہے۔

نزلے کا بنیادی سبب رہنے سہنے اور کھانے پینے کی غلط عادات کو بتایا جاتا ہے۔ اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے۔ گوشت کا استعمال، شکر اور مٹھائیاں وغیرہ کا دونوں وقت یا ایک وقت دسترخوان پر ہونا یہ سب مل جل کر جسم میں کچھ ایسے کیمیائی تغیرات پیدا کرتے ہیں جن کی وجہ سے فضلے کا اخراج جسم سے اچھی طرح نہیں ہوتا نتیجہ اس کا ظاہر ہے کہ آنتیں متاثر ہوجاتی ہیں اور جو گیس اس میں فضلے کے دیر تک رہنے کی وجہ سے پیدا ہوکر اوپر چڑھتی ہیں۔ وہ گلے اور ناک کی غشائے مخاطی کو متورم کردیتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص نزلے کا علاج محض ایسی دوائیں پی کر کرتا ہو جس سے ناک اور گلے پر فوراً اثر ہوچکا ہے۔ وہ دور ہوجائے تو یہ علاج عارضی نوعیت کا ہوگا اور چونکہ غذائی احتیاطیں بالکل نہیں برتی جارہی ہیں اس لئے بہت جلد پھر وہی صورت حال پیدا ہوجانے گی اور نزلہ پھر شروع ہوجائے گا۔ اس غلط علاج کا سب سے برا اثر ناک اور گلے کی غشائے مخاطی پر پڑتا ہے۔ بار بار متاثر ہونے کی وجہ سے اس میں موسمی تغیرات کے مقابلہ کی قوت نہیں رہتی اور نزلہ کا ہر حملہ اس کو خراب سے خراب تر بناتا چلا جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا ہے کہ وہ علاج پذیر نہیں رہتی اور مریض دائمی نزلے کا شکار ہوکر رہ جاتا ہے۔

اس کے علاج کا ایسی صورت میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ مریض گوشت کا استعمال بالکل ترک کردے روزانہ دونوں وقت تازہ ترکاریوں کا سلاد اس کے دسترخوان پر ہونا چاہیئے اور بے چھنے گیہوں چنے یا جو کی روٹی، دال، کچھ پیاز، کھٹی اور اسی قسم کی سادہ چیزیں بھی دسترخوان پر ہوں تو تغذیہ جسم میں کوئی کمی بھی واقع نہیں ہوگی اور فاضل رطوبات اور فضلے کا اخراج بھی جسم کے تمام مخارج سے ہوتا رہے گا۔

شکر اور نشاستہ دار چیزوں کا استعمال نزلہ کے مریض کو بڑی حد تک کم کردینا چاہیئے۔ بازاری مٹھائیوں کی تو خیر اس کے جسم کو نہ پہلے ضرورت تھی اور نہ اب ہے۔ یہ تو محض انسان ذائقہ اور منہ کے چٹورپن کی خاطر کھاتا ہے۔ لیکن چونکہ نزلے کے مریض کے لئے میٹھی چیزیں زہر کا حکم رکھتی ہیں اس کو اسے تو ان سے قریب قریب توبہ ہی کرلینی چاہیئے میٹھے اور شیریں پھل اس کے بجائے جتنے استعمال کئے جاسکتے ہیں کئے جائیں تاکہ منہ کے مزے کی بھی تسکین ہوتی رہے اور وہ خرابیاں بھی نہ پیدا ہوں جو شکر اور ثقیل اشیا کے استعمال سے ہوسکتی ہیں۔

یہ تو ہوا غذا کے متعلق، اب لیجئے رہنے سہنے کے طریقے کے متعلق، تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ایسے مریضوں کے لئے روزانہ تین بار کھلی ہوا میں گہرے گہرے سانس لینے ضروری ہیں، وہ کمرہ یا مکان جس میں وہ رہتے ہوں ہوادار ہونا چاہیئے۔ اور گہرے گہرے سانسوں کے ساتھ یا تو کوئی ہلکی ورزش کرنی چاہیئے یا پھر صبح و شام اتنی ہوا خوری کرنی چاہیئے کہ جس کے بعد تھکن نہ ہو جیسے پانی کی جسم کو سہار ہو اس سے روزانہ گرمی میں دو وقت اور جاڑے میں ایک وقت ضرور غسل کرنا چاہیئے۔ ایسے مریض کو ۸ گھنٹے سے کم نیند نہیں لینی چاہیئے کہ نیند کی کمی بھی غشاء مخاطی پر اثر انداز ہوکر نزلے کا باعث ہوجاتی ہے یا کم سے کم مدد معاون تو ہوتی ہی ہے۔ چائے کوکو قہوہ وغیرہ محرکات کے بجائے معمولی پانی اور دودھ کا استعمال بھی نزلے کے علاج میں ضروری ہے۔ وہ وقت سے زیادہ کھانا نہ کھایا جائے اور ہمیشہ بھوک سے کچھ کم ہی کھایا جائے۔

نزلے کا اثر کانوں پر بھی پڑتا ہے جس کی وجہ سے بعض لوگ بہرے ہوجاتے ہیں یا اونچا سننے لگتے ہیں۔ وہ نوجوان مریض جنھیں نزلہ تازہ تازہ شروع ہوجاتا ہے اور وہ اس کی وجہ سے بہرے تک ہوگئے ہیں جلد علاج پذیر ہوسکتے ہیں لیکن وہ لوگ جو پندرہ پندرہ بیس بیس سال سے اس موذی مرض میں مبتلا ہیں ان کا بہرا پن لاعلاج صورت اختیار کرلیتا ہے۔ ایسی صورت میں مریض کی حالت کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنایا جاسکتا ہے لیکن مکمل طور پر صحت کی ضمانت نہیں لی جاسکتی۔

ایک عام خیال نزلے کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ بیماری جراثیم سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ تو در اصل خون میں فاسد مادوں کی موجودگی اور نظام ہضم دو رفع خراب ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا خون صاف نہیں رہتا اور اس میں سمیت شامل ہوجاتی ہے۔ یہی صورت حال جب کچھ عرصے برابر چلتی رہتی ہے تو جسم میں نزلہ قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور پھر کسی معمولی سی تحریک پر نزلہ شروع ہوجاتا ہے۔ بلاشبہ نزلے کے مریض میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں جراثیم بھی ہوتے ہیں۔ اور ایسے نزلے کی بڑھی ہوئی حالت کا علاج تو طبیب ہی کرے گا۔ لیکن اگر انسان چند چیزوں کا خیال رکھے تو نزلہ و زکام اسے اس قدر نہیں ستائے گا کہ باقاعدہ حکیم و ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا پڑے۔ مندرجہ بالا سطور میں بھی غذائی و دیگر تدابیر بتائی ہیں۔ یہاں پر قدرے تفصیل کے ساتھ ان کا اعادہ کیا جاتا ہے تاکہ اس بیماری کے اصول علاج سے ہر شخص بخوبی واقف ہوجائے اور ان حفاظتی تدابیر کو پیش نظر رکھے جس پر عمل پیرا ہونے سے انسان کو نزلہ بار بار نہیں ستاتا۔

آنتوں کی فعلیت کو صحیح رکھا جائے تاکہ قبض نہ ہونے پائے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پھل اور سبزیوں کا استعمال کثرت سے کیا جائے اور روٹی ہمیشہ بے چھنے آٹے کی استعمال کی جائے۔ صبح اٹھتے ہی نہار منہ ایک گلاس پانی پی لیا جائے۔ تو یہ بھی بہت مفید ثابت ہوگا لمبے لمبے اور گہرے گہرے سانس لئے جائیں اور کچھ ورزش بھی کی جائے۔ اس سے دوران خون صحیح ہوجائے گا اور معدے اور سینے میں اجتماع خون کی کبھی بھی نوبت نہ آئے گی۔ پانی کی کافی مقدار روزانہ پی جائے۔ ۶-۷ گلاس روزانہ سے کم نہ پیا جائے تاکہ جسم اچھی طرح دھل بھی جائے اور اس کو پانی کی جتنی ضرورت ہے وہ بھی پوری ہوجائے۔ روٹی۔ گوشت۔ آلو اور شکر کا استعمال کم کیا جائے۔ اور پھل، سبزیوں اور ترکاریوں کا استعمال زیادہ کیا جائے۔ بعض لوگ پھلوں کو بھی شکر سے شیریں کرکے کھاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ سبزیوں اور ترکاریوں کے ابلے ہوئے پانی کو نکال کر اس کی جگہ گوشت کا پانی یا یخنی ڈال کر پکانا بھی غلط ہے۔

نزلے کی ابتدائی حالت کا نام زکام ہے اگر آپ اس کے شروع ہونے سے پہلے ہی یا شروع ہوتے ہی اپنے گھر میں اس کا تدارک کرلیں تو شاید کبھی بھی آپ نزلے میں مبتلا نہ ہوں جنھیں زکام ہوچکا ہے وہ سابقہ تجربے کی بنا پر یہ بتا سکتے ہیں کہ اب زکام شروع ہونیوالا ہے۔ لہذا ان کے ساتھ جب کبھی یہ صورت پیش آئے سب سے پہلے انھیں انیما (حقنہ) لے کر اپنی آنتیں صاف کرلینی چاہئیں تاکہ خوب پسینہ آجائے، پھر کچھ اوڑھ لپیٹ لیا جائے تاکہ گرمی سے سردی کی طرف جلد منتقل ہونے کا خطرہ جاتا رہے۔ ٹھنڈا یا ہلکا سا گرم پانی جیسا طبیعت اس وقت مانگے پینا چاہیئے۔ اور تین چار وقت کا مکمل فاقہ کرنا چاہیئے یہاں تک کہ زکامی طبیعت جاتی رہے۔ زکام کے آثار شروع ہونے پر اس حملے سے بچ جانے کے لئے یہ بہترین اور سریع الاثر تدارک ہے جس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

نزلے کے بیشمار نقصانات ہیں۔ غشائے مخاطی اس سے خراب ہوتی ہے پھیپھڑوں میں جو ہوا جاتی ہے، وہ اچھی طرح صاف ہوکر نہیں جاتی چنانچہ بہت سی تکلیف دہ اور ہیجان انگیز چیزیں پھیپھڑوں میں داخل ہوکر انھیں کمزور اور خراب کرنے لگتی ہیں اور مریض نمونیہ، دق اور ورم نرخرہ کا آسانی سے شکار ہوجاتا ہے اس کے علاوہ خون کو جتنی آکسیجن کی ضرورت ہے وہ بھی اسے نہیں ملتی جسکی وجہ سے تمام نظام جسمانی پر نہایت ہی برا اثر پڑتا ہے۔

نزلہ اور قبض کا چولی دامن کا ساتھ ہے بعض اوقات نزلے کی وجہ سے قبض ہوجاتا ہے اور بعض حالات میں قبض سے نزلہ ہوتا ہے۔ لیکن اکثر حالات میں پرانے قبض کو نزلے کی پیدائش میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ ابتدا میں نہ تو نزلہ ہی خود کوئی مستقل بیماری ہوتی ہے اور نہ قبض ہی بلکہ دوسری خرابیوں کی علامات ہوتی ہیں۔ لیکن جوں جوں یہ صورت حال مزمن ہوتی جاتی ہے، اصل خرابیوں کے دور ہونے کے باوجود بھی یہ علامتیں مستقل صورت اختیار کرلیتی ہیں اور انھیں علیحدہ علیحدہ مرض کہنا بے جا نہیں ہوتا۔

نزلے نے انسانی زندگی کو مصائب و آلام میں جتنا زیادہ آج کل گھیرا ہے شاید ہی کبھی اس سے زیادہ گھیرا ہو۔ اس سے انسان کی قوت کارکردگی پر برا اثر پڑتا ہے۔ ویسے تو ہر بیماری انسان کو بیکار کردیتی ہے۔ لیکن نزلہ انسان کی قوت حیات کو کم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا مریض یا تو ہر وقت ناک سنکتا رہتا ہے۔ یا پھر بار بار کھنکار کر گلا صاف کرتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ سوسائٹی میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہتا۔ اور اگر کبھی اس حال میں اسے کہیں کسی مجلس یا محفل میں شریک ہونا پڑے تو اس کو اس بدتمیزی کا احساس مارے ڈالتا ہے۔

نزلے کا علاج بغیر کسی طبیب کی امداد کے بھی ممکن ہے۔ لیکن اس کا انحصار مریض کی اپنی شخصیت و ہمت پر ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں ایک مرتبہ کچھ ہدایات دیدیں۔ اور انھوں نے ان پر سختی سے عمل کرنا شروع کردیا تو وہ بغیر کسی طبیب و ڈاکٹر کی مدد کے نزلے سے نجات پاسکتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو روز مرہ اکسانا پڑتا ہے وہ دوسرے آدمی کی نگرانی میں تو عمل کرسکتے ہیں ان کے لئے ابتدا میں کچھ عرصے نگرانی اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ انسان کا بیشتر حصہ مؤخر الذکر طبقے سے تعلق رکھتا ہے جو بغیر چلائے چلتا ہی نہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

ادب پارے

(از محترمہ اشتیاق ناہید نوری)

۱۔ سکھی سے

سکھی! بھولے پیتم کہتے ہیں
میرے من میں سلگتی ہوئی پریم کی
آگ ٹھنڈی ہو گئی۔
میرے من میں چھلکتی ہوئی پریم کی جمنا سوکھ گئی۔
من نے پریم کا ایک سوانگ بھرا تھا
اب میرے من میں وہ تڑپ نہ رہی وہ جلن
نہ رہی۔
ہائے انھیں کیونکر سمجھاؤں کہ
آگ جب سلگتے سلگتے بھڑک اٹھتی ہے تو
اس میں دھواں نہیں اٹھتا۔
ندی بھر کر جب دونوں کناروں سے مل کر
بہنے لگتی ہے تو اس کا چھلکنا بند ہو جاتا ہے۔
سکھی! انھیں کیونکر سمجھاؤں کہ اب میرے
من میں چھلکتی ہوئی پریم کی جمنا اتھاہ ہو گئی
ہے۔

۲۔ دیوانہ ساز موسم

سکھی! رت سہانی ہوتی جا رہی ہے۔
صبح سہانی، رات سہانی، شام دلفریب
راتیں جنون انگیز معطر ہوا مہکی مہکی فضا
دل کو گدگداتی ہے۔
سوئے ہوئے جذبات کو جگاتی ہے۔
گاؤں کے پیچھے آم کے باغ میں کوئل بولنے
لگی۔
رات کے پچھلے پہر پپیہے کی درد بھری آواز
کانوں میں پڑی ——— "پی کہاں"
دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ منہ سے ایک
ٹھنڈی سانس کے ساتھ نکل گیا
"ارے پپیہا باورے پیو پیو مت کوک"
سکھی! یہ موسم کہیں مجھے پاگل نہ بنا دے"

(۱) سکھی سے

(از محترمہ اوشا رانی لے)

سکھی! بسنت رتوں کی رت آئی۔ آموں
کے باغ پر کالی گھٹا چھائی۔
جاگتے میں بھی رنگین سپنے دیکھنے کے دن آئے۔
سکھی! یہ منوہر رت کہیں بارہ ماس رہتی
سارے دن رنگین رات اور منوہر شام بن جاتے
سکھی۔ بسنتوں کی رت آئی ——— آ ہم بھی
اپنی آنکھوں میں منوہر سپنوں کا سنسار
بسائیں۔

(۳) بربط نواز سے

بربط نواز! ——— خدارا
میرے ٹوٹے ہوئے دل کے تار نہ چھیڑ
خدارا کوئی ایسا نغمہ سنا۔ جسے سن کر
میرے دل کے زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جائیں
سکھ سے بھرے ہوئے دل۔ دکھی دلوں
کا درد کیا جانیں

پچھلے صفحے سے آگے

یہی وجہ ہے کہ نزلہ وزکام پر اس قدر دھیان لینے کے بعد بھی لوگ اس کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

ختم کرنے سے پہلے میں چند اہم نکات کو نمبروار دہرائے دیتا ہوں تاکہ ناظرین کو یہ بادہ تمام ہدایات مل جائیں جو تمام مضمون میں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ اور مضمون پڑھنے کے بعد وہ اس قدر دماغ میں مستحضر ہو جائیں کہ پھر انسان کبھی انھیں بھولے ہی نہیں۔

(۱) اپنی آنتوں کو ایسی تربیت دیں کہ کم سے کم ایک ایک یا دو مرتبہ فصل کر اجابت ہونے لگے

(۲) دن میں جب بھی موقع میسر آئے گہرے گہرے سانس لیجئے۔ اس ہی سینے کو پھلانے اور پیٹ کو دھنسانے کی مشق کرتے کرتے عادت بھی ڈال لیجئے۔ آپ کا کمرہ رات کو سوتے میں کافی ہوادار ہونا چاہیئے۔

(۳) صبح وشام جسمانی ورزش کی ضرورت ہے تاکہ دوران خون سست نہ پڑنے پائے اور جسم کا ہر گوشہ سیراب ہو جائے۔

(۴) جلد کی دوران خون کا قائم رکھنے کے لئے روزانہ ۵ منٹ۔ ۱۰ منٹ تمام جسم کی گردن سے لے کر پیر دن تک اچھی طرح مالش کیجئے اس کے لئے تیل کی ضرورت نہیں محض ہاتھ کی ہتھیلیوں سے کام لیجئے۔ خواہ آپ لکھ پتی ہی کیوں نہ ہوں یہ کام خود ہی کیجئے کسی مالشئے کو اس کام کے لئے نہ رکھیئے۔ ہاں کبھی کبھی سارے جسم کو تیل سے مالش کرانے میں بھی کوئی مذائقہ نہیں اس کے لئے آپ دوسرے کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔ پیٹ کو وقتاً فوقتاً اندر باہر اندر باہر کرتے رہیئے۔ اس سے پیٹ کا دوران خون بھی تیز ہو جائے گا۔

(۵) اگر آپ تمباکو اور الکحل کے استعمال کے عادی ہو گئے ہیں تو جتنے جلد آپ انہیں چھوڑ سکیں چھوڑ دیجئے۔

(۶) پانی ایک عمدہ پینے کی شے ہے اسے اتنا پیجئے کہ جسم خوب صاف ہو جائے قہوہ اور چائے کے استعمال کیجئے خون میں سمیت ہی شامل ہوگی

(۷) متوازن غذا کھانی سیکھئے اس کا طریقہ یہ ہے کہ موسمی سب چیزیں کھایئے۔ لیکن تازہ پھل اور سبزیوں کا سلاد نہ کھانا چھوڑیئے انھیں کچا بھی کھلیئے اور پکا کر بھی آلو اور دہی۔ شکر اور گوشت کا استعمال کم کیجئے جو کچھ کھایئے اچھی طرح چبا کر کھایئے۔ دو تین وقت سے زیادہ ٹھوس غذا نہ کھایئے اور درمیانی وقفہ میں سوائے پانی کے اور کچھ نہ کھلیئے۔ اپنے دانتوں کو صاف رکھئے اور صبح اٹھتے ہی نمک کے پانی کے غراروں سے منہ اور حلق کو اچھی طرح صاف کر لینا چاہیئے۔

یہ خیال ہے کہ ان تدابیر سے آپ نزلے ہی کا تدارک نہ کریں گے بلکہ جسم کو اس قدر قوت پہونچاویں گے کہ دیگر عوارض سے دہری حد تک محفوظ و مامون ہو جائے گا۔ ان تمام ہدایات کو خوب ہضم کر لیجئے اور پھر قوت ارادی سے کام لیکر نزلہ کو جڑ بن سے اکھاڑ پھینکئے

کاہلی اور تباہی دونوں بہنیں ہیں ایک ہی جگہ جنم لیتی رہیں۔

جوانی کی بد پرہیزیاں بڑھاپے میں دکھ دیتی ہیں۔

دستور ساز اسمبلی

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

لیکن یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو یورپ میں جنگ چھڑ گئی۔ کانگریس نے وزارتوں سے استعفا دیا۔ اور دستور ساز اسمبلی کے مطالبے کو نیکر زوروں پر آگے بڑھی۔ رام گڑھ کے سالانہ اجلاس (۱۹۴۰ء) میں ایک اہم تجویز پاس ہوئی جس میں دستور ساز اسمبلی کا پرزور مطالبہ کیا گیا تھا۔ جہاں تک فرقہ وارانہ سوال کا تعلق ہے اس کے حل کا بھی بہتر ذریعہ دستور ساز اسمبلی کو تبلایا گیا اور یہ کہا گیا کہ فرقہ وار سوال کا حل ——— "صرف دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ ممکن ہے جس میں تمام اقلیتوں کے حقوق آپس کے سمجھوتے سے محفوظ کر دیتے جائیں گے اور اگر کسی معاملے پر اتفاق نہ ہو سکے گا۔ تو وہ معاملہ ثالثی کے ذریعہ طے کر لیا جائے گا"۔

مسلم لیگ

ابتدا میں مسٹر جناح نے دستور ساز اسمبلی کے مطالبے کا مذاق اڑایا۔ اس کے بعد لاپروائی برتی اور آخر میں پرزور مخالفت شروع کر دی۔ مسٹر جناح کی ایک تقریر ملاحظہ ہو۔

"پھر اس دستور ساز اسمبلی پر) میرے اور بھی اعتراضات ہیں۔ تاریخی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے یہ ایک مہمل تجویز ہے۔ ایک غیر ملکی طاقت سے یہ کہنا کہ وہ ایک دستور ساز اسمبلی بنا دے اسے برطانیہ اس ملک میں نافذ کرنے کے بعد کوچ کر جائے انتہائی حماقت ہے۔ دستور ساز اسمبلی اسی وقت معرض وجود میں آتی ہے جبکہ عوام الناس حکومت سے طاقت چھین لیتے ہیں"۔

(تقریر مسلم یونیورسٹی یونین ۶ مارچ ۴۰ء)

غرضیکہ مسلم لیگ نے دستور ساز اسمبلی کی مخالفت کی۔ اسی مخالفت کی شدت سے پاکستان کا مطالبہ پیدا ہوا۔ بہ حال ۱۹۴۲ء میں سر سٹیفورڈ کرپس برطانوی اعلان لے کر آئے جس میں دستور ساز اسمبلی کا مطالبہ مان لیا گیا تھا اور ۱۹۴۶ء کے وزارتی مشن نے بالآخر ایک دستور ساز اسمبلی بنا ہی دی۔

دستور ساز اسمبلی کے فرائض

دستور ساز اسمبلی کے قیام کے بعد اب ہمیں ہندوستان کی آزادی میں مطلق شک و شبہ نہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ دستور ساز اسمبلی اور آزادی ہم معنی الفاظ ہیں۔ ایک خالص ہندوستانی جماعت کو دستور بنانے کا اختیار دینا ہی اس کی حاکمیت کو تسلیم کر لینا ہے۔ لہذا دستور ساز اسمبلی کو بلا خوف و ہراس مکمل طور پر ایک آزاد ہندوستان کے دستور کی تشکیل کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے۔ اور یہ چیز قطعاً دھیان میں نہ رکھنا چاہیئے کہ برطانیہ اسے تسلیم بھی کرے گا یا نہیں۔ دستور ساز اسمبلی جو کچھ بھی طے کرے گی برطانیہ کو اسے تسلیم کرنا ہی پڑے گا اور اگر وہ تسلیم نہ کریگی تو ملک کی انقلابی طاقتیں اسے تسلیم کرا کے چھوڑیں گی اور اس کام کے لئے ہندوستان کو ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستان کے تمام انقلابی عناصر کو متحد ہو کر اس دستور ساز اسمبلی کا پشت پناہ بن جانا چاہیئے اور اس کے پیچھے ایک ایسا [illegible] پیدا کر دینا چاہیئے کہ دستور ساز اسمبلی کی آزادی پر کوئی دست درازی نہ کر سکے۔

ہندوستان کا جو بھی دستور بنے اس کے اندر ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل سوالات کو اولین اہمیت دینا چاہیئے۔

(۱) ووٹ کا حق ہر بالغ کو ملنا چاہیئے۔

(۲) ہر تندرست شخص کے لئے روزگار مہیا کرنا حکومت کا فرض ہوگا اور ہر شخص کو اتنا معاوضہ دیا جائے گا جس سے وہ انسانوں کی زندگی بسر کر سکے۔

(۳) اہم مصنوعات اور معدنیات شخصی نہیں بلکہ قومی ملکیت ہونگی۔

(۴) زمین سے متعلق تمام پرانے فرسودہ نظام منسوخ کر کے زمین کو کسانوں کی ملکیت قرار دیا جائیگا اور مشترکہ کھیتی کا رواج قائم ہوگا۔

(۵) گاؤں کی پنچایت کو از سر نو زندہ کیا جائے اور وہ اسٹیٹ کی بنیادی اینٹ ہوں۔

(۶) تمام جاگیردارانہ نظام اور دیسی ریاست کی لعنت کو ختم کیا جائے۔

(۷) تمام باشندگان ہند کے بنیادی حقوق کا اعلان کیا جائے، جس میں تقریر و تحریر اور اجتماع و انجمن، مذہب کی آزادی، اور مساوات تسلیم کی جائے۔

(۸) تمام اقلیتوں کے مذہب تمدن زبان رسم خط وغیرہ کی محافظت کی ضمانت ہو۔

(۹) عام طور پر مفت جبریہ تعلیم رائج ہوگی۔

ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان کی تمام پارٹیوں کو متحدہ طور پر اور یہ ناممکن ہو تو کانگریس کو جلد از جلد ایک منشور جاری کرنا چاہیئے اور ان معاملات کے متعلق ہندوستان کے عوام الناس کو اور اقلیتوں کو اطمینان دلانا چاہیئے اور اگر دستور ساز اسمبلی یہ طریقہ اختیار کرے کہ تمام اہم سوالات پر فیصلہ کرنے سے قبل اسے شائع کر کے عوام کی رائے معلوم کرے تو یہ طریقہ نہایت مناسب ہے۔

آخر میں ہم پنڈت جواہر لال کے زریں اقوال پر یہ باب ختم کرتے ہیں جو آپ نے چار سال قبل سر کرشنا مورتی کی کتاب کے پیش لفظ میں کہے تھے۔

" دستور ساز اسمبلی سے کوئی ایسا اجتماع یا وکیلوں اور قانون دانوں کی مجلس مراد نہیں ہے، جو محض دستور سازی کے لئے جمع ہوئے ہوں۔ اس کا دستور ساز اسمبلی کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم حرکت میں ہے۔ اس طرح یہ تصور ایک واضح انقلابی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے دستور ساز اسمبلی کو اس پس منظر سے الگ کر کے دیکھنا گویا اس کی اہمیت کو قطعاً نظر انداز کر دینا ہوگا۔ ہماری آزادی کے مطالبے کے پیچھے بڑے بڑے سماجی اور معاشی سوال ہیں جو فوری حل کے متقاضی ہیں جو دستور ان سوالوں کو حل نہ کر سکے گا وہ محض چند روزہ ہوگا دنیا کے دوسرے حصوں میں اس قسم کے سوالات موجودہ جنگ کا باعث بن گئے ہیں جس میں مختلف سامراج ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں لہذا اگر دنیا میں امن اور آزادی کا وجود قائم رکھنا ہے تو سامراجی نظام کو نابود ہونا چاہیئے اور ایک نیا نظام قائم ہونا چاہیئے۔ اس نئے نظام کی بنیاد سوشلسٹ اصولوں پر کرنا ہوگی۔

دنیا کا چکر

اتحادی قوموں کی کانفرنس

اتحادی قوموں کی کانفرنس کا اجلاس ۲۳ اکتوبر تک کے لئے ملتوی ہو گیا ہے۔ جس میں کوئی شبہ نہیں کہ آئندہ اجلاس میں اس سے بھی زیادہ پیچیدہ مسئلے پیش ہوں گے جتنے موجودہ اجلاس میں پیش ہوئے تھے کیونکہ ابھی تو اس کے سامنے زیادہ تر یورپین ملکوں کے مسئلے پیش ہوئے تھے۔ اب ایشیائی ملکوں کے معاملے بھی پیش ہوں گے۔ مثلاً دکھنی افریقہ کے ہندوستانیوں پر وہاں کی حکومت نسلی امتیاز کی بنا پر جو ظلم کر رہی ہے وہ معاملہ اس اجلاس کے سامنے نہ صرف دکھنی افریقہ کے ہندوستانیوں کی طرف سے بلکہ حکومت ہند کی طرف سے بھی پیش ہوگا۔ دور پورب کے دو معاملوں میں ایک تو چین کا داخلی معاملہ جو کمیونسٹوں اور مرکزی حکومت کے درمیان ہے۔ دوسرے انڈونیشیا کا معاملہ جہاں ڈچ حکومت اور دیسی باشندوں کے درمیان کشمکش ہے۔ یورپ کے جو معاملے اس اجلاس کے سامنے پیش ہوئے تھے ان میں سب سے پیچیدہ دکھنی یورپ کے معاملے میں جہاں ٹریسٹی کے مستقبل کے بارے میں اٹلی اور یوگوسلاویہ کے درمیان زبردست اختلاف ہے۔

اسی اثنا میں برطانیہ کو کسی قدر اور امریکہ کو بہت زیادہ پریشانی روس کے رویہ کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ اتحادی ایسوسی ایشن کے نائب صدر لارڈ سسل نے تو اس ہفتہ صاف صاف کہہ دیا کہ اگر روس کا رویہ نہ بدلا تو اتحادی قوموں کی مشنری تتر بتر ہو جائے گی۔ روس کی خبر رساں ایجنسیاں اور اخبار ایسی ہی باتیں اتحادیوں کے متعلق کہہ رہے ہیں۔

فلسطین کانفرنس اور فلسطین

۹ ستمبر کو لندن میں فلسطین کانفرنس کا آغاز ہو گیا۔ مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ نے بہت محتاط لہجہ میں تقریر فرمائی۔ اس اجلاس میں عرب ہائی کمیٹی کے نمائندے تو شامل نہیں ہوئے۔ عرب لیگ کے نمائندے شامل ہوئے۔ مسٹر ایٹلی نے نمائندوں کو یقین دلایا کہ برطانیہ ہمیشہ عرب ممالک کے معاملوں میں ہمدردانہ دلچسپی لیتا رہا ہے۔ اور فی الحال مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لئے جو اسکیم (پروفیسر کوپ لینڈ کے ذریعہ) تیار کی گئی ہے وہ بھی اسی اسپرٹ میں ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ سکیم کوئی اٹل بندش نہیں ہے جو ممبر چاہے وہ اس میں ترمیم یا کوئی اور متبادل اسکیم پیش کر سکتا ہے۔ مسٹر ایٹلی نے یہ بھی کہا کہ فلسطین کا مسئلہ انفرادی طور پر کچھ اسی ملک کا مسئلہ نہیں ہے یہ ملک بجائے خود بہت چھوٹا سا ہے لیکن اس کا معاملہ عالمگیر پالیسی سے وابستہ ہے اور اس کا حل اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب مختلف مفادوں کے نمائندے رواداری کا سلوک برتیں۔ مسٹر ایٹلی کی اس اپیل کے باوجود دوسرے دن کی کارروائی موصول ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانفرنس میں جمود کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ عرب لیگ تقسیم فلسطین کو کسی صورت میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

ادھر فلسطین میں یہودیوں کی دہشت انگیزیاں زوروں پر ہیں۔ انھوں نے راتوں رات حملہ کرکے بہت سے اسٹیشن جلا دیئے۔ ریل گاڑیوں اور ریل کی پٹریوں کو نقصان پہنچایا اور بم استعمال کئے۔ عرب پولیس اور فوج کے ذریعہ ان کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔

غذائی کانفرنس

غذائی کانفرنس کا اجلاس کوپن ہیگن میں ہو رہا ہے اور اس میں مختلف ملکوں کی طرف سے تجویزیں پیش کی گئی ہیں بعض ملک پیداوار پر اور بعض تقسیم کے مسئلہ پر زیادہ زور دے رہے ہیں۔ پروفیسر رنگا سر سریواستوا اور پروفیسر رادھا کمل نے ہندوستان کے غذائی مسئلوں پر روشنی ڈالی ہے۔

مصر کا معاملہ

شاہ فاروق (خدیو مصر) آج کل سمندر کی سیر کر رہے ہیں۔ خبر ہے کہ ان کے واپس آتے ہی صدقی پاشا اور دوسرے ارکان وزارت استعفیٰ دیدیں گے اور مصر میں نئی کیبنٹ کی تشکیل ہوگی۔

ہندوستانی کرکٹ ٹیم

ہندوستانی کرکٹ ٹیم کئی مہینوں سے ولایت میں میچ کھیل رہی تھی۔ اب وہ میچ ختم ہو گئے ہیں اور اس سیزن میں اس ٹیم نے کل ۲۶ میچ کھیلے جن میں سے ۱۱ میں اسکی جیت ہوئی۔ چار میں ہار ہوئی۔ اور ۱۴ میچ وقت پورا نہ ہونے کی وجہ سے نامکمل رہ گئے۔ دس سال پہلے جب ہندوستان کی ٹیم باہر گئی تھی تو اس نے صرف ۴ میچ جیتے تھے اور گیارہ میں شکست ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاست کے میدان کی طرح کرکٹ کے میدان میں بھی ہندوستانی مائل بہ ترقی ہیں۔

برطانی کیبنٹ میں تبدیلیاں

برطانی کیبنٹ میں اسی ہفتہ تبدیلیاں ہونے کی خبر گرم تھی لیکن اب یہ معلوم ہوا ہے کہ مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ نے یہ تبدیلیاں آئندہ مہینہ کے لئے اٹھا رکھی ہیں۔ سر کرپس، مسٹر بیون، ہربرٹ موریسن اور ہیو ڈالٹن کا کیبنٹ میں رہنا یقینی ہے۔

چین

چین میں کچھ صلح کی بات چیت ہو رہی تھی اور یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ کمیونسٹوں اور مرکزی حکومت کے درمیان کوئی حل کی صورت نکل آئے گی لیکن کمیونسٹوں نے شرائط صلح کو نامنظور کر دیا ہے۔



سری راجگوپال اچاریہ گورنر جنرل ہندوستان ہوائی جہاز سے نئی دہلی تشریف لائے
اور اپنے عہدہ کا چارج لیا



مسٹر ایٹلی
وزیراعظم برطانیہ
نے لندن میں [illegible] کانفرنس
کا انتظام کیا



الفت چودھری پر دہلی کے سکھوں کا شاندار جلوس



پولیس بستی نئی دہلی میں مہاجرین پر وار توڑا کرتے جارہے ہیں



سردار سورن سنگھ
آپ کو سردار بلدیو سنگھ کی جگہ پنجاب اسمبلی کی اکالی پارٹی کا لیڈر اور وزیر ترقیات بنایا گیا ہے



بمبئی کی سڑکوں پر فوجی پہرہ

Printed and Published by Dharampal Gupta, at the Tej Press, [illegible] Road, Delhi

R.D. NO. L. 4993

تیج ویکلی
دہلی

The 'TEJ' Illustrated Weekly
DELHI



آچاریہ کرپلانی اور مولانا آزاد کانگریس کے اجلاس میں
مائکروفون پر



صدر کانگریس آچاریہ کرپلانی قومی جھنڈا لہرانے کی رسم
ادا کر رہے ہیں

NO 48 3 RD DEc 1946 VOL NO. 13

Leading Journal
OF NORTHERN INDIA

Price 4 Annas

ڈائرکٹر لالہ دیش بندھو گپتا
ایڈیٹر دھرم پال گپتا



لارڈ ویول
آپ برطانوی کیبنٹ سے مشورہ کرنے کے لئے لندن گئے ہیں



کانگریس کے اجلاس میرٹھ کے صدر آچاریہ کرپلانی کو استقبالیہ کمیٹی کی نائب صدر
مسز کملادیوی ہار پہنا رہی ہیں



مسٹر جناح
آپ برطانوی حکومت کی دعوت
پر لارڈ ویول کے ساتھ لندن گئے
ہیں



مسٹر جے پرکاش نرائن پنڈت نہرو سردار پٹیل اور ڈاکٹر راجندر پرشاد
کانگریس کے اجلاس میں



مسٹر لیاقت علی خاں
آپ بھی مسٹر جناح کے ساتھ لندن
گئے ہیں



میرٹھ میونسپل بورڈ کی طرف سے آچاریہ کرپلانی اور پنڈت جواہر لال نہرو کو ایڈریس
پیش کیا جا رہا ہے

تیغ و پیکاں

۳۰؍ دسمبر سنہ ۱۹۴۶ء

پھر ایک نئی کانفرنس!

برطانی حکومت کی طرف سے وائسرائے ہند لارڈ ویول، پنڈت جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، مسٹر محمد علی جناح، اور مسٹر لیاقت علیخاں کو پھر لندن آکر آئین ساز اسمبلی کی کارروائیوں کے بنیادی اصول پر گفت و شنید کرنے کی دعوت دی گئی ہے، ۱۶ رمئی والے اعلان میں جب آئین ساز اسمبلی اور انٹیرم گورنمنٹ یعنی ایک طویل عرصہ اور ایک مختصر عرصہ والی اسکیم پیش کی گئی تھی تو برطانی حکومت کی طرف سے یہ صاف کہہ دیا گیا تھا کہ یہ آخری اسکیم ہے، اس اسکیم کو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے منظور کر لیا تھا لیکن بعد کو جو جھگڑے پیدا ہوتے چلے گئے وہ سب کو معلوم ہیں اور اس سلسلہ کا آخری واقعہ یہ ہے کہ مسٹر جناح اپنے وعدے سے پھر گئے ہیں اور مسلم لیگ کی طرف سے آئین ساز اسمبلی کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا ہے!

برطانی گورنمنٹ کی نئی دعوت گفت و شنید کا سبب یہی ہے یعنی "ہنوز روز اول" ہی والا معاملہ ہے، اس موقع پر دو ہی قسم کے خیالات فطرتاً لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ خود حکومت برطانیہ اور کیبنٹ ڈیلیگیشن کی نیک نیتی مشتبہ قرار دی جائے اور اس نتیجہ پر پہنچا جائے کہ اب تک برطانی حکومت ہندوستان کی آنکھوں پر پٹی باندھنے اور طرح طرح کے حیلے بہانے سے وقت ٹالنے، اور ہندوستان کو آزادی نہ دینے کی کوشش میں مصروف ہے، اور مسلم لیگ یا اس کا ایک خاص ذمہ دار حلقہ برطانی حکومت کا ہاتھ بٹا رہا ہے، دوسرے یہ خیال کہ حکومت برطانیہ کی نیت مشتبہ نہیں ہے وہ ہندوستان کو آزادی دینا چاہتی ہے لیکن لارڈ ویول جو مسٹر چرچل کی کنزرویٹو پارٹی کے آدمی ہیں اور ہندوستان کی دفتری حکومت کے ذمہ دار افسران، برطانی حکومت کے مقصد کو ناکامیاب بنانا چاہتے ہیں اور اپنے اس کام میں مسلم لیگ کے تعاون کے خواہاں ہیں، اور "اینگلو لیگ" ساز باز کا ایک ایسا آلہ وجود میں آگیا جو آزادی ہند کی راہ میں روڑے اٹکا رہا ہے۔

ان دونوں میں کونسا خیال صحیح ہے؟ اس کا فیصلہ سردست مشکل ہے آپ کو اس سلسلہ میں روشنی حاصل کرنے کے لئے ان تقریروں کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو میرٹھ کے اجلاس کانگریس میں پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، اور اچاریہ کرپلانی وغیرہ نے کی ہیں لیکن ان تمام پیچیدہ معاملات کے اندر ایک چیز صاف دکھائی دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر برطانی کیبنٹ ڈیلیگیشن کی پیش کش مخلصانہ تھی تو اس کے بتلائے ہوئے راستے پر عمل کرنے سے ہندوستان کا مسئلہ حل ہو جاتا اور اگر مخلصانہ نہیں تھی جب بھی اس کے الفاظ کو گرفت میں لاکر اگر عملی کارروائیاں کی جاتیں اور لارڈ ویول اور اُن کی دفتری حکومت کے افسران خلوص کے ساتھ ان الفاظ پر کاربند رہتے، یا یوں کہئے کہ اگر منزل آزادی کی طرف کانگریس کے ہر قدم کو روکنے کے لئے ایک سسٹم کو "اینگلو لیگ" محاذ قائم نہ ہوتا تو انٹیرم گورنمنٹ اور آئین ساز اسمبلی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا، اور اس کی ضرورت ہرگز پیش نہ آتی کہ پھر ایک نئی کانفرنس لندن میں بلائی جائے اور تین چار ماہ کی مسلسل محنتوں اور جاں فشانیوں پر پانی پھیر دیا جائے۔

بہرحال اب جو صورت حال ہے وہ ملک کے سامنے ہے، مسٹر جناح اور مسٹر لیاقت علی خاں نے اس دعوت کو قبول کر کے وائسرائے کے ساتھ لندن جانے کا فیصلہ کر لیا ہے، کانگریس نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا ہے اور سکھوں نے بھی کانگریس کا ساتھ دیا ہے، تاہم تحریری واقعات سامنے آ گئے ہیں اس سلسلہ میں کانگریس کی پوزیشن بالکل صاف ہے، اس نے ۱۶ رمئی کی برطانی اسکیم کو من و عن منظور کر لیا ہے اور اس پر بھی رضامند ہو گئی ہے کہ اختلاف رائے اور تشریحات و توضیحات کے متعلق وہ فیڈرل کورٹ یا کسی عدالتی باڈی کے فیصلہ کو منظور کرے گی، اس سے زیادہ اب کہنے کی کوئی بات کانگریس کے پاس نہیں ہے اس لئے وہ دیکھتی ہے کہ اس کے نمائندوں کا پھر لندن جانا ایک بے سود عمل ہوگا، تازہ ترین اطلاع کہتی ہے کہ برطانی حکومت بھی اپنے ۱۶ رمئی کے اعلان سے پھرنے کا کوئی خیال نہیں رکھتی اور وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس بذات خود یہ کوشش کر رہے ہیں کہ کانگریس کے نمائندے ان کی اس دعوت کو ضرور قبول کر لیں، اور لندن کانفرنس میں شریک ہوں اس لئے ہمیں آئندہ واقعات کا انتظار کرنا ہوگا، غالباً جب یہ پرچہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہوگا کوئی صاف صورت

وہ صورت حال سامنے آچکی ہوگی کیونکہ آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ ۹ر دسمبر معین ہو چکی ہے اور بہت تھوڑا وقت باقی رہ گیا ہے۔

اجلاس کانگریس اور خطبہ صدارت

انڈین نیشنل کانگریس کا جو اجلاس میرٹھ میں ہوا، وہ تین اہم ترین اسباب کی بناء پر ایک تاریخی اجلاس تھا، اور کانگریس کے تمام گذشتہ اجلاسوں کے مقابلہ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا، پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اجلاس چھ سال کے بعد ہوا تھا اور اس چھ سال کے اندر ہندوستانی خیالات و جذبات میں بڑا انقلاب پیدا ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ اس عرصہ میں ایک عالمگیر جنگ نے، جو تاریخ کی سب سے بڑی جنگ تھی، ساری دنیا کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا، نئی نئی طاقتیں اور نئے نئے رجحانات پیدا ہو چکے تھے، دنیا کا نقشہ یکسر تبدیل ہو رہا تھا اور بین الاقوامی سیاسیات میں نئی نئی حالتیں رونما ہو چکی تھیں، تیسرے یہ کہ گذشتہ نصف صدی میں کانگریس کے تمام اجلاس ایسی حالت میں ہوئے جبکہ برطانی حکومت اپنے وائسرائے اور اس کی سفید فام ایگزیکٹیو کونسل کی شکل میں کام کرتی تھی اور اپنا آہنی پنجہ استعمال کرتی تھی، لیکن اس اجلاس کے موقع پر ایک انگریز بھی ایگزیکٹیو کونسل میں نہیں ہے اور وہ لیڈران جو ہمیشہ حکومت سے برسر جنگ تھے خود حکومت کے قلعہ کے اندر گھس چکے ہیں، اور چونکہ برطانی حکومت نے ایک اعلان کے ذریعہ ہندوستان کے حق آزادی کو تسلیم کر کے آزاد ہندوستان کا آئین بنانے کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی بنا دی ہے اور اس اسمبلی کا انتخاب بھی ہو چکا ہے اس لئے صورت حال قطعاً بدلی ہوئی ہے اور بہت سے نئے نئے نازک اور سنگین مسائل بھی پیدا ہو گئے ہیں جن میں بعض ایسے بھی ہیں جو خطرات سے لبریز ہیں اور کانگریس کو ان نئے خطرات کا مقابلہ کرنا ہے۔

اس اجلاس کانگریس کے بعد جو حقیقت ہمارے، بلکہ ساری دنیا کے سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ برطانی حکومت کا رویہ خواہ کچھ بھی ہو، وائسرائے اور نوکر شاہی کا رویہ خواہ کچھ بھی ہو کسی دوسری پارٹی اور اس کے لیڈروں کا رویہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن کانگریس کا راستہ اور کانگریس کی منزل مقصود بالکل صاف ہے اور اگر ایک خاص قسم کے حالات پیدا ہو گئے جو وہ نہیں چاہتی تو وہ پھر کسی قربانی سے باز نہیں آئے گی اور سامراج کے مقابلہ پر کھڑی ہو جائے گی، دوسرے لفظوں میں اس کی تشریح یہ ہے کہ کانگریس نے حکومت سے ایک مخلصانہ سمجھوتہ کر کے اس کی پیش کش کو قبول کر لیا ہے اس کی دلی خواہش یہی ہے کہ اسی آئینی اور پُرامن ذریعے سے ہندوستان کو آزادی حاصل ہو جائے اور حکومت کے اختیارات ہندوستانی ہاتھوں میں منتقل ہو جائیں لیکن اگر برطانی سامراج سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ کارگر نہ ہوگا اور حکومت برطانیہ یا اس کے ذمہ دار افسران دفع الوقتی اور لیت و لعل سے کام لیں گے جب بھی کانگریس اپنے نصب العین کے لئے جدوجہد کرے گی اور تمام مشکلات اور رکاوٹوں کو عبور کر کے ہندوستان کو منزل آزادی کی طرف لے جائے گی۔

اچاریہ کرپلانی کے خطبۂ صدارت میں ان مقاصد اور اُن کاموں کی ایک مکمل فہرست موجود ہے جو اس وقت ملک کے سامنے ہیں، اس خطبۂ صدارت کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہندوستانی سوراجیہ کی نوعیت اور اس کے تمام تفصیلی عناصر کھول کر بیان کر دئے گئے ہیں، مزید برآں صدر نے جذباتی اپیلوں سے پرہیز کر کے منطقی دلیلوں اور واضح حقیقتوں سے کام لیا ہے انہوں نے موجودہ صورت حال کی پوری تشریح کی ہے اور ہمیں خطرات سے بھی آگاہ کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آزادی اگرچہ حاصل نہیں ہوئی ہے مگر یقیناً ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ برطانیہ خواہ اس کا ارادہ کچھ بھی ہو اب ہمیں آزادی دینے سے انکار نہیں کر سکتا، "اگر آج ہمارا مقصد حاصل نہ ہوا تو یہ ہماری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہوگا"

اس وقت ہندوستان کو سب سے بڑا خطرہ فرقہ وارانہ جھگڑوں سے پیدا ہو گیا ہے جس سے برطانی رجعت پسند پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیں گے، اچاریہ کرپلانی کہتے ہیں کہ پھر بھی گھبرا کر ہمیں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیئے جو قومیت اور جمہوریت کی جڑوں کو کاٹ ڈالے، اس خطبۂ صدارت میں تعمیری کاموں پر بھی بہت زور دیا گیا ہے اور قومی مفاد و ترقی کے لئے صرف سیاسی آزادی نہیں بلکہ اقتصادی جمہوریت اور خوشحالی کا اصول پیش کیا گیا ہے تاکہ عوام کا معیار زندگی بہتر بنایا جا سکے۔

فرقہ وارانہ زہر کا تریاق

میرٹھ کے اجلاس کانگریس میں ملک کی فرقہ وارانہ صورت حال پر ڈاکٹر راجندر پرشاد کے ریزولیوشن کی تائید کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے جو تقریر فرمائی اس کو سارے ہندوستان کے لئے اور بالخصوص کانگریس اور ارباب کانگریس کے لئے ایک بہترین ہدایت نامہ سمجھنا چاہئیے اس وقت ملک میں جو فرقہ وارانہ تلخیاں پیدا ہو گئی ہیں اُن کے باعث کانگریس کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے ہندوستان میں کانگریس ہی ایک ایسی انجمن ہے جسے تمام ہندوستانیوں کی مشترک انجمن کہا جا سکتا ہے اس لئے جس طرح اس نے برطانی امپیریلزم کا مقابلہ کیا ہے اسی طرح اسے ہندوستانی کمیونلزم یعنی فرقہ وارانہ ذہنیت اور فتنہ و فساد کا مقابلہ کرنا ہے مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ کانگریس کو اگر زندہ رہنا ہے تو اس کو اس اہم ترین ذمہ داری کا بار پوری ہمت سے اٹھانا پڑے گا، آپ کے چند الفاظ قابل غور ہیں: "اگرچہ ہم اس صورت حال کو مقابلہ میں کچھ بے بس سے معلوم ہوتے ہیں لیکن ہمیں خیال رکھنا چاہئے کہ وہ واحد آرگنائزیشن جو اس کا مقابلہ کر سکتی ہے کانگریس ہی ہے"

ذرہ کو توڑنا یا شق کرنا

روسی سائنسدانوں نے ذرہ کو شق کرنے کا ایک نیا طریقہ دریافت کیا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ طریقہ برقی طاقت کو سطح زمین کے نیچے بہت گہرائی تک پہنچا دے گا، جب سے "ایٹم بم" وجود میں آیا دنیا کی ہر بڑی قوم "ذرہ" کو شق کرنے کی نئی نئی ترکیبیں دریافت کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے، سائنسدان کہتے ہیں کہ اب ذرہ کی طاقت سے تعمیری کام لیا جائیگا ہم سمجھتے ہیں کہ ہر نئی ایجاد دنیا کی تخریب اور انسانوں کی ہلاکت کا باعث بنتی چلی جا رہی ہے اہل سائنس یہ بھی کہتے ہیں کہ اب جنت سب پر ہوگی دیکھتے سمائیں ہوتے جاتے ہیں اور یہ واقعہ کرہ زمین کے لئے خطرے سے خالی نہیں ہے اور ہر متمدن ممالک سائنس پر زیادہ سے زیادہ قابو حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں اور اس کوشش میں یہ بھول گئی ہیں کہ خود پر اور اپنے اخلاق و جذبات پر کس طرح قابو حاصل کیا جا سکتا ہے ایسی حالت میں کوئی نئی ایجاد یا دریافت ہمارے لئے مسرت کا باعث نہیں ہو سکتی!

نقل آبادی کی مضحکہ انگیز تجویز

کوئی ہندو ہو یا مسلم ہو یا کسی دوسرے فرقہ کا فرد ہو، وہ کبھی اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرے گا کہ اپنے گھر بار اور تمام قدیم تعلقات کو چھوڑ کر رہنے کے لئے کسی دوسری جگہ چلا جائے انسانوں کو تو اپنے وطن کے در و دیوار اور گلی کوچے کی ٹھیکریوں تک سے محبت ہوتی ہے، لیکن مسٹر جناح فرماتے ہیں کہ اقلیتوں کا مسئلہ اس طرح حل ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے صوبوں سے ان کی اکثریت والے صوبوں میں منتقل کر دیا جائے، ہم حیران ہیں کہ اس مضحکہ انگیز اور مہمل تجویز کو کیا کہیں! چند دن پہلے مسٹر جناح یہ فرماتے تھے کہ ان کے مجوزہ "پاکستان" میں ہر اقلیت کی پوری حفاظت کی جائے گی اب وہ بڑی بڑی آبادیوں کو ترک وطن کرنے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں! مسلم اکثریت ایک صوبہ یعنی بنگال کے گورنر سر فریڈرک بروز نے پچھلے دنوں کہا ہے کہ ہندو اور مسلمان ایسے ناقابل تقسیم طور پر آپس میں ملے جلے ہوئے ہیں جیسے کپڑے کا تانا بانا ہوتا ہے، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، صرف بنگال ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے ہندوستان اور اس کے ہر صوبے کے، ان کو جدا جدا کرنے کے گویا ہندوستان کے تعمیری ڈھانچہ کو ڈھا دینا اور برباد کر دینا ہوگا!

"اسٹاک ایکسچینج"

حکومت ہند کی یہ تجویز کہ ہندوستان کے اسٹاک ایکسچینج میں اصلاح و ترمیم کر کے اسے از سر نو منظم کیا جائے، بہت مفید ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اس کام میں بہت تاخیر کی گئی ہے، یہ وہ کاروباری ادارہ ہے جو ہندوستان کے مختلف بازاروں کے کاروبار میں ایسے اقدامات کا باعث ہوتا ہے جو خالص قمار بازی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور لوگوں میں سٹہ کھیلنے کی قبیح عادت پیدا کرتا ہے، مہاتما گاندھی نے پچھلے دنوں صحیح فرمایا تھا کہ غیر ملکی حکومت سے دو بہت بڑی چیزیں ہندوستان کو ملی ہیں ایک تو "گھوڑ دوڑ" اور دوسرے "اسٹاک ایکسچینج" یہ دونوں چیزیں لوگوں میں سٹہ بازی کی عادت ڈالتی ہیں، ضرورت ہے کہ ایسی باتوں کی جلد از جلد اصلاح کی جائے جو سوسائٹی میں تخریب اخلاق کا باعث ہوتی ہیں۔

تلخ تجربہ کا نتیجہ؟

انگلستان سے واپس آکر ڈاکٹر امبیدکر نے ایک پریس انٹرویو میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تلخ تجربہ کا نتیجہ ہے؟ ان کے جدید قول میں ایک ایسی اسپرٹ پائی جاتی ہے جو پہلی باتوں میں نہیں پائی جاتی تھی ہمیں تعجب ہے کہ وہ شخص جو ہمیشہ ہندوؤں سے ہریجنوں کی علیحدگی کا راگ الاپا کرتا تھا یہاں تک کہ مسٹر جناح کے لئے پاکستان کی طرح ایک "اچھوتستان" کا حامی تھا اب یہ سوال کرتا ہے کہ کیا ہندو اقوام کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ مشترکہ حقوق اور مفادات اور سماجی پابندیوں کے اتحاد کے ایک مشترکہ پارٹی کی بنیاد پر ہندو فرقہ سے پیوستہ و وابستہ کر دیں؟ غالباً ڈاکٹر امبیدکر اب یہ سمجھ گئے ہیں کہ ہندو جاتی ہی ایک ایسا ہی نظام قائم کرنا چاہتی ہے اور ایسا جائز نظر آتا ہے خطرے کو دیکھ کر ہی مہاتما گاندھی نے ہریجنوں کی جداگانہ نیابت کی مخالفت کی تھی، بہر حال کہا نہیں جا سکتا کہ ڈاکٹر امبیدکر کی یہ سمجھ کب تک قائم رہے گی؟

رکشا والا!

مدراس کے رکشا والوں نے دو ماہ پہلے ہڑتال کی تھی، اس پر گورنمنٹ مدراس نے ایک ثالث مقرر کیا تھا تاکہ رکشا والوں کے حالات اور تکالیفوں کی تحقیقات کر کے اپنی سفارشیں پیش کرے، ثالث نے اب یہ سفارش پیش کی ہے کہ رفتہ رفتہ تین سال کے اندر رکشا کی سواری کی حیثیت کو ممنوع قرار دیا جائے چونکہ اس مسئلہ کا تعلق صرف مدراس سے نہیں بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہروں سے بھی ہے اس لئے صوبائی حکومتوں کو اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے اس میں شک نہیں کہ رکشا والوں کی اقتصادی حالت اچھی نہیں ہے، رکشا کھینچنے سے ان کی صحت بھی خراب ہوتی ہے اور یہ کام خود بھی انسانیت کی توہین ہے لیکن اب الہ آباد، بنارس، لکھنؤ، پٹنہ وغیرہ میں عام طور پر سائیکل رکشا کا رواج ہو گیا ہے، جس میں خود رکشا والا سائیکل پر ہوتا ہے اور سواری رکشا پر بیٹھتی ہے اس سے انسانیت کا وقار تو بچ رہتا ہے پھر بھی صحت کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے صوبائی حکومتوں کو چاہیئے کہ ماہرانہ طبی مشوروں کے بعد اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں

ریاستوں کو انتباہ

میرٹھ کانگریس میں ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ پر رزولیوشن پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ نے ریاستوں کی ایک نئی رجعت پسندانہ تحریک کا انکشاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک ایسی دستاویز ان کو ملی ہے جو صیغہ راز میں رکھی گئی تھی، اور جس میں یہ تجویز موجود ہے کہ آئندہ مرکزی حکومت سے گفت و شنید کرنے کے لئے ۵۶۲ ہندوستانی ریاستوں کا ایک کانفیڈریشن بنایا جائے اور بعض ریاستوں کو آپس میں ملا دیا جائے، ڈاکٹر سیتارامیہ نے اس تجویز کے خلاف ریاستوں کو انتباہ دے دیا ہے ان کا خیال ہے کہ اس طرح گفت و شنید کرنے والی کمیٹی بنائی جائے گی تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہو جائے گا، ظاہر ہے کہ رعایا کے حقوق کو پامال کرنے کی یہ ایک نئی ترکیب سوچی گئی ہے جب تک کمیٹی میں ریاستی رعایا کے نمائندے شامل نہیں ہوں گے اس کمیٹی کو کبھی تسلیم نہیں کیا جائیگا

نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونیکی دعوت

ہمیں اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ ہندوستانی فوج میں بھرتی ہونے کے لئے ہندوستانی نوجوانوں سے پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار بلدیو سنگھ نے جو مشترکہ اپیل کی ہے اس کا نوجوان طبقہ میں دل سے خیر مقدم کیا جائے گا اور اس دعوت پر بہت سے نوجوان فوج میں شامل ہونے کے لئے اپنی خدمات پیش کریں گے، جیسا کہ اس اپیل میں بتلا دیا گیا ہے، اب جبکہ مرکز میں عارضی قومی حکومت قائم ہو چکی ہے وہ عنصر باقی نہیں رہا جو پہلے محب وطن نوجوانوں کو فوج میں داخل ہونے سے باز رکھتا تھا، اور مزید براں چونکہ "جنگ آزما" اور "غیر جنگ آزما" فرقوں کی تفریق بھی ختم کر دی گئی ہے اس لئے بھرتی کا دروازہ سب کے لئے کھل گیا ہے، جب تک بین الاقوامی صورت حال بہتر نہیں ہوتی ہے، ہندوستان کو بھی دفاعی حفظ ماتقدم انتظامات میں کمی نہیں کرنی چاہیئے

"جے ہند" چائے

آزاد ہند فوج میں "رانی" آف جھانسی رجمنٹ" کی کمانڈر کرنل لکشمی سوامی ناتھن نے چائے کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ فوجی مارچ کے دوران میں سب لوگوں کو چائے کی ضرورت ہوتی تھی اور آزاد ہند کے تمام ارکان کبھی چائے ملنے کی مسرت میں اور کبھی چائے نہ ملنے کی مصیبت میں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتے تھے، اس خلوص میں تمام ہندوستانیوں کے ایک ہونے کا احساس ہمیشہ موجود رہتا تھا ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ پہلے اور پیچھے ہمیشہ کے لئے ہندوستانی ہی ہیں، لیکن جب وہ ہندوستان واپس آئیں تو پہلے ریلوے سفر میں "ہندو چائے" اور "مسلم چائے" کی آوازیں سن کر سخت صدمہ ہوا، یہ چیز آزاد ہند فوج کی فطرت کے خلاف تھی، اس افسوسناک صورت حال کو دیکھ کر ایک فوجی افسر کو صدمہ ہوا، اور اس نے مایوسی ظاہر کی، لیکن ایک سپاہی کو نئی بات سوجھی، اس کو تنہا جی کی ہدایت یاد تھی کہ وقت پر کام کرنے سے نہیں چوکنا چاہیئے اس نے دونوں چائے والوں کو بلایا، اور اپنا "ٹین کا جگ" پیش کر کے کہا ان میں ایک ایک پیالی بھر چائے ڈال دیں جب ہندو اور مسلم دونوں چائے والوں نے ایسا کیا تو اس نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا، "میں نے ہندو چائے اور مسلم چائے کو ملا کر جے ہند چائے تیار کر لی ہے"! غور فرمائیے کیسا دلچسپ واقعہ ہے اور اس میں ہمارے آپ کے لئے کیا سبق موجود ہے!

خلوص و اتحاد کا دلکش نظارہ

ایسے وقت جبکہ فرقہ وارانہ فضا اس قدر تلخ ہو گئی ہے اور بھائی بھائی کو بے سبب مشتبہ نگاہوں سے دیکھنے لگا ہو اگر ہمیں یہ خبر آتی ہے کہ فرقہ وارانہ میل جول کا منظر دیکھنے میں آیا تو ہمیں اس تاریکی میں ایک روشنی دکھائی دینے لگتی ہے چنانچہ پچھلے دنوں لکھنؤ سے ایک اطلاع آئی تھی کہ گرو نانک دیو جی کے جنم دن پر سکھ گوردوارہ میں گوردوارہ انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے کانگریس اور مسلم لیگ، اور سکھ اکالی دل اور ہندوؤں عیسائی اور اینگلو انڈین مسلمانوں کو مدعو کیا گیا تھا اور یہ سب لوگ اس تقریب میں شریک ہوئے تھے، گرو نانک جنم دن پر اس طرح کے فرقہ وارانہ خلوص و یکجہتی کی خبریں ملک کے بعض دوسرے حصوں سے بھی آئی تھیں، کاش یہی طریقہ ہندوستانیوں کی قومی زندگی کا ایک جزو بن جائے اور تمام فرقے ایک دوسرے کے تہواروں اور تقریبوں میں شریک ہونے لگیں!

(خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے ورنہ تعمیل ارشاد نہ ہوگی)

دہلی ریلوے اسٹیشن

چند روز ہوئے دہلی ریلوے اسٹیشن کے حالات کے متعلق ایک اطلاع بامراسلہ روزانہ "تیج" میں شایع ہوا تھا مسافروں کو ٹکٹ لینے اور گاڑی پر سوار ہونے میں جن مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور ان کو طرح طرح کی جو دوسری تکلیفیں پیش آتی ہیں اُن پر اب سے پہلے ہم نے کوئی خاص تبصرہ اس لئے نہیں کیا تھا کہ پچھلی دفتری حکومت اس لائق ہی نہ تھی کہ کوئی اصلاحی قدم اٹھا سکتی، لیکن اب جبکہ مرکز میں ایک قومی حکومت موجود ہے اور ریلوے کے تمام معاملات کا تعلق براہ راست مرکزی حکومت سے ہے تو ہم اس مسئلہ کی طرف وزیر و افسران کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں، سب سے پہلے جس تکلیف کا سامنا مسافر کو کرنا پڑتا ہے (میری مراد تیسرے درجے کے مسافر سے ہے) وہ ٹکٹ ملنے کی دشواری ہے اگرچہ لوگوں کو یہ بتلایا گیا ہے کہ دہلی اسٹیشن پر ٹکٹ ہر وقت تقسیم ہوتے رہتے ہیں تاہم ٹکٹ تقسیم کرنے والا بابو لاپتہ رہتا ہے اور کھڑکی پر مسافروں کی بھیڑ پہلے ہی سے لگی رہتی ہے ٹکٹ بابو یعنی بکنگ کلرک صاحب وقت سے تھوڑا ہی پہلے تشریف لاتے ہیں اور پھر اس وقت ایسی یورش ہوتی ہے کہ جیب کترے اس بھیڑ بھاڑ میں کتنے مسافروں کی جیب خالی کر دیتے ہیں قلیوں کے ریٹ کا بھی یہی حال ہے کہ معین کچھ ہے اور وصول کیا جاتا ہے کچھ اور، اس پر طرہ یہ کہ شکایتوں کی شنوائی کہیں نہیں ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریلوے ملازمین فرعون بنے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ گیٹ کیپر اور پولیس مین وغیرہ مسافروں کو جس جس طرح پریشان کرتے ہیں تو ایک بڑی دردناک کہانی ہے، الغرض یہ تمام خرابیاں فوری اصلاح کی طالب ہیں، غریب عوام اپنی قومی حکومت کے کارناموں کو بڑی بڑی پالیسیوں سے نہیں، بلکہ انہیں معمولی باتوں سے جانچتے ہیں۔

"ہوم گارڈ"

یہ جو ہنگامے آجکل ہندوستان کے مختلف حصوں میں ہوئے ہیں اُن کی ایک عام صورت حال یہ ہے کہ کافی عرصہ تک فوج اور پولیس اُن پر قابو حاصل نہیں کر سکتی، دیہاتوں کے فرقہ وارانہ فسادات میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا سبب کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے یعنی یہ کہ چھوٹے چھوٹے فسادزدہ دیہات ایک دوسرے سے بڑے بڑے فاصلہ پر ہوتے ہیں اور ان علاقوں کے درمیان سلسلہ رسل و رسائل کی کمی ہوتی ہے لیکن شہروں میں فرقہ وارانہ فسادات پر فوج اور پولیس کو دیر تک کیوں قابو حاصل نہیں ہوتا اس کا سمجھنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے، مثلاً کلکتہ میں ایک بڑا فساد ہوا، پھر اس کے بعد چھوٹے گھونپنے کی وارداتیں جاری رہیں اور تھوڑے ہی دنوں میں فسادات پھر شدت سے اُبھر گئے، اسی طرح بمبئی میں بھی حملوں کی وارداتیں اب تک جاری ہیں اور جب دوسرے بڑے شہروں کا بھی کچھ ایسا ہی حال دکھائی دیتا ہے اس کا ایک سبب یہی ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے فرقہ وارانہ جھگڑوں کو روکنے کے لئے، جن میں بہت سے علاقے مبتلا ہو جائیں اور بہت سے لوگ ایک قسم کے "گوریلا" طریقہ جنگ میں مصروف ہوں، پولیس کی تعداد کافی نہیں ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے حکومت بمبئی نے ایک اہم راہ نکالی ہے اور گورنر بمبئی نے فوری طور پر "ہوم گارڈ" کی تشکیل کا حکم جاری کر دیا ہے اس سلسلہ میں جو پریس نوٹ شایع ہوا ہے اس میں اس اسکیم کا مقصد یہ بتلایا گیا ہے کہ قانون و امن کی بحالی کے لئے فوراً عوام کی امداد حاصل کی جائے اور ہوم گارڈ کے دستے قائم کئے جائیں جو اپنے کمانڈنٹ کے تحت میں کام کریں گے، فرائض کی ادائیگی میں ہوم گارڈ کے ممبر پولیس افسروں کے برابر سمجھے جائیں گے اور حقوق، تحفظ اور اختیارات بھی انہیں پولیس کے برابر ہی حاصل ہوں گے ان کا فرض یہ ہوگا کہ بحالی امن و قیام امن کے کام میں یہ پولیس کی امداد کریں، تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۱ کے رو سے ہوم گارڈ کے ممبر جب ڈیوٹی پر ہوں گے تو سرکاری ملازم سمجھے جائیں گے، اگرچہ اس بھرتی کا تعلق ہنگامی صورت حالات سے ہے مگر جب مجبوری کی حالت میں اور کوئی ترکیب باقی نہ رہے تو ہوم گارڈ کے قیام کو ہم دوسرے بڑے شہروں کے لئے بھی قابل غور سمجھتے ہیں۔

خطابات کا سسٹم

سامراجی نظام میں محکوم رعایا کے بسر برآوردہ افراد کو خطابات دینے کا سسٹم اس لئے قائم کیا جاتا ہے کہ ان کو سامراج کی خدمت کرنے کا انعام عطا کیا جائے، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے بالعموم خطابات انہیں لوگوں کو دئے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں حکومت برطانیہ کی خدمت کرتے ہیں اور حکومت کی نگاہ ان کے کاموں کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتی ہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعض خطاب یافتہ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے کسی حقیقی علمی یا دوسرے مفید کارنامہ کا صلہ اس شکل میں دیا گیا ہے مگر ان کی تعداد بہت کم ہے اور عام طور پر وہی نظریہ صحیح ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے لیکن چونکہ سامراج میں حاکم اور محکوم کے مفادات ایک نہیں ہوتے بلکہ ایک دوسرے سے متضاد ہوتے ہیں اس لئے خطاب کے حقدار زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی ہستی سامراج کے لئے مفید ہے ہم اس اطلاع سے خوش ہیں کہ انٹیرم گورنمنٹ نے برطانی حکومت سے یہ سفارش کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ کے لئے ہندوستان میں سرکاری خطابات کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔

کانگریس کا اجلاس

(از: ——— رام لال ورما)

میرٹھ میں کانگریس کا اجلاس بہ حیثیت مجموعی امید سے زیادہ کامیاب رہا انتظامات بہر صورت اتنے اچھے تھے جتنے وقت کی کمی کے باوجود ہوسکتے تھے، فرقہ وارانہ فسادات نے مقامی کانگریسی لیڈروں اور کارکنوں کی توجہ بھی اس وقت اپنی طرف کھینچ لی جبکہ اجلاس میں صرف دو ہفتے باقی رہ گئے تھے کرفیو بھی انتظام میں حائل ہوا ان سب رکاوٹوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ چھوٹے درجہ والے عام وزیٹر جن کی تعداد یقیناً ایک لاکھ کے قریب ہو جاتی، محروم رہ گئے اور اجلاس کے ساتھ کھادی اور دیسی صنعتوں کی نمائش نہ ہوسکی اور دوسرے نمائشی مظاہرے بھی نہ ہوسکے، اجلاس کی نوعیت بیشتر کاروباری تھی پھر بھی سب ملا کر ایک لاکھ کے قریب آدمیوں نے اجلاس دیکھا ہوگا

——— اجلاس میں جو ریزولیوشن پاس کئے گئے اُن میں سے خاص خاص حسب ذیل امور سے تعلق رکھتے تھے:

۱۔ گذشتہ چھ سالہ واقعات پر تبصرہ

۲۔ انٹیرم گورنمنٹ میں کانگریس کی شرکت کے فیصلہ کی تصدیق،

۳۔ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے کانگریسی ممبروں کو ہدایت کہ وہ ہندوستان کی آزاد ری پبلک کا آئین بنائیں،

۴۔ کانگریس کی طرف سے ملک کے آیندہ سیاسی اور سماجی نظام کے متعلق ایک واضح اعلان،

۵۔ ریاستوں کے متعلق کانگریس کی پالیسی،

۶۔ فرقہ وارانہ جھگڑوں کے متعلق کانگریس کا نظریہ،

ان میں آخری تین ریزولیوشن خاص اہمیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں کانگریس کے نمائندے ایسا آئین بنانے کی کوشش کریں گے جو آزاد ری پبلک کے تخیل پر مبنی ہو اور مرکزی حیثیت سے فیڈرل ہو، کانگریس نے صدر آچاریہ کرپلانی کے لفظوں میں کانگریس سیاسی جمہوریت میں سماجی برابری کی قائل ہے، دوسرے لفظوں میں امریکہ برطانیہ اور روس کے نظام میں جو خوبیاں ہیں وہ ہم اپنالیں گے اور برائیاں چھوڑ دیں گے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمارے آیندہ نظام پر اس فلسفہ کی چھاپ کسی نہ کسی شکل میں رہے گی جسے "گاندھی ازم" کہتے ہیں۔

ریاستوں کے متعلق کانگریس نے اپنا نظریہ اب بھی بالواسطہ امداد و اخلاقی حمایت تک محدود رکھا ہے مگر ریاستی جنتا کی آزادی کے کاز کی پُر زور تائید کی ہے فرقہ وارانہ جھگڑوں کی روک تھام کے لئے کانگریس پُرامن طریقوں کی ہی حمایت کر سکتی ہے وہ کبھی "خون کے بدلے خون" کی حمایت نہیں کر سکتی مگر کانگریس نے یہ صاف رائے ظاہر کی ہے کہ فرقہ وارانہ جھگڑوں کی اصل ذمہ داری مسلم لیگ کے زہریلے پروپیگنڈا اور اس کی جارحانہ سیاست پر ہے،

آخری ریزولیوشن نے وقت کے تقاضے کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر لی، اس پر راجندر بابو، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہرلال نہرو اور خان عبدالغفار خاں چار بڑے لیڈروں کی تقریریں ہوئیں، راجندر بابو نے خبردار کیا کہ بدلہ لینے کی خواہش سے بدی کا خطرناک چکر بن جاتا ہے، مولانا آزاد نے کانگریسیوں کو آگاہ کیا کہ وہ فرقہ پرستی کے زہر سے متاثر نہ ہو جائیں اور ان کے دلوں میں چور ہو تو اسے باہر نکال دیں، پنڈت نہرو نے تنبیہہ کی کہ لیگ جو فرقہ وارانہ منافرت پھیلا رہی ہے یہ فسطائیت کی ایک شکل ہے، جوابی فسطائیت سے اس کا سدِباب ناممکن ہے، خان عبدالغفار خاں نے فرمایا کہ سرحدی صوبہ میں لیگی اور انگریزی قوتیں فتنہ کھڑا کرنا چاہتی ہیں مگر خدائی خدمت گاروں نے ابھی تک اسے دبا رکھا ہے اپنی اکثریت کے دوسرے صوبوں میں بھی کانگریسی اگر دل و جان سے کوشش کریں تو فسادات کی روک تھام کر سکتے ہیں،

پہلے دن کے اجلاس میں سردار پٹیل نے انٹیرم گورنمنٹ کے ریزولیوشن پر تقریر کرتے ہوئے فرقہ وارانہ فسادات کا ذکر کیا تھا اور سیلف ڈیفنس میں تلوار کا استعمال جائز ٹھہرایا تھا بہت کچھ اصولی نکتہ چینیوں کے باوجود سردار پٹیل کی صاف گوئی کو بہت بڑے طبقہ میں حقیقت حال کے موافق و مطابق سمجھا گیا مگر سردار پٹیل نے یہ بات صاف کر دی تھی کہ وہ بزدلی کی موت پر تلوار کو ترجیح دیتے ہیں اس کے سوائے ان کا اور کچھ منشا نہ تھا۔ اور یہ وہ بات ہے جو خود مہاتماجی بار ہا کہہ چکے ہیں،

سوشلسٹوں کی طرف سے آچاریہ نریندر دیو، مسٹر جے پرکاش نرائن، مسٹر اچیوت پٹوردھن، مسٹر اشوک مہتہ، مسز ارونا آصف علی اور راؤ صاحب پٹوردھن نے مختلف موقعوں پر بڑی مدلل تقریریں کیں ایوان کا بہت بڑا طبقہ ان کی باتوں سے اثر لیتا تھا، دوسری بات یہ ہے کہ میدان بدستور بزرگ لیڈروں کے ہاتھ رہا ہے سوشلسٹ بھی جانتے ہیں کہ بزرگ لیڈروں کے ہاتھوں میں ملک کا مستقبل بہر حال محفوظ ہے۔

موتیوں کی لڑی

فراخ دل ہو کر بھی کم گم ہو۔ اپنے بارے میں کچھ مت کہو۔ لیکن دوسروں کو جتنا وہ چاہیں اتنا کہنے دو۔ سب سے اچھا یہ ہے کہ کسی بات کو سن کر اپنے کرو دھ کو نہ بھڑکنے دو۔ اور چپ رہو

جہاں تمہارے بولنے کی ضرورت نہ ہو۔ نہ بولو دوسری جگہ تم کو بہت کچھ بولنے کا موقع مل سکتا ہے۔

آدمی کے پرکھنے سے بڑھ کر کوئی مفید بات نہیں ہے جس آدمی کے ساتھ یا جس کی ماتحتی میں تم کو کام کرنا پڑے۔ اس کو خوب جانچ لو کسی کو کسی کام پر لگانے سے پہلے اس کو اچھی طرح جان لو اگر کسی کی طرف سے شک ہو تو اسے اس کام پر مت لگاؤ۔ اور اگر کوئی کام اس کے سپرد کرو تو اس پر شک مت کرو۔

دور اندیش ہو۔ اپنی پوشیدہ بات کسی پر ظاہر نہ کرو۔ اگر اپنی بات کو تم پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تو دوسرے دل سے کیسے ایسی آشا کر سکتے ہو؟ بدھیمان نشیہ کا منہ اس کے باطن میں ہے اور بے وقوف کا باطن اس کے منہ میں ہے۔

اپنے دماغ سے کام لو دلیل کے ساتھ دھپا رکرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم سے کم بھول ہوگی۔

بولنا چاندی ہے تو چپ رہنا سونا ہے منشیہ اس لئے نہیں بولتے کہ ان کو کچھ کہنا ہے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ ان کو بات چیت کرنے کا شوق ہے۔

بات چیت میں زبان کی نسبت دماغ کا استعمال زیادہ ہونا چاہئیے۔ بات چیت کے شوق سے بہت باتیں کرنی نقصان دہ ہیں۔ منشیہ بات چیت کے جوش میں کبھی کبھی ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو نہ کہنی چاہئے تھیں۔ کبھی کبھی کچھ کہنا چاہتا ہے اور کچھ کہہ جاتا ہے۔ کبھی کبھی نامناسب بات کہہ جاتا ہے اور پیچھے پچھتاپ کرتا ہے بنا سوچے سمجھے بات چیت کرنے سے جیون میں کبھی کبھی بہت کشٹ اور کلیش اٹھانے پڑتے ہیں۔

پلوٹارک ڈیمی ٹرس کے بارے میں ایک کہانی میں لکھا ہے کہ اس سے ایک جلسہ میں پوچھا گیا کہ وہ بول کیوں نہیں سکا کیا وہ مورکھ تھا یا شبدوں کی کمی سے نہ بول سکا،

اس نے اتر دیا۔ "مورکھ کبھی چپ نہیں رہا کرتا"

اپی پردھانتا (بڑائی) ظاہر کرنے کی کوشش کرو کوئی ... کسی بات سے اب نہیں بڑا چھوٹا کہا جاتا ہے ... نے کتنی بڑھنے

زیادہ وشواس نہ کرو۔ ممکن ہے کہ تمہاری بات غلط ہو۔ چاہے اس کا نہیں کتنا ہی یقین ہو۔"

ہر ایک بات کے لئے موقع کا انتظار کرو اور جب موقع آوے اس کا فائدہ اٹھاؤ۔ موقع سے کبھی نہ چوکو۔ کیا جانے پھر ایسا موقع نہ ملے۔ بھول ہو جانے کا بابت زیادہ ڈر نہ کرو۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جو کام کریں اس میں کبھی بھول نہ ہو۔

ادب پارے

(از محترمہ حور دوخشاں بلگرامی)

ٹوٹا ہوا تارہ :-

دور آسمان پر - ایک درخشاں ستارہ تھا ہر روز --- ہر سحر کے بعد --- شب کی تاریکی میں - آنسو کی طرح آسمان کی پلکوں پر کانپتا رہتا تھا۔

میں اسے اپنی زندگی کا سہارا سمجھتی تھی جیسے میری پرنم نظریں - فرط الم سے کانپتا ہوا دل اسے چاند کے روشن پہلو میں دیکھکر مسرت سے جھوم اٹھتا اس چھوٹے سے چمکتے ہوئے تارے میں۔ جو طوفان اجل کے تھپیڑوں میں بھی مسکراتا ہوا تابیری خوشیاں مستور تھیں مجھے محسوس ہوتا جیسے وہ کہہ رہا ہو' اے دوست غم نہ کر - اپنے فردوس محبت کو برباد ہوتے دیکھکر دکھی کیوں ہے" جب تیری رنگین آرزوئیں تجھ سے چھین لی جائیں گی تو ایک سسکتی ہوئی روح ہوگا۔ اس وقت میں تجھے چھپا لوں گا۔ اپنے روشن سینے میں۔

میں ان دنوں کا تصور کر کے مسرور ہو جاتی تھی میں تجھے ہر روز دیکھتی --- اور تو اے درخشاں تارے --- ایک حسین و نوخیز کونپل کی طرح شبنم کے تابناک قطرے کی طرح مسکراتا ہوا لرزتا تو

ایک رات --- آسمان روشن تھا۔ جذبات انگیز ہوائیں سرسبز ٹہنیوں سے سرگوشیاں کر رہی تھیں --- میں نے تجھ کو تلاش کیا آسمان کی نیلی نیلی لامحدود وسعتوں میں ---

لیکن آہ --- تو ٹوٹ چکا تھا --- تارے ٹکراتے ہیں اور ایک تیز چمک کے بعد نامعلوم سیاہی میں کھو جاتے ہیں --- او میرے ننھے تارے تو بھی شاید ٹکرا چکا تھا --- !!!

تیا ہے میری آرزوؤں کے پھول کس طرح کھلیں گے میری روح میں غم کے بادل امڈ رہے ہیں میری تمنائیں وہاں بھٹک رہی ہیں --- جہاں شکستہ روحوں کے ارمان کچھ دیر سکھ



مشین کے ذریعہ لاکھوں اصلاع ... کا حساب کیا جا رہا ہے



فلسطین کا نیا کمانڈر انچیف میجر جنرل جی۔ ایچ۔ اے میکملن



برائٹن میں ٹریڈ یونین کانگریس کا اجلاس

از حضرت مولانا ابو الکلام آزاد

حکایتِ زاغ و بلبل

دوسری قسط

جوں جوں عمر بڑھتی گئی، عدنوں کی ضخامت بھی بڑھتی گئی، اور پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے پہرہ داروں کی صفیں رنگ برنگ کی پگڑیاں باندھے کھڑی ہیں اور زندانیانِ قلعہ کی طرح اس باغِ نورستہ کی بھی پاسبانی ہو رہی ہے۔

کہ طبلان ہمہ مست ۔۔۔ باغبان تنہا!

ان گملوں کے درمیان گلِ خطمی یعنی ہالی ہاک کا حصہ تھا۔ یہ رنگ برنگ کے وائن گلاس ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے، رنگتیں اتنے گلاس سنبھالے ہوئے تھی کہ دل اندیشہ ناک رہتا کہیں ہوا کے ہلکے جھونکوں کی ٹھوکر لگتے ہی گلاس گر کر چور چور ہو جائیں۔ وائن شیشہ نے نام لیا اپنی پھولوں کی ایک شاخ بچھا رکھا تھا وہ دامِ شاخ گلے برجوشیں می چیم کہ کاش می تراشتم بہ یکے سست این قدر ساغر گرفت

تحسین واعمل امیر خسرو سے نحز دہے جس نے اسی زمین میں کہا تھا:

دست صہبا چون کف دست ۔۔۔ بر دار لرجام
خوش کف دستے کہ چندیں جام صہبا برگرفت

گلِ خطمی کے پھولوں کی تشبیہ گوئی دلکش ہو مگر یہ ماننا پڑے گا کہ حسن نزاکت کی ادا جیسی یہاں نہیں مل سکتی، گلاس خوشنما ہیں مگر نازک نہیں ہیں، پھر پھیلنے کی میدان سے ہر گیلے کے دامن رنگین بنا دیا تھا لیکن ان رنگتوں کی سادگی سے تخیل کی پیاس کہاں بجھ سکتی تھی؟

میدان کے وسط میں جو ساہے کہ چبوترے کے دونوں طرف اسٹر، کارن فلاور، سویٹ پیس، کوکنار، فلکس کیلنڈولا، کاسمس کے چھوٹے چھوٹے چمنستان کھل گئے تھے گویا میدان کی کمر میں بوقلموں رنگوں کا ایک پٹکا بندھ گیا تھا لیکن وہ بھی چشم تماشائی کو سامان دہ بہجت اہلِ نشیں ہے کہتے ذوقِ نظر کا سامان نہ تھا جا سکتا۔

بزم میں اہلِ نظر بھی تھے تماشائی بھی

اس غرض کے لئے پینکس، سلویا اور نیسری وغیرہ کے تختوں کا رخ کرنا پڑتا تھا حسن کی جلوہ فروشیاں ہر دیدہ و دل کو دعوتِ نظارہ دیتی رہتی تھیں، قدرت کے قلم صنعت کی یہ بھی ایک عجیب کرشمہ سنجی ہے کہ پھول کے ورق اور ستبلیوں کے پیروں پر ایک ہی مشین سے چینا کاری کر دی اور ایک ہی رنگ کی دواتیں دونوں میں لائی گئیں، ان پھولوں کے اوراق کا مطالعہ کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بڑے پھولوں کی کترن سے کچھ کاغذ بچ رہا تھا اسے بھی ضائع نہیں کیا گیا اور قینچی سے تراش تراش کر ننھے ننھے پھولوں کے ورق بنا لئے اگر ایک چہرا اور خوبصورت ہوتی ہے تو ہم کہتے ہیں یہ پھول ہے، لیکن اگر خود پھولوں کے لئے کچھ کہنا چاہیں تو انہیں کس چیز سے تشبیہ دیں؟

حقیقت یہ ہے کہ زبان درماندہ کو یہاں یارائے سخن نہیں اور خاموشی کے بغیر چارۂ کار نہیں، حسن کی جلوہ طرازیاں محویت کا پیام ہوتی ہیں خامہ فرسائی اور سخن آرائی کا تقاضا نہیں ہوتا:

از نگہ چیزے نمی گنجد، بتماشا ماندہ دست
در زبان حرف تماند دست بسخن ماندہ ست

ان پھولوں کو موسمی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی پرورش اور زندگی صرف موسم تک ہی محدود رہتی ہے ادھر موسم ختم ہوا ادھر انہوں نے دنیا کو خیرباد کہہ دیا۔ گویا زندگی کا ایک ہی پیرہن ان کے حصے میں آیا تھا وہی کفن کا بھی کام دے گیا:

مجموعۂ عمر داغم پرستش، جگر نہ بود
تا کفن آید، ہمیں یک جامہ بر تن داشتم

بہر مبارک، استاد واضح عالمگیری کو بھی خیال باقی کا بلبلہ دیکھ رہا تھا، دیکھئے کیا خوب کہہ لیا ہے:

رشک فرمائے بلہ نیست بجز عیش حباب
با فنا یک پیرہن ہستی و آں کفن ست

بہار میں پھولوں سے رخصت لے جانے میں خزاں میں غائب ہو جانے میں پھر جونہی موسم کا دور پلٹتا ہے، دوبارہ آ موجود ہونے میں، مگر موسمی پھولوں کے پودوں کا شیوہ یک رنگی و یک ساختگی دیکھئے کہ جب ایک مرتبہ دنیا کو پیٹھ دکھا دی تو پھر دوبارہ مڑ کے دیکھا نہیں جانتے گویا ابوطالب کلیم کا اشارہ انہی کی طرف تھا:

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست
رو پس نہ کرد ہر کہ ازیں خاکداں گذشت

پھولوں کے جمالیاتی منظر سے اگر نظر ہٹائیے تو پھر ایک اور گوشہ سامنے آ جاتا ہے یہ انکی عجائب آفرینیوں کا گوشہ ہے روحِ نباتی بھی روحِ حیوانی کی طرح قسم قسم کے جسموں میں ابھرتی ہے اور طرح طرح کے افعال و خواص کی نمائش کرتی رہتی ہے کہیں سوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، کہیں کروٹ بدلنے لگتی ہے اور پھر کہیں اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے ہمارے اس چھوٹے سے گوشۂ چمن میں ابھی صرف ایک ہی پھول ایسا ہے جسے اس قسم کے غیر معمولی پھولوں میں شمار کیا جا سکتا ہے یعنی گلوری یا سیوپربا۔ اس کی پانچ جڑیں گملوں میں لگائی گئی تھیں چار بار آور ہوئیں اب ان کی شاخیں کلیوں سے لدی ہوئی ہیں، ان کا پھول پہلے پنکھے کی طرح کھلے گا پھر سپار کی طرح الٹ جائے گا، پھر فانوس کی طرح تاز ہونے لگے گا، پھر تھوڑی دیر دم لینے کے لئے رک جائے گا۔ پھر دیکھئے جن منزلوں سے گذرتا ہوا آیا تھا انہی منزلوں سے گذرتا ہوا الٹے پاؤں واپس ہونے لگے گا، واپسی میں پہلے فانوس کی اٹھی ہوئی شاخیں جھک کر ایک پیالہ بنائیں گی، پھر اچانک یہ پیالہ الٹ جائے گا گویا زندگی کے جامِ واژگوں میں اب کچھ باقی نہ رہا:

لئے بیٹھے ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

اس پھول کی آمد و رفت کی یہ مسافت جس سے بار دو ان کے اندیشے ہو کر نہ ہے جیبِ ان آنے میں ملتے ہیں مجھ پر آتی ہیں اور در اصل اس کا آنا بھی جانے ہی کے لئے ہوتا ہے۔

نہ آنا نہ تھا ظالم، مگر تمہیدِ جانے کی

رنگت کے اعتبار سے بھی اس کی بوقلمونیوں کا کچھ عجیب حال ہے، کلیاں جب نمودار ہوں گی تو ہلکے سبز رنگ کی ہوں گی پھر جوں جوں کھلنے کا وقت آنے لگے گا زردی ابھرنے لگے گی اور پھر زردی بتدریج سرخی مائل ہونا شروع ہو جائے گی پہلے آدھ سرخ آدھا زرد رہے گا پھر زردی تیزی کے ساتھ گھٹنے لگے گی اور پورا پھول سرخ ہو کر سرخ مرچ کی پھلیوں کی طرح چمکنے لگے گا یہ عجیب بات ہے کہ اس کی نسل ہندوستان کی طرف منسوب کی جاتی ہے مگر یہاں اس کی شہرت نہیں عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

یہ پھول نباتات کی اس قسم میں داخل ہے جسے اپنا تناسل کے لئے خارج کی مداخلت مطلوب ہوتی ہے اور کبھی ہوا کے جھونکوں سے اور کبھی تتلیوں اور مکھیوں کی نشست و برخاست سے فطرت یہ کام لے لیا کرتی ہے اس پھول کا جزء رجولیت اس کے جزء انوثیت کے جزء سے اس طرح بے تعلق واقع ہوا ہے کہ جب تک خارج کا ہاتھ مادۂ تلقیح کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہ پہنچا دے تلقیح کا عمل انجام نہیں پا سکتا جن پھولوں کو یہ خارجی اعانت مل جاتی ہے وہ بار دار ہو جاتے ہیں اور اپنا بیج چھوڑ جاتے ہیں جنہیں نہیں ملتی بانجھ ہو کر بغیر بیج بنائے ختم ہو جاتے ہیں ان پودوں کے لئے تتلیوں کا ایک گروہ بروقت پہنچ گیا تھا چنانچہ اکثر پھول بار دار ہو گئے۔

خیر چمن آرائی کا ذکر تو ایک جملۂ معترضہ تھا جو بلا قصد اتنا طولانی ہو گیا اب اصل حکایت کی طرف واپس ہونا چاہیئے فروری میں ابر و باد کی آمد و رفت سے موسم کا اتار چڑھاؤ جاری رہا مگر جونہی مہینا ختم ہونے پر آیا موسمِ بہار کا پیش خیمہ پہونچ گیا، معتدل ہواؤں کے جھونکے چلنے لگے پھر ایک دن کیا دیکھتے ہیں کہ خراماں خراماں چلتی ہوئی بہار بھی آ موجود ہوئی ہے اور جوانانِ چمن نے اس کی خوشی آمدید کا جشن منانا شروع کر دیا ہے:

مفلس بادِ صبا مشک فشاں خواہد شد
عالم پیر دگر بار جواں خواہد شد

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک دن صبح کے وقت برآمدہ میں بیٹھا تھا کہ اچانک کیا سنتا ہوں بلبل کی نواؤں کی صدائیں آ رہی ہیں:

باز نوائے بلبلانِ عشق تو یاد می دہد
ہر کہ ز عشق نیست خوش عمر بباد می دہد

باہر نکل کر دیکھا تو خطمی کے شگفتہ پھولوں کے ہجوم میں ایک جوڑا بیٹھا ہے اور گردن اٹھائے نغمہ سنجی کر رہا ہے بے اختیار خواجۂ شیراز کی غزل یاد آ گئی:

صفیر مرغ بر آمد، بط شراب کجاست
فغاں فتاد و بلبل نقاب گل کہ درید

یہ علاقہ اگرچہ سرو سیر نہیں ہے لیکن چونکہ بلند سطح پر واقع ہوا ہے اس لئے پہاڑی بلبلوں سے خالی نہیں ہے یہ بلبلیں اگرچہ سرد سیر ایران کی بلبلوں کی طرح ہزار داستان نہیں ہوتیں لیکن رسیلے گلے کی ایک تان بھی کیا کم ہے، دوپہر کی چائے کا قیلولہ کے بعد پیتا ہوں آخری فنجان باقی تھا میں نے اٹھا لیا اور اس نغمۂ عندلیب پر خالی کر دیا:

تو نیز بادہ بہ چنگ آر و راہِ صحرا گیر
کہ مرغِ نغمہ سرا ساز خوش نوا آورد!

دوسرے دن صبح برآمدہ میں بیٹھا تھا کہ بلبل کے ترانے کی آواز پھر اٹھی میں نے ایک صاحب کو توجہ دلائی کہ سنتا ہوں کی آواز آ رہی ہے ایک دوسرے صاحب جو صحن میں ٹہل رہے تھے کچھ سننے کے لئے رک گئے اور کان لگا کے سننے رہے پھر بولے کہاں، قلعہ میں کوئی جھگڑا ہو رہا ہے اسکے ہیتوں کی آواز آ رہی ہے۔ ۔۔۔ ذوقِ سماع کی رفتنِ انتہا ۔۔۔ بلبل کی نوائیں (باقی اگلے صفحہ پر ملے)

مولانا کا یہ مکتوبِ گرامی
ان کے شائع شدہ مجموعۂ خطوط
"غبارِ خاطر" سے نقل کیا گیا ہے
ہم اسے حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی
کے شکریہ کے ساتھ شائع
کرتے ہیں!

لہ قدیم ایرانی ظروف میں پیمانہ اسی قسم کا ظرف تھا جس طرح کا آجکل وائن گلاس ہوتا ہے لیکن اگر پیمانہ کہئے تو کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ناچار وائن گلاس ہی کہنا پڑتا ہے ۱۲

حکایتِ زاغ و بلبل!

پچھلے صفحہ سے

اور چکڑے کے بھتنوں کی ریں ریں میں یہاں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔

ہمائے گو مفگن سایۂ شرف ہرگز
دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

خارا انصاف کیجئے اگر دو ایسے کان ایک قفس میں بند کر دیے جائیں کہ ایک میں تو بلبل کی نوائیں بسی ہوں دوسرے میں چھکڑے کے بھتنوں کی ریں ریں، تو آپ اسے کیا کہیں گے۔

نوائے بلبلت اے گل کجا پسند افتد
کہ گوش ہوش بہ مرغان ہرزہ گو داری

اصل یہ ہے کہ ہر ملک کی فضا طبیعتوں میں ایک خاص طرح کا طبعی ذوق پیدا کر دیا کرتی ہے ہندوستان کا عام طبعی ذوق بلبل کی نواؤں سے آشنا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ملک کی فضا دوسری طرح کی صداؤں سے بھری ہوئی تھی یہاں کے پرندوں کی شہرت طوطا اور مینا کے پروں سے اڑی اور دنیا کے عجائب میں سے شمار کی گئی۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

بلبل کی جگہ یہاں کوئل کی صدائیں شاعری کے کام آئیں اور اس میں شک نہیں کہ اس کی کوک بھی آشناؤں کو غم و الم کی چیزوں سے کم محسوس نہیں ہوتی۔ بلبل کی نواؤں کا ذوق تو ایران کے حصہ میں آیا ہے موسم بہار میں باغ و صحرا ہی نہیں بلکہ ہر گھر کا پائیں باغ ان کی نواؤں سے گونج اٹھتا ہے، بچے جھولے میں ان کی دیدیاں سنتے سنتے سو جائیں گے اور ائیں اشارہ کرکے بتلائیں گی کہ دیکھو یہ بلبل ہے جو تمھیں اپنی کہانی سنا رہی ہے۔

جوں جوں شمال کی طرف جس قدر بڑھتے جائیں یہ افسونِ فطرت بھی زیادہ عام اور گہرا ہوتا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب تک ایک شخص نے شیراز یا قزوین کے گلگشتوں کی سیر نہ کی ہو وہ سمجھ نہیں سکتا کہ حافظ کی زبان سے یہ شعر کس عالم میں نکلے تھے۔

بلبل بہ شاخِ سرو بہ گلبانگ پہلوی
می خواند دوش درس مقاماتِ معنوی
یعنی بیا کہ آتش موسیٰ نمود گل
تا از درخت نکتۂ تحقیق بشنوی
مرغانِ باغ قافیہ سنجند و بذلہ گو
تا خواجہ می خورد بہ غزلہائے پہلوی

یہ جو کہا کہ "مرغانِ باغ" قافیہ سنجی کرتے ہیں تو یہ مبالغہ نہیں ہے واقعہ ہے ایران کے چمن زاروں میں ہزاروں قافیہ سنجی کرتے ہوئے خوش سننے سے بھر کے دل کے بیشتر بلائے گی اور ہر لے ایک ہی طرح کے اتار چڑھاؤ ہوں گے جو سننے میں ٹھیک ٹھیک شعر کے توالی کی طرح متوازن اور منجا محسوس ہوں گے گھنٹوں سنئے ان زمزموں کا تسلسل نہ ٹوٹے والا نہیں، جب آواز ٹوٹنے کی ایک ہی قافیہ پر ٹوٹے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ نوائے بلبل بہشتِ بہار کا ملکوتی ترانہ ہے جو ملک اس بہشت سے محروم ہے وہ اس ترانے کے ذوق سے بھی محروم ہے گرم ملکوں کو اس عالم کی کیا خبر؟

زمستان کی برف باری اور پت جھڑ کے بعد جب موسم کا رخ پلٹنے لگتا ہے اور بہار اپنی ساری رعنائیاں اور جلوہ فروشیوں کے ساتھ باغ و صحرا پر چھا جاتی ہے تو اس وقت برف کی بے رحمیوں سے ٹھٹھری ہوئی دنیا یکایک محسوس کرنے لگتی ہے کہ اب موت کی افسردگیوں کی جگہ زندگی کی سرگرمیوں کی ایک نئی دنیا نمودار ہو گئی۔

انسان اپنے جسم کے اندر دیکھتا ہے تو زندگی کا تازہ خون ایک ایک رگ کے اندر ابلتا دکھائی دیتا ہے اپنے سے باہر دیکھتا ہے تو فضا کا ایک ایک ذرہ عیش و نشاطِ ہستی کی سرمستیوں میں رقص کرتا ہوا نظر آتا ہے آسمان و زمین کی ہر چیز جو کل تک محرومیوں کی سوگواری اور افسردگیوں کی جان کاہی تھی آج آنکھیں کھولئے تو حسن کی عشوہ طرازی ہے، کان لگائیے تو نغمہ کی جاں نوازی ہے سونگھئے تو سرتاسر بوئے عطر بیزی ہے۔

صبا بہ تہنیتِ پیر مے فروش آمد
کہ موسم طرب و عیش و ناز و نوش آمد
ہوا مسیح نفس گشت و باد نافہ گشا
درخت سبز شد و مرغ در خروش آمد
تنور لالہ چناں بر فروخت باد بہار
کہ غنچہ غرق عرق گشت و گل بہ جوش آمد

عین اس جوشِ و سرمستی کی ان عالمگیریوں میں بلبل کے مستانہ ترانوں کی گت شروع ہو جاتی ہے اور یہ نغمہ سرائے بہشتی اس محویت اور خود رفتگی کے ساتھ گانے لگتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے خود سازِ فطرت کے تاروں سے نغمے نکلنے لگے، اس وقت انسانی احساسات میں جو تہلکہ مچنے لگتا ہے ممکن نہیں کہ حرف و صوت سے ان کی تعبیر آشنا ہو سکے، شاعر پہلے مضطرب ہوگا کہ اس عالم کی تصویر کھینچے، جب نہیں کھینچ سکے گا تو پھر خود اس کی تصویر بن جائے گا وہ رنگ و نوا کے نغمے کے اس سمندر کو پہلے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھے گا، پھر کود پڑے گا اور خود اپنی ہستی کو بھی اسی کی ایک موج بنا دے گا۔

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشکافیم و طرحِ نو در اندازیم
چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش
کہ دست افشاں غزل خوانیم و پاکوباں سر اندازیم

ہندوستان میں صرف کشمیر ایک ایسی جگہ ہے جہاں اس عالم کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے اسی لئے فیضی کو کہنا پڑا تھا:

ہزار قافلۂ شوق می کند شبگیر
کہ بار عیش کشاید بہ خطۂ کشمیر

لیکن افسوس ہے لوگوں کو پھل کھانے کا شوق ہوا عالم بہار کی جنت نگاہیوں کا شوق نہ ہوا۔

باقی صفحہ (۲۴) پر

بابا

افسانہ

از جناب ہنس راج رہبر

سردی کا موسم تھا ہم دفتر سے باہر دھوپ میں بیٹھے تھے ہری سنگھ کرو بیٹھا کنکروں سے کھیل رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ہم سے ہنسی مذاق بھی کئے جا رہا تھا اچانک مسکرا اٹھا، سامنے سے سرجو بھگت آ رہا تھا ہماری توجہ اس کی طرف دلا کر وہ بولا:-

"لیجئے آپ کو تماشہ دکھاؤں" اس نے کنکر ایک طرف پھینک دئے اور صورت کو سنجیدہ بنا کر اپنی چڑھی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور ٹھوڑی کے نیچے جو گانٹھ لگا رکھی تھی اسے انگوٹھے سے بالوں کے اندر ٹھونس جب سرجو بھگت قریب آ گیا تو ہری سنگھ نے متانت سے کہا:-

"سرجو بھگت سلام"

"سلام نہیں باجرجی رام رام کہو، رام رام"

"پر سرجو بھگت سلام کہنے میں بھی کیا ہرج ہے؟"

"ہرج کیوں نہیں بابو بھگوان نے جیسے جس دھرم میں رکھا ہے اسی میں رہنا ٹھیک ہے"

"اور جو لوگ بھگوان کو مانتے ہی نہیں"

"رام رام" سرجو بھگت نے کانوں پر ہاتھ رکھتے لئے "بھگوان کو کون نہیں مانتا بابو ہر دیو بابو نہیں مانتے" پر چھوان سی ہری سنگھ نے میری طرف اشارہ کیا

"بالکل جھوٹ، میں تو مانتا ہوں، سرجو بھگت" میں نے مسکراتے ہوئے اس انداز میں کہا جس سے ہری سنگھ کی بات کی تردید کی بجائے تائید زیادہ ہو گئی تھی لیکن سرجو بھگت نے خوش ہو کر کہا—

"ٹھیک ہے میں جانتا ہوں بابو بھگوان کو سب مانتے ہیں سردار جی تو مذاق کرتے ہیں"

سرجو بھگت اپنے کمرے کی طرف چل دیا اور سردار جو ابھی بات کرتے ہوئے بھی واقعی مذاق کر رہا تھا کھلکھلا کر ہنسنے لگا ہم نے بھی ہنسنا شروع کر دیا سرجو بھگت کی بات پر کم، اور ہری سنگھ کے پوپلے منہ پر زیادہ، کیونکہ اس نے مصنوعی دانت لگوانے کے لئے اصل دانت نکلوا دئے تھے۔

ہم لوگ پراونشل کانگریس کمیٹی کے دفتر میں ملازم تھے، کارکنوں کا کام کرتے ہوئے بھی کلرک نہیں کہلاتے تھے، مثلاً مجھے ہیڈ کلرک کی بجائے آفس سیکرٹری کہا جاتا تھا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہم دفتر کے کام کے علاوہ جلسوں میں تقریریں کرتے اور جلوسوں میں نعرے لگاتے تھے اور سوچا کرتے تھے کہ کبھی ہم بھی پریزیڈنٹ بنیں گے، جنرل سیکرٹری پریزیڈنٹ یا الیکشن بورڈ کے چیرمین جیسے عہدوں پر فائز ہوں گے، کار میں سوار ہو کر آیا کریں گے اور اوپر کی منزل میں جو خوبصورت کمرے بنے ہیں ان میں بیٹھ کر سیاسی مسائل کی پیچیدگیاں سلجھایا کریں گے،

ہم میں سے ہر ایک کی روح میں یہ شعلہ لرزاں تھا اور ہر ایک اپنے آپ کو بلند کرنے میں کوشاں تھا۔

ہمارا دفتر ایک وسیع بلڈنگ میں واقع تھا، مرکز میں بہت بڑا ہال تھا جس میں لیکچر ہوا کرتے تھے سامنے کھلا میدان تھا جنوب اور مغرب کی طرف تین منزلہ عمارتیں تھیں جن کی بیسر نئی سج دھج دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان میں بلند اقبال لوگ رہائش رکھتے ہیں، ہال کے شمال میں شرقی بازو پر چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے ان میں ہمارا دفتر تھا اور دفتر کے بالکل سامنے اسی طرز و نمونے کے جو کمرے بنے تھے انہیں مغربی بازو کہا جا سکتا ہے اس میں کارکن رہتے تھے ان دونوں بازوؤں کے درمیان ہال کی لمبائی کے برابر ایک آنگن جیسی خالی جگہ تھی جس میں بہت سے درخت اگ رہے تھے زمین ہموار نہیں تھی بارش کا پانی اکثر درختوں کے نیچے جمع ہو جاتا تھا جس کے باعث نہ صرف یہ درمیانی جگہ نم رہتی تھی بلکہ اس کا اثر آس پاس کے کمروں پر بھی پڑتا تھا دیواروں کو سیلن لگ چکا تھا اور کمروں کی حالت بہت ہی خستہ تھی ان کے اندر برسات کا تو ذکر ہی کیا، جیٹھ اساڑھ کے مہینوں میں بھی نمی رہتی تھی، دھوپ کا گزر تک نہیں ہوتا تھا سانس لینے سے دم گھٹتا تھا ناک میں ایک جلن سی پیدا ہوتی تھی جیسے فضا میں تیز نشادر یا کوئی تیزاب چھڑک رکھا ہو ان کمروں کا کرایہ بہت ہی کم تھا یہی کوئی ڈیڑھ دو روپے ماہوار، ان میں دفتروں کے چپراسی، معمولی خوانچے والے یا اسی قماش کے اور لوگ بھرے رہتے تھے اور ہمیں ان سے اور انہیں ہمارے کام سے کوئی سروکار نہیں تھا

سرجو بھگت بھی ان کرایہ داروں میں سے ایک تھا اور چھ سات سال سے وہیں رہتا تھا اسے میں آتے جاتے ضرور دیکھا کرتا تھا لیکن آج تک اس سے بات کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا صرف ہری سنگھ نے ایک دو مرتبہ مذاق مذاق میں اس کی طرف توجہ دلائی تھی، سرجو بھگت جب نلکے پر برتن صاف کرنے آتا تو وہ ٹوکتا:-

"سرجو بھگت کھانا پکانے لگے ہو"

"ہاں بابو!"

"ہمیں بھی کھلاؤ گے"

"ضرور بابو تم بھی کھانا پر ایک شرط ہے!"

سرجو مسکرا دیتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سردار مذاق کر رہا ہے ایک مرتبہ اس نے دیانت کر کے دیکھ لیا تھا کہ وہ شرط کیا ہے تو ہری سنگھ نے مرغ پکانے کی فرمائش کی تھی، اور سرجو بھگت نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔

ہری سنگھ ہی ایک ایسا آدمی تھا جس نے ان کرایہ داروں اور ہمارے درمیان تعلق بنانے یا آبنائے کی طرح ایک باریک سا رشتہ قائم کر رکھا تھا وہ اس بلڈنگ کا منتظم تھا، ان لوگوں سے کرایہ وصول کرنا اس کا کام تھا، اس کے علاوہ ہم دفتر بند ہونے کے بعد چلے جاتے تھے وہ دن رات یہیں رہتا تھا ان لوگوں کے ہنسی مذاق میں شریک ہوتا، کمروں سے متعلق اور آپس کے جھگڑوں سے متعلق ان کی شکایتیں سنتا تھا وہ ان کے عادات و خصائل سے خوب واقف تھا ہمارے ساتھ باتیں کرتے وقت وہ ان لوگوں کا ذکر بھی اکثر درمیان میں لے آتا تھا کبھی ان کے متعلق کوئی لطیفہ سنا دیا، یا پھر اگر ہم میں سے کسی کو نیچا دکھانا مقصود ہوا تو جھٹ کہہ دیا:-

"واہ واہ کیا بات ماری بات کہی ہے آپ نے، منگلو خوانچے والے کو بھی مات کر دیا"

وہاں جتنے آدمی رہتے تھے ہری سنگھ ان سب سے چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کیا کرتا تھا، وہ سب کے چور دروازوں سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ کون سی چوٹ کس جگہ پر پڑے گی لیکن اسے سب سے زیادہ دلچسپی کا سامان سرجو بھگت فراہم کرتا تھا، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت پرانا کرایہ دار تھا، اور معمر آدمی تھا۔ اس کی روح میں اتنے چور دروازے کھلتے تھے کہ ہری سنگھ جب چاہے کسی نہ کسی دروازے سے اندر داخل ہو سکتا تھا سرجو بھگت کی معصومیت ان دروازوں کو ہری سنگھ کی تیز نظر سے چھپائے رکھنے سے قاصر رہتی تھی،

ہری سنگھ کو یوں اکثر مذاق کرتے دیکھ کر ہم نے بھی سرجو بھگت سے مذاق کرنا شروع کر دیا لیکن جو لطف اور جو شگفتگی ہری سنگھ کے فقرے پیدا کرتے تھے ہمارے فقرے ہمیشہ اس سے محروم رہتے تھے،

ایک مرتبہ میں نے اسے چھیڑنے کی غرض سے کہا:-

"کیوں سرجو بھگت تمہاری بیوی کی تو کوئی خیر خبر نہیں آئی؟"

اس نے اجنبی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور رسمی طور پر جواب دیا:-

"نہیں بابو"

میں شرمندہ ہو کر رہ گیا اور محسوس کیا کہ میں لاکھ کوشش کرنے پر بھی اس کی روح کو چھو نہیں سکتا، اس کے اور میرے درمیان ایک دیوار حائل ہے ورنہ ایک مرتبہ میرے سامنے ہری سنگھ نے جب یہ سوال کیا تھا تو وہ اس طرح پگھل گیا تھا جس طرح آنچ لگنے سے موم پگھل جاتی ہے اور پھوٹ پڑا تھا،

"نہیں بابو، کوئی خبر نہیں آئی، آتی تو مجھے اس کے شکھ دکھ کا ہی پتہ لگ جاتا"

اور اس نے منہ دوسری طرف گھما کر دھوتی کے دامن سے آنکھیں پونچھ لی تھیں

جب وہ واقعہ یاد آ جاتا ہے تو میں سوچنے لگتا ہوں کہ ان کی روح کے زخم کو چھیڑنا ہمارے مذاق کی کونسی حس کو تسکین دیتا ہے،

اس دن ہری سنگھ کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ کوئی چار ساڑھے چار سال کا عرصہ ہوا کہ سرجو بھگت نے اپنے کسی بھائی بند کی رانڈ عورت کو گھر ڈال لیا تھا گوپی، جسے ہم سرجو بھگت کا بیٹا سمجھتے ہیں پہلے خاوند کی اولاد ہے اور اس عورت کے ساتھ آیا تھا اس نے پانچ چھ مہینے بڑے آرام سے سرجو بھگت کے ساتھ گزارے تھے۔ وہ ایک دن اچانک گوپی کو یہاں چھوڑ کر خود کسی اور مرد کے ساتھ چلی گئی گھر کے اندر چاہے لاکھ تکرار ہوتی ہو باہر سے سرجو بھگت سے کبھی لڑتے نہیں دیکھا گیا عورت کو گئے اگرچہ اتنے دن گزر گئے لیکن سرجو بھگت کو اب بھی یقین تھا کہ خواہ وہ کہیں چلی جائے ایک نہ ایک دن اسے پھر لوٹ کر آنا پڑے گا محبت کی کشش اسے سات سمندر پار بھی چین نہیں لینے دے گی،

اسے چین ملے نہ ملے لیکن سرجو بھگت اس کی یاد میں ضرور بے چین رہتا تھا اس یاد میں بعض لمحات ایسے بھی آتے تھے کہ وہ بالکل بدحواس ہو جاتا تھا اپنے آپ پر کڑھتا گوپی سے ناراض ہوتا اسے مارنے تک سے گریز نہ کرتا، پانی تک حلق سے نہ اتارتا بس مغموم سی صورت بنائے بیٹھا رہتا۔

ہری سنگھ اس کی صورت دیکھتے ہی کیفیت سمجھ جاتا، چپکے سے اس کے پاس جا بیٹھتا اور ہمدردی سے پوچھتا "سناؤ سرجو بھگت بہت اداس بیٹھے ہو، بیوی کی یاد آ رہی ہے؟"

سرجو بھگت رحم انگیز نگاہوں سے

(باقی صفحہ)

سے اس کی طرف دیکھتا اور دیکھتا ہی رہتا لیکن چپکے کو کہتا:-

"نہیں بابو"

ہری سنگھ اس انکار پر دل ہی دل میں مسکرا اٹھتا لیکن معصوم بن کر کہتا،

"بزرگوں نے سچ کہا ہے سرجو بھگت عورت ذات بڑی بے وفا ہوتی ہے"

"سچ تو کہا ہے پر وہ عورت نہیں تھی بابو دیوی تھی۔ دیوی کیسے کہہ دوں کچھ کہہ دے دو، مجھے کوئی شکایت نہیں، کوئی انکار نہیں" پھر بھی چلی گئی۔ اس کا مطلب ہے تم اسے بہت تنگ کرتے تھے۔

"تنگ کرنے کی بات نہیں بابو، حقیقت کی بات ہے، ہونی بڑی بلوان ہے"

اس کی گردن آپ ہی آپ ہلنے لگتی، مونچھیں پھڑکتیں، سارے جسم میں جنبش سی ہونے لگتی چہرے پر رقت طاری ہو جاتی ایسا معلوم ہونے لگتا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں گے ایک طوفانی لمحہ اس کی روح میں ہلچل مچا دیتا، تھوڑی دیر چپ رہ کر اپنے کو سنبھال کر نہایت وثوق سے کہتا: "چلی تو گئی پر پچھتائی ہوگی"

پھر وہ خاموش ہو جاتا، ہری سنگھ بھی موقع کی نزاکت کو سمجھ کر خاموش ہو جاتا سرجو بھگت کی طرح صورت معصوم بنا لیتا اور تھوڑی دیر بعد حسرت انگیز لہجہ میں کہتا۔

"ایک بات تو ہم نے بھی دیکھی ہے سرجو بھگت، وہ تم سے پیار بہت کرتی تھی"

"ہاں بابو، بہت پیار کرتی تھی" سرجو بھگت کی بند آنکھیں کھل جاتیں، "شاید پھر لوٹ آئے"

"بابو دل تو میرا بھی کہتا ہے کہ وہ ضرور آئے گی!"

کہتے کہتے سرجو بھگت کے چہرے پر شگفتگی عود کر آتی لیکن ہری سنگھ کو شرارت سوجھتی،

"لوٹ آئے تو کیا تم اسے گھر میں رکھ لوگے؟"

"رکھ کیوں نہیں لوں گا بابو، کوئی بیر تھوڑی ہے"

اس کی نگاہیں زمین پر جھک جاتیں جیسے بیوی کی آمد کا خیر مقدم کر رہا ہو اور پھر ان نگاہوں کو سمیٹ کر ایک لمبا سانس لیتا،

"غلطی انسان سے ہو ہی جاتی ہے"

"سرجو بھگت یہ تو مجھ کو بھی یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گی"

ہری سنگھ وثوق سے کہتا اور سرجو بھگت مجسمہ حسرت بن کر سنتا جیسے کہنے والا آدمی نہیں دیوتاؤں کا راجہ ہو جس کے منہ سے نکلا ہوا جھوٹ بھی سچ ہو جاتا ہے ہری سنگھ اور بہکا دیتا

"اب تک آ جاتی، لیکن تم سے ڈرتی ہوگی کہ کہیں مجھے پیٹ نہ ڈالے کہیں گھر میں نہ رکھے"

"ڈرنے کی کون بات ہے بابو، مجھے خیر خبر بھیج دیتی، میں خود جا کر اسے لے آتا"

ہری سنگھ کے اندر کا آدمی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتا لیکن بظاہر متانت میں ذرا فرق نہ آتا

"خیر خبر بھی آئے گی اور وہ خود بھی آئے گی لیکن ایک بات یاد رکھو کہ اگر تم نے گوپی کو پیٹا تو وہ آ کر تم سے لڑے گی"

سرجو بھگت مسکرا دیتا:

"میں گوپی کو کیوں پیٹوں گا بابو، گوپی اسی کا نہیں میرا بھی بیٹا ہے" اور پھر بات سے بلند ہو کر کہتا "کوئی پچھلے جنم کا سمبندھ ہوتا ہے بابو تب کوئی کسی سے آ کر ملتا ہے ہم اس جنم کی بات سوچ کر مفت میں دکھی ہوتے ہیں"

سرجو بھگت پچھلے جنم کے رشتوں پر یقین رکھتا تھا اس لئے اس نے واقعی گوپی کو اپنا بیٹا سمجھ رکھا تھا، اور وہ اسے پیار بھی کرتا تھا ناراضی کے لمحے پیار کے عرصے کے مقابلے میں قابل شمار نہیں تھے، بیوی کی یاد جب اس کی زندگی کو تلخی سے بھر دیتی تو وہ اسے تھوڑا بہت مار پیٹ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا تھا اور یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی، یا وہ اس وقت ناراض ہوتا تھا جب گوپی کھانے بیٹھتا تھا تو کھائے ہی جاتا تھا سستے زمانے میں بھی دینے کا دال بھات اکیلا ہڑپ کر جاتا تھا لاکھ سرجو بھگت اسے بار ہا سمجھا چکا تھا کہ بہت کھانے اور بہت سونے سے آدمی کی عمر کم ہو جاتی ہے

سرجو بھگت خود اس اصول پر سختی سے عمل کرتا تھا وہ کم کھاتا اور کم سوتا تھا لیکن اس ریاضت کا مقصد لمبی زندگی کی تمنا ہرگز نہیں تھی بلکہ اس کی تہ میں کوئی اور ہی جذبہ کارفرما تھا

ہری سنگھ نے باتوں ہی باتوں میں ذکر کیا تھا کہ اس نے اپنی کوٹھری کے اندر زمین کھود کر اس میں ایک مٹکی گاڑ رکھی ہے جتنے پیسے بچاتا ہے اس مٹکی میں ڈال دیتا ہے ہر روز صبح سویرے اس جگہ کو لیپتا سنوارتا اور اس کی پوجا کرتا ہے منہ میں کوئی منتر بڑبڑاتے ہوئے بار بار ماتھا ٹیکتا ہے جیسے اس جگہ کے اندر کسی دیوتا کا نواس ہو، جیسے اس مٹکی میں اس کا بھگوان چھپا بیٹھا ہو۔

ہری سنگھ کا مقصد محض ایک لطیفہ بیان کرنا تھا لیکن سرجو بھگت کو اس جگہ سے واقعی دلچسپی تھی۔ اس کے پڑوسی تلسی نے بارہا دیکھا تھا کہ وہ رات کو سوتے سوتے اٹھتا دھوتی کے دامن میں لپٹی ہوئی چابی نکالتا آہستہ سے دروازہ کھول کر کمرے کے اندر جاتا اس جگہ پر ہاتھ پھیر کر اطمینان کا سانس لیتا اور پھر اس ہاتھ کو بار بار ماتھے سے چھو کر رام نام کا جاپ کرتا۔

دل ہی دل میں خوش ہوتا جیسے اسے کوئی نروان مل رہا ہو جیسے اس کی روح میں رفعت اور عظمت پھیل اٹھی ہو، پھر دبے پاؤں باہر نکل کر کوٹھری کو مقفل کرتا اور چابی دامن میں باندھ کر ادھ ناف کے قریب دھوتی میں اڑس کر آرام سے سو جاتا۔

اور لوگ گرمی کے باعث ہال کے سامنے کھلے صحن میں سوتے لیکن اسے گرمی کی ذرا پروا نہیں تھی اسے اپنی چارپائی کوٹھری کے دروازے سے پرے ہٹانا کسی طرح بھی گوارا نہ تھا

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

لفظ اور معنیٰ!

از حضرت
(حامد اللہ افسر بی، اے میرٹھی)

سائے کو جنبش میں پایا آدمی کہنے لگے
خواب میں اک خواب دیکھا زندگی کہنے لگے

تیرگی میں لہر آئی روشنی کہنے لگے
غم نے رک کر سانس لی اس کو خوشی کہنے لگے

دیکھنے والے نے پائی تیری ہر شے میں جھلک
بے بصر اس آگہی کو کافری کہنے لگے

کھو دیا جس نے سفر کا لطف منزل ہو گئی
ہر روش پر لڑکھڑائے رہروی کہنے لگے

نام آقا رکھ لیا دنیا نے عزرائیل کا!
موت کو اب بندگی، بیچارگی کہنے لگے

خضر بیچارے جو بھٹکے زندگی کی راہ سے
ان کی اس گم گشتگی کو رہبری کہنے لگے

اہلِ دنیا نے رکھا الفاظ کو معنی سے دور
جو نہ کہنا چاہیئے تھا، سب وہی کہنے لگے

روحِ جوانی!

(از جناب شفیق کوٹی)

تباہی سے بچ جائے گی زندگانی
اگر ہو گئی آپ کی مہربانی

سنانی ہے بھولی ہوئی اک کہانی
پلٹ آئے اے کاش عہدِ جوانی

بڑھی حد سے پھر عشق کی سرگرانی
نہ ہو جائے اونچا کہیں سر سے پانی

وفا کی جہاں میں ہے اتنی گرانی
محبت کی بھولی ہوئی یہ کہانی

مجھے کر کے برباد چل دی جوانی
مجھے کھو کے خود کھو گئی زندگانی

کہاں ہیں بہاریں وہ اب زندگی کی
کدھر ڈھونڈنے جاؤں تجھ کو جوانی؟

کوئی ان سے کہہ دے کہ وہ مسکرا کر
خزاں کو بھی دیں مژدۂ گلفشانی

مٹائے سے مٹتا نہیں نقشِ قسمت
بنائے سے بنتی نہیں زندگانی

یہ سحرِ ترنم، یہ حسنِ تکلم
ہمیں لوٹ لے گی کسی کی جوانی

سنا ہے یہ جب سے کہ وہ آرہے ہیں
ہر اک شے میں پاتا ہوں اک زندگانی

دیا ساتھ پیری نے میرے لحد تک
مرے کام آئی نہ میری جوانی

حیا آرہی ہے شباب آرہا ہے
نکھرتی چلی جا رہی ہے جوانی

جواں یوں تو دنیا میں لاکھوں ہیں لیکن
ہے کچھ اور ہی شے تمہاری جوانی

کہاں تک شفیق اپنی حسرت چھپائیں
نگاہوں سے ہو جائے جب ترجمانی

کتبہ ماجد علیخاں (امروہوی)

پھُول اور کانٹے!

"غریب کا دل"

بڑھاپے میں قدم رکھنے کے بعد لالہ جی کا یہ دستور بن گیا تھا کہ رات کو سونے سے قبل حفظ ضروری کیا کرتے تھے۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ حضرت جی کر جب لالہ جی برآمدے میں سے گذر کر اپنے کمرے میں سونے جا رہے تھے تو انہیں رامو کی کوٹھڑی میں روشنی دیکھ کر تعجب محسوس ہوا اتنی رات تک نہ جانے یہ کیا کر رہا ہے وہ دل ہی دل میں بڑبڑائے ناگاہ ایک شبہ ان کے دل میں پیدا ہوا۔ اور انہوں نے اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ رامو نے گھبرا کر کوئی چیز اپنی گٹھڑی میں چھپا دی اور دروازہ کھول دیا۔

"میں پوچھتا ہوں تم نے ابھی ابھی اپنی گٹھڑی میں کیا چیز رکھی ہے" لالہ جی نے کرخت آواز میں اپنے قدیمی نوکر رامو سے دریافت کیا وہ گھبرا کر کانپنے لگا۔ لالہ جی نے آگے بڑھ کر گٹھڑی کو کھولا اس میں کوئی زیور یا سونے چاندی کا برتن نہیں تھا بلکہ پرانے کپڑوں کے اوپر ایک گول چہرے والی عورت کی تصویر رکھی تھی۔ عورت کے موٹے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی اور اس نے تمام بدن پر چاندی کے زیورات پہن رکھے تھے لالہ جی کچھ دیر تک لیمپ کی روشنی میں اس تصویر کو دیکھتے رہے پھر آہستہ سے ایک لمبی سانس بھر کے بولے:۔

"تمہاری بیوی کی تصویر ہے؟"

رامو نے اثبات میں سر ہلا دیا وہ شرم سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ غریب کے دل کو کتنا حقیر اور بے حس تصور کیا جاتا ہے اس نوکر کو جو سال میں مشکل سے چند دن کے لئے اپنے وطن میں رہنے کا موقعہ ملتا ہے ہماری سوسائٹی یہ بھی اجازت نہیں دیتی کہ رات کی سنسان گھڑیوں میں، دن بھر کام کرنے کے بعد بیچارہ رامو اپنی رفیقۂ حیات کی تصویر کو بھی دیکھ سکے!

جب لالہ جی اپنے بیٹے کے کمرے کے پاس سے گذرے تو انہیں یہ دیکھ کر ذرا بھی تعجب نہ ہوا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا تاش کھیل رہا ہے اور ان کی بہو اندرا کے شیریں قہقہے فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے ہیں۔

جمہوریت!

آج دنیا ڈیموکریسی اور جمہوریت کی جانب بڑھ رہی ہے!

گرمی کے دن تھے اور دوپہر کا وقت۔ نیم کے درخت کے نیچے پیاؤ لگی ہوئی تھی جب میرا نمبر آیا تو پانی پلانے والے نے ذرا جھجک کر پوچھا "جی آپ کون ذات سے ہیں؟" "اس کا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا! پنڈت جی نے اپنے میلے دانت دکھلاتے ہوئے میری سادہ لوحی پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا یعنی اس پیاؤ پر نیچ ذات والوں کو دوسری ٹونٹی سے پانی پلایا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ پنڈت جی کے پاس ہی ایک علیحدہ ٹونٹی رکھی تھی چماروں، بھنگیوں اور دوسرے نیچ ذات لوگوں کو اس ٹونٹے سے پانی نہیں پلایا جاتا جس سے اونچی ذات کے سٹہ بازوں، چوروں رشوت خوروں اور بڑے آدمیوں کو پانی پلایا جاتا ہے میں نے "نیچ ذات" والی ٹونٹی سے پانی پینے پر اصرار کیا تو ایک صاحب بولے:۔

"آپ کیوں اپنا دھرم بھرشٹ کرتے ہیں"

یہ ہے ہندوستانی جمہوریت! جنوبی افریقہ کی جمہوریت میں ہندوستانیوں اور افریقہ کے خاص باشندوں کے خلاف کالے قانون پاس کرنا بھی جائز ہے امریکہ واشنگٹن اور ابراہیم لنکن کی جنم بھومی ہے! متفقہ طور پر جمہوریت کا گھر تسلیم کیا جاتا ہے وہاں کے سفید فام لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی معمولی سے قصور پر بھی وہاں کے کالے باشندوں کی بوٹی بوٹی کر کے کتوں کے آگے ڈال دیں اس سبز بازار وحشیانہ قتل کو امریکہ کے جمہوریت پسند لوگ لنچنگ کہتے ہیں مزدوروں کی حکومت ہے انگلینڈ میں، انگریزوں کی جمہوریت سب سے انوکھی ہے گھر میں ڈیموکریسی لیکن امپائر میں دوسرا طرز عمل، جمہوریت زندہ باد!

"عورت کا انتقام"

جب یہ خبر اڑی کہ مسٹر عزیز الدین نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہے تو دوستوں کے حلقہ میں کافی تعجب کا اظہار کیا گیا کیونکہ جہاں آرا ایک معزز بیرسٹر کی بیٹی ہونے کے علاوہ صورت اور سیرت میں بھی ہزاروں میں ایک تھی ایک روز کلب میں مسٹر عزیز الدین سے ملاقات ہو گئی میں کمرے کے پاس والی میز پر بیٹھا چائے پی رہا تھا میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے انہیں ایک خوش پوش حسینہ کے ساتھ اپنی جانب آتے دیکھا وہ عورت پوشاک اور گفتار سے کوئی بازاری عورت نظر آتی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو یہ اسی عورت کی کرتوت ہے جو عزیز الدین نے جہاں آرا جیسی خوبصورت اور عفت مآب بیوی کو ٹھکرا دیا ہے۔ بعض اوقات انسان کیچڑ میں پڑے ہوئے گھونگے کو اٹھانے کے لئے جھکتا ہے تو اپنی جیب سے کوئی قیمتی ہیرا گرا بیٹھتا ہے۔

اس بات کو تین سال گذر گئے فیروزہ کی محبت نے مسٹر عزیز الدین کو کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا اور فیروزہ کسی دوسرے شہر میں جا آباد ہوئی۔ ادھر جہاں آرا کا انتقال ہو گیا مرنے سے پہلے اپنا تمام زیور اور نقدی خاوند کو بھیج گئی مسٹر عزیز الدین نے اس روپیہ سے پھر اپنا کاروبار شروع کر دیا ہے اور شہر کے مشہور تاجروں میں شمار کئے جاتے ہیں انہیں اکثر جہاں آرا کے کمرے میں آنسو بہاتے دیکھا جا سکتا ہے۔

ایڈلیسن کے ایک لطیف مزاحیہ مضمون کا ترجمہ

انوکھی جمہوریتیں

(از پروفیسر عبدالغفار صاحب ایم۔ اے، ایم او ایل پٹیالہ)

اخلاقی زنیا جو صنف نازک و کرخت سے مرکب ہے کچھ مخلوط قسم کی ہے اور ایسے بہت سے رسوم و اطوار کی قائل، جو صنف واحد کی موجودگی میں نظر نہ آتے اگر نسل انسانی میں عورتیں شامل نہ ہوتیں تو مرد اپنی موجودہ صورت سے بالکل مختلف ہوتے ان میں صنف مخالف کو خوش کرنے کی جو آرزو پیدا ہو گئی ہے اس نے انہیں شستہ و شائستہ بنا دیا ہے اور وہ اپنے ان اطوار و اوضاع سے محروم ہو گئے ہیں، جو فطرت کی طرف سے انہیں عطا ہوئے تھے مرد ہمیشہ خود کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں جو صنف نازک کی خوشنودی کا باعث ہو خواہ وہ ہیئت کذائی ان کے اپنے مقتضیات کے مطابق ہو یا نہ ہو الغرض اگر مرد کو صنف مخالف سے کبھی خلق کا موقعہ پیش نہ آتا تو وہ نہ صرف ایک بدنصیب حیوان ہوتا بلکہ ایک وحشی اور ان گھڑ مخلوق بھی۔

دوسری طرف عورتیں اپنی آرائش و زیبائش میں ہمیشہ صنف کرخت کی پسندیدگی کا خیال رکھتی ہیں جن کے ساتھ انہیں دن رات زندگی بسر کرنا ہے وہ ہمیشہ مردوں سے زیادہ سے زیادہ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنے کی کوشش کرتی ہیں وہ ہمیں اپنے دام میں اسیر کرنے کے لئے ناز بھری گفتگو کرتی ہیں اور برق تبسم سے ہمارے دلوں پر بجلی گراتی ہیں ان کا ہر خط و خال، ان کے لباس کی ہر ایک زیبائش، عشوہ و فریب کا طلسم ہے اگر دنیا میں مرد کی قسم کا کوئی حیوان نہ ہوتا تو پارسا خواتین اور عشوہ گر نازنینوں کا وجود بھی نظر نہ آتا۔

المختصر یہ مرد کا ہی ہے جو صنف نازک کو دلربائی عطا کرتا ہے اور یہی ان کے چہروں پر نور جمال، ان کی رفتار میں کبک خرامی اور ان کی آوازوں میں نرمی اور لچک کا مجازی خالق ہے، چونکہ دونوں صنفوں کا باہمی رابطہ و لحاظ دونوں کی ترقی کا باعث ہے اس لئے یہ کہنا غیر منطقی نہ ہوگا کہ جو مرد عورتوں سے الگ تھلگ زندگی گذارتے ہیں ان کا سخت و درشت ہو جانا لازمی ہے اور اسی طرح جو عورتیں صنف مخالف سے بے پرائی یا عداوت کا اظہار کرتی ہیں عام طور پر نزش رو و سرکش جیسے عیب جو اور نکتہ چیں ہوتی ہیں۔

خیالات کی اس مخصوص رو کی تخلیق کی ذمہ داری ایک ننھی سی قلمی دستاویز پر ہے جو حال ہی میں میرے ہاتھ لگی تھی۔

اس دستاویز میں دو مختلف ریاستوں کا حال لکھا ہے جن کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں ایک ریاست میں صرف عورتیں ہی عورتیں آباد تھیں اور دوسری میں صرف مرد ہی مرد چونکہ یہ دونوں جمہوری ریاستیں ایک دوسرے کی ہمسایہ تھیں اس لئے انہوں نے یہ دستور مقرر کر رکھا تھا کہ ان کے باشندے سال کے ایک مخصوص موسم میں اپنی سرحدوں پر اکٹھے ہوتے تھے اور وہ مرد جنہوں نے اس سے پہلے انتخاب میں حصہ نہیں لیا تھا کچھ عورتوں سے تعلق پیدا کر لیتے تھے، جو آئندہ سالانہ ملاقاتوں کے موقعوں پر ان کی بیویاں تصور کی جاتی تھیں اس تعلق سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی، نرینہ ہونے کی صورت میں شوہروں کے پاس بھیجی جاتی تھی اور لڑکیاں اپنی ماؤں کے پاس رہ جاتی تھیں، اس سالانہ نمائش کے ذریعہ جو کوئی ہفتہ بھر جاری رہتی تھی، جمہوریتوں کی رعایا میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

ان ریاستوں نے آپس میں مستقل مصالحانہ و مدافعانہ معاہدات کر رکھے تھے، اس لئے جب کوئی غیر ملکی قوت ان پر حملہ کرنے کی جرأت کرتی تھی، دونوں حکومتیں مل کر اس کا مقابلہ کرتی تھیں اور بہت جلد اس کے حواس درست کر دیتی تھیں یہ امر قابل ذکر ہے کہ صدیوں تک ان دونوں ریاستوں کا باہمی معاہدہ قائم رہا، اگرچہ وہ دونوں آپس میں زن و شوہر کی حیثیت رکھتی تھیں لیکن اگر یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ وہ سال میں ہفتہ بھر سے زیادہ اکٹھے نہ رہتی تھیں تو معاملہ بہت کچھ تعجب خیز معلوم نہ ہوگا،

مصنف نے مردوں کی جمہوریت کی تاریخ کے ضمن میں بہت سی قابل ذکر رسومات کا ذکر کیا ہے، مرد سال بھر میں ایک مرتبہ سے زیادہ نہ داڑھی منڈاتے تھے نہ ناخن کٹواتے تھے، اور یہ آرائش بھی اسی وقت کی جاتی تھی جب سالانہ ملاقات کا زمانہ قریب ہوتا تھا میں نے ایک وزیر کا حال پڑھا جس پر صاف کپڑے پہننے کے جرم میں جرمانہ کیا گیا تھا اسی طرح ایک عظیم الشان سپہ سالار کو محض اس لئے موقوف کر دیا گیا کہ اس نے زنانہ انداز و اطوار اختیار کر لئے تھے، کئی معتبر گواہوں نے اس بات کی شہادت دی تھی کہ وہ ہر صبح منہ دھوتا ہے،

اگر جمہوریت کے کسی فرد کی آواز نازک یا اس کا چہرہ نرم ہوتا تھا تو اسے عورتوں کی جمہوریت میں جلا وطن کر دیا جاتا تھا جہاں اس سے غلاموں کا سا سلوک ہوتا تھا اسے زنانہ کپڑے پہنائے جاتے تھے اور رشوت کروایا جاتا تھا، ان کے خطابات اور اعزازی نشانات جسمانی قوت یا کمال کے مظہر تھے، مثلاً طویل درشت، کرخت، ان کے عام مباحثوں کا انتظام عام طور پر مکوں اور لاتوں کے ذریعہ ہوتا تھا، اور کونسل کے اکثر ممبر کونسل کے اجلاس کے بعد جب گھر آتے تھے تو کسی کے گھٹنے کی چپنی ٹوٹی ہوئی ہوتی تھی، کسی کی آنکھ نیم کور اور کسی کی ناک سے نکسیر جاری ہوتی تھی، جب وہ کسی شخص کو لعنت ملامت کرنا چاہتے تھے یا کسی دشمن کو گالیاں دیتے تھے تو کہتے تھے، تیرے دانت سفید، تیری جلد نرم اور سفید ہے اور تیرے ہاتھ نازک ہیں ان کا قومی ہیرو ایک ایسا شخص تھا جو سات آدمیوں کا بوجھ اٹھا لیتا تھا اور جس کے گلمچھے اس قدر دراز و ہیبت ناک تھے کہ چہرہ کا زیریں حصہ نظر ہی نہ آتا تھا، اس کی قوت و شجاعت نے تمام لوگوں کو اس قدر موہ لیا تھا کہ اگر وہ عالم شباب ہی میں نہ مر جاتا تو لوگوں کو اپنا غلام بنا لیتا۔

اب آیئے عورتوں کی جمہوریت کا بھی کچھ حال سنئے، اس کی جزئیات و تفصیلات بھی لائق شنید ہیں، اعلیٰ خاندانوں کی چھ سے بارہ سال تک کی لڑکیوں کو سرکاری اسکولوں میں تعلیم دی جاتی تھی، وہ مکہ بازی، لٹھ بازی اور اسی قسم کے دیگر جسمانی کمالات حاصل کرتی تھیں اس لئے کسی ننھی سی لڑکی کو رات کو اپنا سر تڑوا کر یا دانت تڑوا کر گھر واپس آتے دیکھنا کچھ زیادہ عجب خیز امر نہ تھا،

اس کے علاوہ انہیں شہسواری، تیر اندازی، قادر اندازی کی تعلیم دی جاتی تھی اور باقاعدہ زنانہ فوج میں فوجی تربیت سے بہرہ ور کیا جاتا تھا کسی عورت کی شادی نہیں ہو سکتی تھی جب تک وہ ایک آدمی کا شکار نہ کر لے امراء کی لڑکیاں گڑیوں کی بجائے ببر شیروں کے بچوں سے کھیلتی تھیں، اور جب کبھی آپس میں اکٹھی مل کر بیٹھتی تھیں تو بجائے تاش یا سیٹیاں کھیلنے کے کشتی لڑتی تھیں، تمام جمہوریت کے طول و عرض میں آج تک کسی لڑکی کے چہرے پر شرم و حیا کی سرخی پھیلتی دیکھی گئی تھی اور نہ کسی کے سر والی آواز سنائی دی تھی، عورتیں ہمیشہ ایسا لباس پہنتی تھیں جس سے وہ زیادہ سے زیادہ خوفناک معلوم ہوں، اکثر جنگ کے بعد وہ اپنے رخساروں کو دشمنوں کے لہو سے رنگ دیتی، جس چہرے پر سب سے ...

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

پروازِ تخیل

(از محترمہ نجمہ تصدق ایم اے)

ہو مبارک کاوشِ زخمِ جگر میرے لئے
بن گئی ہے تیر اب اُن کی نظر میرے لئے

آؤ سینے سے لگا کر دوں تمہیں داد وفا
یہ رُستا چہرہ، یہ غم، یہ چشم تر میرے لئے

دن ترے نور و زر زنگار نگ میں رات تری
اور یہ ویرانی شام و سحر، میرے لئے

بے سر و سامانیوں میں یہ گماں گذرا کہ ہر
یہ مہ و خورشید و انجم چرخ پر، میرے لئے

برق و باراں میری، تیاری مری، ہر شفق
بجلیاں میری ہیں اور برگ شجر میرے لئے

میری خاطر گیسوئے ابر سیہ کے پیچ و خم
ندیوں کی صاف بل کھاتی کمر، میرے لئے

گردشِ دوراں ہے میری جستجو کیواسطے
ہے ازل سی تا ابد دورِ قمر، میرے لئے

جس طرف بھی میں نکلوں، جو ہو میری رہگزر
فرش رہ آنکھیں کئے ہیں بام و در میرے لئے

سب کرشمے حسن کے ہیں کیا ثواب و کیا گناہ
نور و ظلمت میری خاطر خیر و شر میرے لئے

زندگی کے وار پر وار اور میں زندہ رہوں
ہے ازل سی موت و خود سینہ سپر میرے لئے

میری ہی خاطر ہیں حسن و عشق کی نیرنگیاں
ہے ہر اک دیوانہ و دیوانہ گر میرے لئے

مالک کون و مکاں ہو شاعرِ فطرت ہوں میں
یہ زمین و آسماں، یہ بحر و بر، میرے لئے

میری ہستی انقلاب و انقلاب و انقلاب
نظم عالم آج ہے زیر و زبر میرے لئے

مجھ سے وہ چھپتا ہے نجمہ بن کے میری ہی نگاہ
پردہ داری ہے بہ اندازِ دگر میرے لئے

قومی زبان

(از مسٹر ظفر یاب علی، ایم، سابق ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی)

حکومت کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ملک کو صوبوں میں تقسیم کر کے انتظام میں سہولتیں حاصل کرے، چنانچہ ہندوستان کے مختلف صوبے بنائے گئے اور ہر صوبہ کا انتظام تقریباً علیحدہ ہو گیا۔ انگریزی انتظام سلطنت کی تاریخ جہاں قابل تعریف ہے وہاں اس پر یہ دھبہ بھی ہے کہ اس نے ملک کے ٹکڑے کر دیئے اور یہاں کے باشندوں میں صوبائی ذہنیت پیدا کر دی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ملک متحد کبھی بھی نہیں رہا اور انگریز کے آنے سے پہلے بھی یہاں بے شمار ریاستیں اور ساتھ ساتھ ان گنت زبانیں پائی جاتی تھیں مگر وہ اس زمانہ کی بات ہے جب تہذیب اور تمدن ابتدائی مدارج طے کر رہا تھا۔ غالباً مغل عہد حکومت میں کوئی شخص اپنے سکنائی صوبہ کو اس قدر قابل امتیاز نہ سمجھتا تھا جتنا کہ آجکل، صوبائی ذہنیت اکثر قومی امتیاز پر بھی بازی لے جاتی ہے۔

غرض تاریخ نے ہمیں ایسی منزل پر پہنچا دیا جب ہمارے پاس کوئی قومی زبان نہیں ہے، ہمارا ملک ایک ایسے جسم کی طرح ہے جس کا ہر عضو بدن علیحدہ کر دیا گیا ہو اور جس میں کچھ قوت ہے تو سیاسی بیداری کی بدولت، قومی سیرت قومی لباس، قومی اتحاد، سب ہی چیزوں کے لئے ایک قومی زبان کا ہونا ضروری ہے، ہمارے پاس ایسی زبان نہ ہونے کے وجوہات تو ہمیں معلوم نہیں لیکن اس کا نہ ہونا ہماری بڑی بدقسمتی ہے، اس زمانہ میں جب دنیا کے چھوٹے چھوٹے ملک اپنی قومی زبانوں کو بین الاقوامی معاملات میں استعمال کرتے ہیں اور اپنی اپنی بولی کو رائج کرتے ہیں، ہمارے پاس ایک منظم اور ترقی یافتہ زبان بھی نہیں، ہم کسی نہ کسی طرح ہندی اور اردو کے حامیوں کے جھگڑوں میں ایک درمیانی راستہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس مصالحانہ راستہ کی حمایت مہاتما گاندھی نے بھی کی، ملک میں ہندوستانی کو رائج کرنے کی کوششیں ہوئیں، ہندوستانی انجمنیں قائم ہوئیں لیکن قومی زبان کا مسئلہ ہندی اور اردو کا اختلاف ہی نہیں، ہمارے بنگالی ہموطن کو بنگالی زبان اتنی ہی عزیز ہے جتنی مدراسی زبان مدراسی کو ہو سکتی ہے مادری زبانوں کی یہ بحث اگرچہ ہمیں ایک قومی زبان کی تشکیل ... سے حاصل کرنے سے نہیں ... پھر بھی اس کے عام رواج میں کمی ضرور پیدا کر دی ہے، عام آدمی کا تو کیا کہنا ملک کے بڑے بڑے رہنما اور قوم کے سربرآوردہ ... قومی ... کے موقعوں پر مجبور ہونے ... انگریزی زبان میں بولیں، کبھی ... مہاتما گاندھی نے اس رویہ کے خلاف ... کی ہے ... قوم کی رائے یہی ہے کہ ہندوستانی

زبان کو ملکی اور قومی زبان قرار دے دیا جائے اور اس کے رائج کرنے کی کوششوں میں مختلف سبھائیں اور مجلسیں قائم ہیں لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہ سبھائیں اور مجلسیں ہندی اور اردو کے قدیم جھگڑے کو طے نہیں کر سکیں، ہندوستانی زبان کی لکھائی ناگری اور فارسی رسم الخط میں اسے دو علیحدہ صورتیں دے دیتی ہے اور یہ شکل کی تبدیلی اگرچہ معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اسی فرق نے ہندی اور اردو کے جھگڑے کو ایک نہ ختم ہونے والا قصہ بنا دیا ہے۔

ظاہراً ناگری اور فارسی رسم الخط میں لکھنے والے وہ لوگ جو ہندوستانی کے حامی ہیں صلح سے کام لیتے ہیں لیکن وہ پہند ... رقابت ہر جگہ موجود ہے۔

ہندوستانی وہی زبان ہے جسے ہم شمالی ہند کے رہنے والے خاص طور سے اور سارے ہندوستانی عام طور سے بولتے اور سمجھتے ہیں، یہ زبان صحیح معنوں میں ہماری بول چال کی زبان ہے مثلاً میں ہوں کہ: "آپ کا کیا نام ہے؟" اس جملہ کو تقریباً سنتر فی صدی ہندوستانی بلا تفریق مذہب و ملت سمجھ لیں گے، یہ عام آدمی کی روزانہ بول چال کا جملہ ہے اس میں کبھی کوئی حرج نہیں کہ اسے دو علیحدہ رسم الخطوں میں لکھ کر ہندی اور اردو کہہ لیا جائے، لیکن کیا یہی کافی ہے؟ کیا اس طرح ایک آزاد اور مستقل زبان بن سکتی ہے؟ اصل میں ہماری ہندوستانی زبان بہ حیثیت ذخیرہ کے بہت ہی غریب ہے، اور اس پر یہ مشکل ہے کہ لکھنے کے لئے دو الگ خط ہیں فارسی اور ناگری، ان دونوں خطوں میں ذرا بھی یکسانیت نہیں، فارسی داہنے سے بائیں اور ناگری بائیں سے داہنے کو لکھی جاتی ہے، صورت میں بھی بڑا فرق ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ بول چال کی زبان ابتدائی اور سہل ہندوستانی ہے اور وہ تحریریں جن میں مشکل مضامین فارسی اور ناگری خطوں میں لکھے جاتے ہیں، ہندوستانی زبان میں شامل ہیں اور وہ اس زبان کی اونچی اور سنجیدہ شکل ہے، مجھے اس سے انکار ہے اصل میں ہماری تحریری زبان چاہے وہ ناگری میں لکھی گئی ہو یا فارسی رسم الخط میں ہندوستانی نہیں رہتی، یا تو وہ ٹھیٹھ ہندی ہو جاتی ہے یا ٹھیٹھ اردو۔ عام اور روزمرہ کی محدود اور مختصر زبان سے ملتا ہو کر کسی بھی مطلب کے ادا کرنے کے لئے نہیں اردو اور ہندی کے جھگڑے میں پھنسنا پڑتا ہے پچھلی مثال ہی کو لیجئے، وہی جملہ کہ "آپ کا کیا نام ہے" ہندی کے اچھے اور اردو ناولوں میں یا ڈراموں میں یوں لکھا جائے گا،

"آپ کا شبھ نام؟"
اور اردو ادب میں:-
"آپ کا اسم گرامی؟"

یہ دونوں صورتیں ہندوستانی زبان سے علیحدہ ہو گئیں اور اتنی عام فہم نہیں رہیں جتنی کہ پہلی شکل ہے۔

ہندوستانی زبان اصل میں ہندی اور اردو کے جھگڑے میں درمیانی راستہ نہیں، بلکہ دونوں کی ابتدائی شکل ہے اس مثال میں ہم یہ کر سکتے ہیں کہ نہ تو شبھ نام استعمال کریں اور نہ اسم گرامی، بلکہ صرف لفظ نام کا استعمال کریں، مگر یہ طریقہ اونچے مطالب ادا کرنے کے لئے کارگر نہیں ہوتا، قوم کی زندگی محض بازار اور کاروبار میں نہیں ہوتی، مدرسوں دفتروں اخباروں اور ریڈیو کی زبان کہاں سے آئے گی، یہاں ہم یہ طریقہ کیسے اختیار کریں؟ مدرسہ کا ہندوستانی طالب علم، اسے تو دیا رحمٰن ہی کہیے جب ایکنا مکس پڑھے گا تو وہ اس علم کو اگر مادری زبان میں پڑھے تو اسے ارتھ شاستر کہے گا یا علم معاشیات غرض دو علیحدہ راستے ہو جاتے ہیں، اور ہندوستانی زبان کا پیدا کیا ہوا اتفاق اردو اور ہندی کے جھگڑے میں گم ہو جاتا ہے

(باقی صفحہ (۲۴) پر)

صفحہ (۱۳) کا باقی!

لگے ہوتے تھے اسی کو حسین ترین تصور کیا جاتا تھا۔ اگر انہیں مال غنیمت میں کوئی بیش بہا جواہرات نیز یا چاندی سونے کے زیورات ہاتھ لگتے تھے تو وہ اپنے گھوڑوں کو ان سے آراستہ کرتی تھیں لیکن ان چیزوں کو خود پہننے کا انہیں خیال تک نہیں آتا تھا جس عورت کے تین لڑکیاں ہوں اسے خاص حقوق و مراعات حاصل ہوتے تھے مجلس شوریٰ ضعیف عورتوں سے مرکب تھی کیونکہ ملک کے قانون کے مطابق کسی عورت کو مشیر ملکی بننے کا حق نہ تھا، جب تک وہ بچے جننے کی حد سے نہ گذر جائے،

ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی جمہوریت چار ہزار سال سے قائم ہے گو اس پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اس زمانہ جمہوریت میں ایک ہمسایہ حکمراں کی وجہ سے انقلاب عظیم رونما ہوا، اس بادشاہ نے متواتر کئی سال ان سے کامیابی کی جنگ کی اور آخر انہیں ایک بہت بڑی لڑائی میں شکست دی اس شکست کی زنانہ جمہوریت کی طرف سے کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں کچھ کا بیان ہے کہ وزیر اعظم کے دماغ میں تخیلات چسپاں ہو جانے کی وجہ سے کئی ضروری ہدایات نامے بھیجنے میں فاش غلطیاں کیں،

ایک اور جماعت کا دعویٰ ہے کہ وزیر اعظم حاملہ ہونے کی وجہ سے صورت حالات پر پوری طرح توجہ نہیں دے سکی لیکن اس بیان کو درخور اعتنا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مصنف دستاویز نے اس سانحہ عظمیٰ کا ایک نہایت قابل قبول باعث بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ پہلا جنگ کے آغاز سے ایک رات پہلے حمل ضائع ہو گیا اور اس کے باعث فوج میں جو کمزوری پیدا ہوئی اس کا سدباب کرنے کے لئے مردوں کی جمہوریت سے امداد لینا پڑی، لیکن ان کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود جنگ کئی سال جاری رہی اور انہیں فتح حاصل ہونے سے پیشتر بہت سی آزمائشوں میں سے گذرنا پڑا چونکہ دونوں صنفیں مشترکہ حملے کرتی تھیں اس لئے وہ آپس میں اس قدر مانوس ہو گئیں کہ جنگ کے اختتام پر ان کا جی ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کو نہ چاہا۔

آغاز میں مرد اور عورتیں علیحدہ علیحدہ صفوں میں رہتی تھیں لیکن بعد میں انس کی زیادتی کے ساتھ ساتھ مشترکہ خیمے نصب کر دیئے گئے اس کے بعد دونوں صنفوں کے انداز و اطوار میں روز بروز نفاست آتی چلی گئی مرد عورتوں کو اپنے کیمپ میں بلاتے تھے اور اپنے خیموں کو پھولوں اور دیگر سامان آرائش سے سجاتے تھے، جن نازنینوں پر ان کی نظر انتخاب پڑتی تھی وہ ان کے نام میز پر کھدواتے تھے یا دیواروں پر لکھتے تو وہ پرجوش انداز میں ان کی مدح سرائی کرتے تھے اور یہی مدح ترقی پذیر ہو کر غزل اور گیت بن گئی،

جب دشمن پر فتح حاصل ہوتی تھی تو دونوں اکٹھے اچھلا کودا کرتے تھے اور

تلواروں اور سپروں سے طوفان بدتمیزی برپا کر دیتے تھے، چند سال کے بعد یہی خبریں قاعدہ قانون اور ناچوں کی شکل اختیار کر گئیں، ان محافل رقص کے دوران میں عورتیں اپنے ساتھیوں کی گھنی داڑھیوں اور لمبے لمبے ناخنوں کی شکایت کرتی تھیں اس لئے انھوں نے خود کو صنف نازک کی فرمائشات کے مطابق آراستہ کرنا شروع کر دیا، جب مال غنیمت ملتا تھا تو مرد آرائشی و نمائشی سامان عورتوں کو نذر کرتے تھے اور اپنے محبوبوں کی گردنوں اور بازوؤں کو طلائی ونقرئی ہاروں اور دیگر زیورات سے مزین کرتے تھے، عورتوں نے بھی جب دیکھا کہ مرد انہیں آراستہ و پیراستہ دیکھ کر بہت مسرور ہوتے ہیں تو انھوں نے بھی تمام محفلوں اور مجلسوں میں خود کو ایک دوسرے سے بڑھ کر آراستہ کرنا شروع کر دیا،

دوسری طرف مردوں نے عورتوں کی پسندیدگی حاصل کرنے کے لئے اپنے حسن ظاہری کو ہر ممکن طریق سے چمکانا شروع کیا قصہ مختصر چند سال کے باہمی تعلقات کے بعد ہی عورتوں کو برق منتہم سے بجلیاں گرانا آ گیا، اور مرد آنکھیں سینکنا سیکھ گئے عورتیں عشوہ طراز بن گئیں اور مرد کہنہ مشق دل پھینک!

جب یہ اثرات پختہ ہو گئے اور دشمن پر فتح حاصل ہو گئی تو مردوں کی فوج کے کرنیلوں نے عورتوں کی فوج کے کرنیلوں سے شادی کر لی اور دونوں فوجوں کے کپتانوں اور سپاہیوں میں بھی یہی رشتہ قائم ہو گیا، اور اس طرح دونوں جمہوریتیں ایک سلسلہ میں منسلک ہو گئیں۔

صفحہ صحت

انسانی دانت اور صحت

(از مسٹر اشودت ایم۔ بی۔ ایچ)

قدیم زمانے کی تاریخ اور علم طب کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ اس وقت کے لوگوں کی خوراک اور رہائش بہت سادہ ہوتی تھی اور نہایت طاقتور اور تندرست انسان ہوتے تھے۔ ان میں بہت ہی کم بیماری پائی جاتی تھی۔ نہ ہی ان کے دانت اور بینائی خراب ہوتی تھی اور عمر طبعی کو پہنچتے تھے جو لوگ قدرتی خوراک کھاتے ہیں ان کے جسم ایک خاص تناسب سے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور خوبصورت اور سڈول معلوم ہوتے ہیں۔ نہ ہی انہیں کام کرنے سے تھکاوٹ معلوم ہوتی ہے اور ان کے دانت اس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ وہ اپنی خوراک کو اچھی طرح سے چبا کر کھا سکتے ہیں جس سے ان کی صحت خراب نہیں ہوتی اور ان لوگوں کی اولاد بھی تندرست پیدا ہوتی ہے۔

برعکس اس کے جو لوگ قدرتی خوراک کو بگاڑ کر کھاتے ہیں اور دیگر منشیات مصالحہ جات اور غیر قدرتی خوراک کو کھاتے ہیں ان میں تمام کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ان کے جسمانی اعضا کی بناوٹ قدرتی تناسب سے نہیں رہتی ہے جو دیکھنے میں بھدے اور بے ڈول معلوم ہوتے ہیں اور قدرتی خوبصورتی ضائع ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ مختلف قسم کی بیماریوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور یہی لوگ زیادہ تر امراض مخصوصہ میں مبتلا رہتے ہیں اور دانتوں کے خراب ہونے کی وجہ سے اپنی خوراک کو بھی چبا کر نہیں کھا سکتے ہیں اور بے وقت مر جاتے ہیں۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں کی اولاد تندرست پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کے بچے ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ چونکہ بچے ماں باپ کی تصویر ہوتے ہیں ان میں بھی ایسی بیماریوں کے پیدا ہو جانے کا ہمیشہ خطرہ رہتا ہے۔

سب سے زیادہ تکلیف بچوں کو دانت نکلنے کے وقت ہوتی ہے جسم کے تندرست نہ ہونے کی وجہ سے جو بیماریاں بچوں کو پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا مناسب علاج ماہرین علم طب و دندان کے مشورہ کے بغیر کرنے سے لاکھوں بچوں کی جانیں آئے سال ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دانتوں کی حفاظت صحت اور اس کا علاج بچوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔

جسم کی پرورش اور صحت برقرار رکھنے کے واسطے کیمیائی طور پر کاربن ڈائی آکسائیڈ، آکسیجن، ہائیڈروجن، نمک، پانی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان ہی کی آمیزش سے جسم کی ہڈیاں گوشت خون وغیرہ بنتے ہیں جو خاص تناسب میں تمام قسم کی سبزیاں، میوہ جات، پھلوں، اناجوں اور دودھ وغیرہ میں پائی جاتی ہیں اور ان کو ہی خاص اور مناسب طور پر کھانے سے جسم کی تندرستی قائم رہ سکتی ہے اور یہی خوراکیں اچھی طرح سے چبا کر کھائی جا سکتی ہیں جن سے دانت مضبوط اور تندرست رہتے ہیں۔

جو لوگ اپنے بچوں کی تندرستی و صحت کا دودھ کے دانت نکلتے وقت خیال نہیں رکھتے اور مناسب خوراک کھا کر بچوں کی پرورش نہیں کرتے بلکہ بیماری کی حالت میں سنے سنائے، دوا، ٹونے اور جادو ٹونکوں کا علاج کرتے ہیں وہ اپنے بچوں کی زندگی اپنے ہاتھوں ہی ضائع کر دیتے ہیں۔

بچوں میں عام طور پر دانت نکلتے وقت منہ، پیٹ اور جلد کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ ان امراض کا علاج بھی ٹھیک طور پر اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ بچے کی والدہ دانتوں کی پرورش کرنے والی مذکورہ بالا قسم کی خوراک استعمال کرے جو دانتوں کی پرورش اور بناوٹ کے واسطے درکار ہیں یا ایسے ہی ڈاکٹر کی مدد اور مشورہ سے ہو سکتا ہے جو علم طب و دندان کا ماہر ہو اور قدرتی سائنس کو اچھی طرح سے جانتا ہو۔

بچوں اور نوجوانوں کے خراب اور مضبوط دانت کو جب تک ان کے مسوڑوں اور جبڑے کی ہڈی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو ہرگز نکالنا نہیں چاہئے بلکہ مناسب علاج کرنے سے بہت عرصہ تک دانت قائم رہ سکتا ہے۔ جو لوگ کسی بیماری کے اہم خطرہ کے بغیر اپنے مضبوط دانتوں کو نکلوا دیتے ہیں وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے جسم کی صحت میں فرق ڈال بیٹھتے ہیں۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایسے دانت نکلنے کے بعد منہ میں اس قدر تکلیف ہو جاتی ہے کہ بہت سے لوگ دانت نکلنے کی وجہ سے ہی مر گئے ہیں۔ خراب اور مضبوط دانت کا صحیح طور پر نکالنا وہی ڈاکٹر جانتے ہیں جو علم دندان میں پورے پورے ماہر ہوتے ہیں۔ دوستو اگر آپ نے اپنی صحت اور دانتوں کو ٹھیک رکھنا ہے تو قدرتی خوراک کی طرف توجہ دیں اور تمام قسم کی خراب خوراکوں، منشیات اور مصالحہ جات سے پرہیز کریں اور دانتوں کے خراب ہونے کی حالت میں ایسے ہی ڈاکٹروں سے مشورہ لینا چاہئے جو علم طب (علم دندان) اور قدرتی سائنس میں ماہر ہوں۔

مصنوعی دانتوں کو بنانے کے واسطے اس کے اصولوں کو جاننا اور اس کے متعلقہ سامان رکھنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی فطری قدرتی فراست کی ضرورت ہے جیسے ایک نیچرل شاعر اور مصور میں قدرتی طور پر پائی جاتی ہے۔ وہی شخص صحیح مصنوعی دانت بنا سکتے ہیں جن میں شاعر اور مصور جیسی قدرتی خداداد صفت موجود ہوتی ہے اور جو کافی عرصہ مسلسل کام کرنے سے زیادہ پختہ ہو کر عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔

ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر عام لوگوں کی بھلائی کے واسطے یہ بات ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جو لوگ ناتجربہ کاروں سے اپنے مصنوعی دانت بنواتے ہیں وہ بجائے فائدہ کے ناقابل تلافی نقصان اٹھاتے ہیں اس لئے ڈینٹل سائنس کے فوائد اور اس کے ماہرین کی قدر کرنے کے بعد ان سے ہی دانتوں سے متعلقہ مشورہ لینے اور علاج کرانے اور مصنوعی دانت بنوانے سے انسانی صحت بہت حد تک ٹھیک رہ سکتی ہے اور بیماریوں سے بچ سکتے ہیں۔

خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجئے۔

وٹامن "سی"

(بہ سلسلہ گذشتہ ۲)

وٹامن اے اور بی دریافت ہو جانے پر بھی غذائی ماہرین کو نجات نہ ملی۔ سکروی جیسی بیماری اپنے پورے شباب پر تھی جس وقت واسکوڈی گاما ہندوستان دریافت کرنے آیا تھا اس کے جہاز کے ۱۶۰ افراد میں سے ۱۰۰ اس بیماری کا شکار ہو گئے تھے۔

آج سے تین سو سال قبل سر جرڈ ہوکنز نے یہ حقیقت دریافت کر لی تھی کہ سنگترے اور لیموں اس بیماری کا علاج کرنے میں فائدہ مند تھے۔ اٹھارویں صدی میں کیپٹن لنڈ نے ملاحوں پر تجربات کر کے اس خیال خام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

سکروی کی علامات حد درجہ کمزوری، بازوؤں کی سوزش وغیرہ ہیں۔ خون کی نالیاں بھی کمزور پڑ جاتی ہیں اور آخر کو پھٹ جاتی ہیں جوڑوں میں شدید درد ہونے لگتا ہے، دانت نکلنے شروع ہو جاتے ہیں اور اگر صحیح طریقہ پر علاج نہ ہو تو مریض دم بخود ہو جاتا ہے۔

سکروی کے خلاف تحفظ بخشنے والی شے کی دریافت میں یہ دیکھا گیا کہ زیادہ تر حیوانات اس بیماری کا شکار نہیں ہوتے لیکن بندروں اور گنی پگ پر اس کا اثر ہو جاتا ہے۔

بعد تجربات کے کیمبرج یونیورسٹی کے سنر ہنٹ گیورگی نامی سائنسدان نے جو کہ ہنگری کا باشندہ تھا سکروی کا علاج وٹامن سی جدا کر لیا لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی جدا کردہ تلمیں وٹامن سی تھیں۔

اسی اثنا میں تلمین اور ہرسٹ نامی دو جرمن سائنسدانوں نے یہ دریافت کر لیا کہ قدرتی پھلوں کے تازہ رس رنگیوں کو صاف کر دیتے ہیں لیکن باسی رس یا مصنوعی بدل ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ بعد ازیں وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ گیورگی کی تلمیں وٹامن سی اور ان کی خود کی مصفا شے درحقیقت ایک ہی چیز تھی۔ اس کے بعد گیورگی نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا۔

اب ہم اس وٹامن سی کو "ایسکوربک ایسڈ" یا "سیوٹنیک ایسڈ" کہتے ہیں۔ برمنگھم کے ہرسٹ نامی سائنسدان نے اس کا فارمولا دریافت کر لیا تھا۔

وٹامن سی دودھ کی کھانڈ لیکٹوز سے ایک پیچیدہ عمل کے ذریعہ الگ کیا گیا تھا۔

گیورگی کا تو یہ بھی خیال تھا کہ وٹامن سی کے علاوہ اور بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ سکروی کو روکنے میں مدد دیتی ہے۔

اٹھارویں صدی سے پیشتر انگلستان میں موسم سرما میں ہر سال یہ بیماری زور پکڑ لیا کرتی تھی اور بہت سے افراد اس کا شکار ہو جایا کرتے تھے۔

وٹامن سی پانی میں حل ہو جاتا ہے۔ سکروی سے بچانے کے علاوہ یہ دانتوں اور ہڈیوں کی صحت کا بھی ضامن ہے۔

وٹامن سی آلوؤں، گاجروں، تازہ پھلوں اور سبزیوں میں موجود ہوتا ہے۔ دودھ میں بھی کچھ وٹامن سی موجود ہوتا ہے لیکن آلوؤں میں اس کی نسبت بہت زیادہ مقدار موجود ہوتی ہے اور پکانے کے بعد بھی موجود رہتی ہے۔ ۱۹۱۶ء میں آلوؤں کی کمی کے باعث گلاسگو، مانچسٹر اور نیوکیسل میں سکروی کی وبا بہت زور سے پھیلی۔

وٹامن سی کے سب سے عمدہ ذرائع سنگترہ، لیموں وغیرہ ہیں۔ کئی اقسام کے سیبوں میں بھی اس کی کافی مقدار موجود ہوتی ہے۔ ٹماٹروں میں بھی وٹامن سی ہوتا ہے۔ کیلے اور انگوروں میں اس کی زیادہ مقدار نہیں ہوتی۔ کئی ہری سبزیوں میں وٹامن سی کی بہت زیادہ مقدار موجود ہوتی ہے۔

ویسے تو بند گوبھی میں بھی وٹامن سی موجود ہوتا ہے لیکن پکانے پر یہ ضائع ہو جاتا ہے۔

کالی گاجروں میں اس وٹامن کی کافی مقدار موجود ہوتی ہے۔ کالی گاجروں میں رنگدار مادہ نظر آتا ہے یہ تمام وٹامن سی سے بھرپور ہوتا ہے۔ بلکہ اگر یوں کہئے کہ یہ تمام ہی وٹامن سی ہوتا ہے تو مبالغہ آمیزی نہ ہوگی۔

پیلی گاجروں میں کالی گاجروں کی نسبت وٹامن سی کم ہوتا ہے۔ کالی گاجروں کو چبا چبا کر ان کے رس کو چوسنے کا مطلب وٹامن جیسی قیمتی چیز کو کھانا ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے آنکھوں کے بہت سے امراض دور ہو جاتے ہیں قوت مردمی بڑھتی ہے۔

کالی گاجروں کی کانجی بھی وٹامن سی سے لبریز ہوتی ہے۔ اس کا حلوہ اور مربہ بھی بہت مفید ہوتا ہے۔

حکومت ہند کے ہیلتھ بلیٹن ۲۳ (اشاعت ۱۹۴۱ء) میں شائع ہوا تھا کہ آملہ میں وٹامن سی کی اتنی مقدار موجود ہے کہ اب تک اس وٹامن کے جتنے قدرتی ذرائع معلوم ہو سکے ہیں۔ ان میں آملہ کو پہلا درجہ حاصل ہے۔ سنگترہ کے اس کے مقابلہ میں تازہ آملے کے رس میں یہ وٹامن بیس گنا زیادہ پایا جاتا ہے اور ایک آملہ میں دو سنگتروں کے برابر موجود ہوتی ہے۔

سبزیوں اور پھلوں کو سکھانے یا گرم کرنے سے ان کا وٹامن سی زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن آملے کے بارے میں یہ عجیب بات معلوم ہوئی ہے کہ اس میں ایسے مادے پائے جاتے ہیں جو اس وٹامن کو خشک ہونے کے بعد بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ اس لئے آملہ کا سفوف، مربہ یا اچار اس وٹامن کو ضائع کئے بغیر تیار کیا جا سکتا ہے۔

خشک آملوں میں وٹامن کو محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تازہ آملوں کو ریزہ ریزہ کر کے بہت جلد دھوپ میں خشک کر لیا جائے اور اس کا سفوف بنا کر بند بوتلوں یا ڈبوں میں ٹھنڈی اور خشک جگہ میں رکھا جائے۔ اس طرح تیار کئے ہوئے آملے کے ایک اونس سفوف میں تقریباً پندرہ ملی گرام وٹامن سی موجود ہوتا ہے۔

بچوں کا باغ



تاریخی کہانی

"باباگرو نانک دیو"

(از جناب شام سُندر آزاد، دہلی)

بچو! آج تمہیں ایسی بزرگ ہستی کا حال سُنائیں گے جنہوں نے اپنی ساری زندگی دُوسروں کی مدد کرنے میں گذار دی آپ نے سچی خوشی حاصل کرنے کے لئے گھر بار کو چھوڑ دیا، آپ آج سے تقریباً تین سو سال پہلے تلونڈی کے مقام پر جو ضلع شیخوپورہ میں واقع ہے کھتریوں کے بیدی خاندان میں پیدا ہوئے تھے آپ کے والد کا نام کالو رام تھا، کالو رام زیادہ مالدار نہ تھے، مگر ہاں معمولی حیثیت کے تجارت پیشہ آدمی تھے، بڑا ہونے پر پنڈت جی کے پاس پاٹھ شالہ میں بھیج دیئے گئے پھر اُردو فارسی پڑھی، "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"، مطلب یہ کہ آپ بچپن سے ہی ہر وقت غور و فکر میں پڑے رہتے تھے، بھگوان کی پوجا کرنے ... آپ کو بڑی رغبت تھی، ایک بار اسکول میں آپ نے استاد سے پوچھا:-

"آپ یہ کام کیوں کرتے ہیں؟"

"اپنے پیٹ پالنے کے لئے اور ... لئے"

"خدا کو بھی یاد کرتے ہیں؟"

"ہاں، جب وقت مل جاتا ہے"

"اچھا!"

کہتے ہیں، اس کے بعد آپ پھر کبھی اسکول نہیں گئے، کالو رام چاہتے تھے کہ بیٹا ان کی طرح کاروبار میں لگ جائے اس لئے انھوں نے کئی بار نانک دیو کو سمجھایا لیکن ہونا وہی ہے جو حکم خدا ہوتا ہے سمجھانے بجھانے کے باوجود بھی آپ نہ مانے، بلکہ اب تو آپ سارا دن بھگوان کی پوجا میں لگے رہتے، نہ کھانے کی فکر نہ پہننے کا ڈر ... رام رام آپ کے منہ میں رہتا تھا۔

کالو رام کو یہ باتیں اچھی نہ لگتی تھیں، انھوں نے آپ کو دنیا کے دھندوں میں پھنسانے کے لئے کئی چالاکیاں کھیلیں۔ یہاں تک کہ آپ کو ایک دوکان کھول دی مگر آپ پھر اس سے فارغ ہو کر اپنا باقی وقت عبادت میں صرف کرتے،

ایک دفعہ آپ کے والد صاحب نے آپ کو ... روپے دے کر مال خریدنے کے لئے شہر میں بھیجا راستہ میں فقیروں کا ایک گروہ ملا، فقیروں نے آپ سے سوال کیا کہ ہم بھوکے ہیں، بس آپ فوراً بازار گئے اور کھانا لا کر سب کا پیٹ بھر دیا، گھر میں باپ نے سامان کا پوچھا تو سارا حال کہہ سُنایا باپ کو بہت غصہ آیا پر کچھ سوچ کر چپ ہو گئے،

کچھ دنوں بعد کالو رام نے آپ کو اپنے داماد جے رام جو کہ نواب دولت خاں کا ملازم تھا کے پاس بھیج دیا وہاں مودی خانہ کا انتظام آپ کے سپرد کیا گیا لیکن آپ وہاں سے چلے گئے،

اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی لیکن آپ کی بیوی سے نبھتی نہ تھی آخرکار ایک روز آپ گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور لوگوں کو نصیحتیں کرنی شروع کیں کہ "سب انسان یکساں ہیں، خدا ایک ہے، ہم سب کو اس کی عبادت کرنی چاہیئے اور سچائی اختیار کرنی چاہیئے"

تھوڑے دنوں میں آپ کے کئی چیلے بن گئے انہیں شش سی کہتے ہیں پھر یہی لفظ سکھ بن گیا، آجکل سکھ قوم دنیا میں سب سے بہادر قوم ہے۔

اگرچہ گورو نانک دیو جی کو مرے کافی عرصہ ہو چکا ہے لیکن ان کی یاد ہم سب کے دلوں میں قیامت تک زندہ رہے گی۔

کوّا اور گلہری

(از شبیہ دیوگوئل)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک کوّا اخروٹ توڑ رہا تھا لیکن کسی طرح اخروٹ نہ ٹوٹتا تھا جب گلہری نے یہ دیکھا تو کوّے سے کہا کہ تو بڑا ناسمجھ ہے کہیں اخروٹ چونچ سے بھی ٹوٹتا ہے کوّے نے کہا کہ اچھا بتا پھر کیونکر توڑوں؟

گلہری نے کہا کہ اس اخروٹ کو چونچ میں لے اور اوپر اُڑ جا اور جب کافی بلندی پر پہنچ جائے تو وہاں سے اس اخروٹ کو کسی چٹان پر چھوڑ دے پتھر پر گرنے سے یہ اخروٹ ٹوٹ جائے گا کوّے نے گلہری کا کہنا مان لیا اور بہت اونچے سے اخروٹ کو ایک چٹان پر چھوڑ دیا

اخروٹ چٹان پر گرتے ہی ٹوٹ گیا جب اخروٹ ٹوٹ گیا تو گلہری نے جا کر گری تو سب کھا لی، اور چھلکے چھوڑ دیئے، جب کوّا اڑتا ہوا نیچے پہنچا تو دیکھتا کیا ہے کہ اخروٹ کی گری کا پتہ نہیں خالی چھلکے پڑے ہیں، کوّے کو اپنی بیوقوفی پر اور گلہری کی دانائی پر بڑا رنج ہوا۔ مگر کر کیا سکتا تھا چپ ہو کر بیٹھ رہا۔

چھوٹا افسانہ

"سچا وعدہ"

(از کرشن لعل آزاد)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس کا ایک بیٹا تھا جو بہت رحم دل و نیک تھا وہ ہمیشہ سچا وعدہ کرتا تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سردی کے دنوں میں صبح سویرے جبکہ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی تو اس نے ایک بوڑھی عورت کو روتے اور کانپتے ہوئے دیکھا، اس سے یہ دیکھ کر رہا نہ گیا اور پوچھا کہ اے ماں تو کیوں رو رہی ہے؟ تو اس نے روتے ہوئے جواب دیا کہ میرے بیٹا داماد دونوں پکڑے گئے ہیں اور اب دنیا میں میرا کوئی سہارا نہیں ہے، شہزادے نے پوچھا کہ وہ کیسے پکڑے گئے، بڑھی عورت نے جواب دیا کہ دونوں بیوپار کرنے کے لئے یہاں آ رہے تھے کہ پولیس نے چور سمجھ کر انہیں پکڑ لیا۔ پھر شہزادے نے کہا کہ تیرے پاس کوئی گواہ بھی ہے تو بوڑھی عورت نے کہا کہ میرے گاؤں میں گواہ تو بہت ہیں مگر آپ یہاں سے چلے جائیں گے شہزادے نے کہا کہ تم جاؤ اور میں اسی جگہ کھڑا رہوں گا آخرکار بڑھیا چلی گئی اور شہزادہ اسی جگہ کھڑا رہا لوگوں نے بہت سمجھایا لیکن وہ اسی جگہ کھڑا رہا،

جب بڑھیا واپس آئی تب وہ وہاں سے چلا اور اس کے بیٹے اور داماد کو قید سے چھٹکارا دلایا اور بڑھیا اس کو دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی،

دیکھو بچو! ایک شہزادے نے ایک غریب عورت کی خاطر اپنا وعدہ پورا کیا۔

افسانہ

ڈام

(از جناب بہار کوٹی)

متحرک لالٹین کی مدھم روشنی میں مٹیالا کھونٹیوں اور لمبی لمبی سیٹیوں والا کمپارٹمنٹ عجیب پُراسرار سماں پیدا کر رہا تھا ——— کسی شریر لڑکے نے بجلی کا بلب توڑ دیا ہوگا ——— یہ موجودہ جنگ سے بہت پہلے کا ذکر ہے ——— اس سے پہلے مجھے تنہا سفر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا ——— کپڑے کے ایک سوٹ کیس میں چار چھ جوڑے ایک ٹفن کیریر اور ایک بستر جس پر میں دراز تھا۔ یہ تھا کل میرا رخت سفر۔ پھر بھی سوٹ کیس کے چوری چلے جانے کے اندیشے سے مجھے نیند نہ آ رہی تھی۔ مگر کسی نے کہا ہے کہ جوانی میں سولی پر بھی نیند آ جاتی ہے۔

میری آنکھ لگے ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا ہوگا کہ ایسا محسوس ہوا کہ کوئی میرے سرہانے آ کر بیٹھ گیا ہے ——— تھوڑی دیر بعد ایک گرم گداز مگر کھردری ہتھیلی میری پیشانی پر رکھی ہوئی تھی۔ میں اٹھ بیٹھنے کا خیال ہی کر رہا تھا کہ ایک انسانی چہرہ میرے چہرے پر منطبق ہوگیا ——— تمباکو کی بدبو سے میرا دماغ پھٹنے لگا۔ میں تیزی سے اٹھ بیٹھا اور یہ دیکھنے کی زحمت گوارا کئے بغیر کہ میرے سرہانے کون بیٹھا ہے۔ ایک زور کا دھکا دیا ———

ایک جوان بھکارن سیٹ سے لڑھک کر کمپارٹمنٹ کے فرش پر آ رہی ——— وہ بھکارن ہی تھی اس کے پاس ایک گٹھری اور ایک کشکول کے سوا کچھ بھی تو نہ تھا ——— کالی توا ——— جیسے کسی نے اس کے منہ پر ڈامر کا برش پھیر دیا ہو۔

وہ ایک لفظ کہے بغیر اٹھ کر دوسری سیٹ پر بیٹھ گئی ——— گاڑی فراٹے بھر رہی تھی ——— مجھے اتنی زور سے دھکا نہ دینا چاہئے تھا ——— چوٹ آ گئی ہوگی بیچاری کے۔ میں لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا ——— مگر اس نے ایسی نازیبا حرکت ہی کیوں کی۔

مجھے پھر نیند آ گئی اور اب کے بھکارن میری پائنتی پر بیٹھی ہوئی میرے پاؤں دبا رہی تھی ——— جی چاہا کہ اتنی زور سے لات ماروں کہ منہ ٹوٹ جائے چڑیل کا ——— مگر دل نے کہا کہ وہ تیرا کچھ نہیں لے رہی ہے۔ پاؤں دبا رہی ہے دبانے دو۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں ——— پہیوں کی گڑگڑاہٹ لالٹین کی مدھم روشنی میں نہ جانے کیوں عجیب سماں تھا ——— بھکارن برابر پاؤں دبائے جا رہی تھی ——— اس کے چیکٹ کپڑوں سے عجیب قسم کی بدبو آ رہی تھی ——— کپڑے دھونے کے لئے صابن کہاں سے لائے غریب۔ میں نے سوچا۔ اس کے افلاس پر میرا دل بھر آیا ——— میں نے موزے سے نکال کر ایک روپیہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس نے روپیہ واپس کر دیا اور پاؤں دبانا بند کر کے دور والی سیٹ پر جا بیٹھی ——— پھر کیا چاہتی ہے؟ میرے دل نے سوال کیا۔ اور قبل اس کے کہ میں اس کا جواب سوچ سکوں مجھے نیند آ گئی۔ اور اس وقت آنکھ کھلی جب بھائی صاحب اسٹیشن پر کمپارٹمنٹ کے سامنے کھڑے ہوئے مجھے ٹرین سے جلدی اترنے کا حکم سنا رہے تھے۔

اس واقعے کے بعد سیکڑوں صبحیں اور شامیں آئیں گئیں۔ لیکن مجھے کبھی اس سوال کا جواب سوچنے کی فرصت نہ ملی۔ اور اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اس سے کہیں اہم سوالات ہر وقت ہماری توجہ کو جذب کئے رہتے ہیں ——— صرف پیٹ بھرنے اور تن ڈھکنے کی خاطر اس حقیر سی حاجت کی تکمیل کے لئے انسان نے خود کو کتنی آفتوں میں مبتلا کر دیا ہے ——— ہوائی جہاز ——— گراموفون ——— ریل ——— بس ——— موٹر ——— ٹیلیفون ——— بجلی ——— بم ——— توپیں ——— تار ——— ڈاکخانہ ——— کالج ——— سینما ہال ——— پل ——— محل ——— باغ یہ مصیبتیں ہی تو ہیں۔ کیا ان کے بغیر ہم زندگی نہ بسر کر سکتے تھے۔ صرف پیٹ بھرنے اور تن ڈھکنے کے لئے نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے اژدر پہاڑ کھود ڈالے ہیں۔ ہم کب سے اس گاڑی کو کھینچ رہے ہیں۔ ہم اور کب تک گھسٹتے رہیں گے اپنے پیچھے کی طرف نظر ڈالئے کتنی وزنی گاڑی میں ہم جتے ہوئے ہیں۔ ہم یہ گاڑی جوں جوں آگے بڑھتی ہے اور بھی وزنی ہوتی جاتی ہے۔ دنیا بھر کی الا بلا اس گاڑی میں لادی جا رہی ہے۔ اور ہم ہیں کہ کھینچے لئے جا رہے ہیں خوشی خوشی اس گاڑی کو اندھیرے میں ——— دلدل میں کیچڑ میں، سردی میں، گرمی میں، جب دیکھو جتے ہوئے ہیں ——— اس میں اور منزل مقصود بدستور ——— اپنا مستقر بدلتی جا رہی ہے۔ آگے کی طرف اور بڑھتی جائے گی۔ حتیٰ کہ اس مقام پر نہ پہونچ جسے عرف عام میں ابد کہتے ہیں۔

ایک دن میں کتابیں لادے ہوئے کالج سے گھر آ رہا تھا۔ تقریری مقابلے میں فرسٹ آ جانے کے خیال میں مگن گھر کے پاس والی گلی کے موڑ پر پہونچ کر دم بخود رہ گیا۔ بھکارن دست بستہ سامنے کھڑی ہوئی تھی ——— کالی ——— کلوٹی ——— مگر آج اس کے کپڑے میلے نہ تھے۔ اس کے ڈامر زدہ چہرے پر آج مسرت کی ہلکی سی جھلک نمودار تھی۔

"تو یہاں کیسے" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"ملازم ہوگئی ہوں" بھکارن نے جواب دیا۔

"کہاں"

"آپ کے پڑوس والے بابوجی کے یہاں"

میں گھبرا گیا ——— یہ بلا پھر مسلط ہوگئی میری جان پر ——— ملازمت بھی ملی تھی کمبخت کو تو میرے پڑوس میں ——— زمانے بھر میں اور کوئی بابوجی ہی نہ تھے ——— کمبخت نے جان بوجھ کر یہیں ملازمت ڈھونڈی ہوگی تاکہ اس کی منحوس صورت ہر وقت میرے مقابل رہے ——— مگر یہ میرا کیا نوچ لے گی اس روز روپیہ بھی تو واپس کر دیا تھا۔ مجھے دیکھتی ہے دیکھے ——— نظر بد ہونے سے تو رہی مجھ کو ——— میں نے دل ہی دل میں کہا ——— دل نے ایک اور بھی سوال کیا بڑا ہی عجیب ——— اگر یہ حسین ہوتی تو اس کی نظروں کو اپنے سینے میں پیوست کر لینے پر مجھے فخر ہوتا کہ نہیں ——— بدشکل ہونے میں اس کا قصور ہی کیا ہے ——— مگر اتنی بدشکل بھی تو نہیں ——— صرف رنگ ہی کالا ہے۔

——— دوسرے روز بھکارن پھر اسی گلی میں ملی آج بڑی خوش تھی وہ ——— کچھ گنگنا بھی رہی تھی ——— میں تیزی سے کترا کر گزر جانا چاہتا تھا کہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی اور لپک کر میری جیب میں ایک کیک ڈال دیا۔ صاحب خانہ کے یہاں سے چرا لیا ہوگا۔ یا بیگم صاحبہ نے اسے کھانے کے لئے ازراہ کرم دیا ہوگا۔

——— میری کالج سے واپسی پر اسی گلی میں ملنا روز کوئی نہ کوئی تحفہ دینا اس کا معمول ہوگیا میں اس کے تحفوں کو پھینک دیتا وہ رو پڑتی ——— ہاتھ جوڑتی۔ قدموں پر گر جاتی۔ اور میری جیب میں جبراً کوئی نہ کوئی چیز ڈال دیتی ——— ربر ——— پنسل ——— کاغذ ——— سیب یا کھانے پینے کی کوئی چیز۔ وہ مجھے دیکھ کر گنگنایا بھی کرتی تھی

تصویر شمع ہوں میں سوز غم نہاں ہے
میری زباں جلا دو گر اف کروں تو بال ہے

یہ اس کا محبوب شعر تھا جو وہ ہر وقت الاپتی رہتی۔ شاید مجھے سنانے کی غرض سے۔ اسے شاید یہی ایک شعر یاد تھا ——— اس کی آواز میں بلا کا لوچ تھا۔ ایک روز میرے سوال کے جواب پر اس نے بتایا کہ اس کا نام صدیقہ ہے اور وہ دکن کے ایک باعزت گھرانے کی فرد ہے۔ سوتیلی ماں کے مظالم سے تنگ آ کر اس نے مکان چھوڑ دیا۔ بھیک مانگنا اس نے کبھی گوارا نہیں کیا۔ شرفا کے یہاں ملازمت کر کے پیٹ بھرتی ہے۔

ڈگری کا امتحان پاس کرتے ہی مجھے ملازمت مل گئی اور میں پٹنہ چلا گیا ——— نئی زندگیوں کی پیچیدگیوں میں الجھ کر صدیقہ کا خیال دل سے محو ہوگیا ———

——— یہاں ایک بزرگ کا عرس تھا۔ احباب کے ساتھ ایک روز درگاہ گیا ——— درگاہ زائرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ہم لوگ ہاتھوں میں اپنے اپنے جوتے لئے ایک ایسے شخص کو ڈھونڈ رہے تھے جو ہمارے جوتے ہماری واپسی تک اپنے پاس رکھ لے ——— میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ صدیقہ سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔

——— "صدیقہ تم یہاں کیسے" میں نے پوچھا

"میں دو ماہ سے یہیں ہوں۔ جوتے مجھے دے جایئے میں ان کی حفاظت کروں گی" صدیقہ نے کہا۔ ہم جوتے صدیقہ کی تحویل میں دے کر اندر داخل ہوگئے۔ ——— فاتحہ پڑھتے وقت میں دل ہی دل میں صدیقہ کو کوس رہا تھا۔ کمبخت پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔

واپسی پر ہم نے صدیقہ کو جوتوں کی حفاظت کے صلے میں پیسے دینا چاہے۔ مگر اس نے کوئی معاوضہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

صدیقہ نے خدا جانے کس سے میرے گھر کا پتہ معلوم کر لیا تھا۔ دفتر سے واپسی پر روز بلاناغہ وہ میرے گھر کے قریب والی گلی میں ملتی اور روزانہ کوئی نہ کوئی درگاہ کا تبرک پیش کرتی۔

ایک روز میں ایک ہوٹل میں چائے پی رہا تھا بدقسمتی سے یہ ہوٹل ایک مسجد سے ملحق تھی۔ عشا کی نماز کے وقت مسجد کے سامنے باجا بجانے پر ہندو مسلم فساد ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس آ گئی اور بعض مفسدین کی نشاندہی پر پولیس نے مجھے بھی حراست میں لے لیا۔ ——— حالانکہ پولیس افسر ملاقاتی تھا۔ مگر پولیس والوں کی طوطا چشمی مشہور ہی ہے۔ مجھ سمیت جو بیس ملزمین تھے۔ اور میرے سوا سب دستخط کی جگہ انگوٹھا ثبت کرنے والے ——— مجھ پر تقریر کے ذریعہ مسلمانوں کو مشتعل کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔

افسر انچارج صاحب مکمل دو گھنٹے تک فرد جرم مرتب کرتے رہے۔ کوئی ایک بجے شب کے قریب ملزموں کو ضمانت اور مچلکہ پیش کرنے کا حکم نافذ فرمایا گیا ——— میں نے لاکھ سر مارا کہ سرکاری ملازم ہونے کی حیثیت سے ضمانت اور مچلکہ دینے کے لئے میں مکلف نہیں۔ مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ ضمانت مچلکہ نہ دیئے جانے کی صورت میں مجھے رات بھر حوالات میں پولیس کی زیر حراست رہنا پڑتا۔ اور یہ بڑی سبکی کی بات تھی۔ حالانکہ میرا مکان کسی حوالات سے کم نہیں۔ میں نے افسر انچارج سے درخواست کی کہ وہ مجھے ایک سپاہی دے دیں۔ جو میرا رقعہ کسی دوست تک پہونچا دے تاکہ میری ضمانت کا انتظام ہو جائے۔ میں سپاہی کو محنتانہ دینے کو بھی آمادہ تھا۔

مگر درخواست کی شنوائی کہاں۔ افسر انچارج نے حسب عادت مجھے گالیاں دینی شروع کر دیں ٹھیک اسی وقت کوتوالی کا دروازہ کھلا اور چند تماشائی کمرے میں داخل ہوگئے۔ صدیقہ میرے روبرو دست بستہ کھڑی تھی۔ خدا جانے اسے میری گرفتاری کا علم کیونکر ہوگیا

آج ان آنکھوں سے جو مجھے دیکھ کر مسکرا پڑتی تھیں آنسو چھلک رہے تھے ——— اس نے افسر انچارج سے اپنی ضمانت پر مجھے چھوڑ دینے کی استدعا کی ——— افسر انچارج نے اسے جھڑک دیا ——— صدیقہ نے کپڑے کی ایک پوٹلی میز پر پٹک کر کہا "گن لو ضمانت اور مچلکہ کی رقم"۔ صدیقہ مجھے ضمانت پر چھڑا لائی ——— "تم نے بڑا احسان کیا مجھ پر صدیقہ" میں نے شکریہ کے طور پر کہا۔

"اس میں احسان کی کونسی بات ہے بابوجی۔ یہ روپیہ میں نے آپ ہی کے لئے تو جمع کئے تھے۔ اور بھی روپے ہیں۔ آپ پروا نہ کریں۔ جی کھول کر مقدمہ لڑیں۔ پیروی کے لئے بڑے سے بڑے بیرسٹر کو بلائیں" صدیقہ نے کہا

صدیقہ نے مقدمہ میں جان لڑا دی۔ اور ہزاروں روپیہ لگا کر مجھے چھڑا لائی۔ میری زندگی میں بھی ایک ایسا دور گزرا ہے جب دوستوں سے مجھے نجات ملی ——— وہ دوست جو میری خوش حالی کے زمانے میں سایے کی طرح میرے ساتھ رہتے تھے اس وقت ایسے غائب ہوئے

(باقی اگلے صفحہ پر)

دلچسپ معلومات

مرتبہ جناب ـــــ بھگوت سروپ گوئل

دیوپیکر اور بونے درخت

کیلے فورنیا کے قومی باغ میں ایک درخت ہے جسے وہاں کے لوگ "سیکو تیا" کہتے ہیں۔ یہ ۲۷۰ فٹ لمبا اور ۵۰۰۰ من وزنی ہے۔ اگر اسے کاٹا جائے تو اسے اُٹھانے کے لئے ۲۰ ٹن وزن اُٹھانے والی ۲۸۰ گاڑیاں درکار ہونگی۔ اگرچہ اس سے بڑے بڑے درخت بھی دنیا کے دوسرے حصوں میں پائے جاتے ہیں تاہم حجم کے لحاظ سے یہ درخت سب سے بڑا ہے۔

دنیا کا سب سے چھوٹا درخت "بونا بید مجنوں" ہے۔ یہ درخت پوری عمر کو پہونچکر بھی ۲ء۳ انچ سے اونچا نہیں جاتا مگر وہ سے مصنوعی باغ بنانے کے لئے یہ نہایت عمدہ کام دیسکتا ہے۔

سب سے بڑا کیڑا

عام طور خیال ہے کہ افریقہ کی کونتھ مکھی سب سے بڑا کیڑا ہے۔ یہ چار پانچ لمبی ہوتی ہے اور جب زمین پر چلتی ہے تو سات مربع انچ جگہ پر چھا جاتی ہے لیکن نیوگنی میں ایک کیڑا دس انچ تک طویل پایا جاتا ہے۔ جب یہ کیڑا چلتا ہے تو ٹانگوں سمیت ۱۸ انچ لمبا ہو جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں امریکہ میں ایک بھڑ ہوتی ہے جو کہ بمشکل ایک نکتہ کے برابر ہوتی ہے۔

دنیا کا سب سے لمبا اور سب سے چھوٹا سانپ

دنیا کا سب سے بڑا سانپ ایشیا میں پایا جاتا ہے یہاں بعض سانپ ۳۳ فٹ لمبے ہوتے ہیں ان میں سے کچھ قسمیں سال بھر میں ایک دفعہ خوراک کھاتی ہیں اور بعض ۳۰ مرتبہ۔

دنیا کا سب سے چھوٹا سانپ جنوب مغربی صحراؤں میں پایا جاتا ہے۔ یہ صرف چار انچ لمبا ہوتا ہے اور ہمیشہ زمین میں رہتا ہے۔ یہ باہر بہت کم نکلتا ہے

شور وغل سے مبرا مکانات

"ڈیلی مرر" کے نامہ نگار کے بیان کے موجب واٹ فورڈ کا بلڈنگ ریسرچ اسٹیشن شور وغل کی علت سے پاک مکانات تعمیر کرنے کے بارے میں تحقیقات کر رہا ہے۔

ماہرین نے دریافت کیا ہے کہ فلیٹس کے فرش میں گلاس وول کی باریک تہہ لگانے سے حرکات نہیں ہوتیں اور شور نہیں پھیلتا۔

لندن کے فلیٹس میں اس طریقہ کی آزمائش کی گئی ہے۔ یہ تجربہ نہایت کامیاب رہا ہے۔ دروازوں کی کھٹکھٹاہٹ، ریڈیو کی گونج اور دیگر شور وغل ورا بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

سوچنے اور حساب کتاب کرنیوالی مشین

برٹش سائنسدان ایسی مشین ایجاد کرنے کی فکر میں ہیں جو کہ سوالات پر غور کر سکے گی سائنٹفک اور انڈسٹریل ریسرچ کے یو۔ کے ڈیپارٹمنٹ کا علم ریاضی کا حصہ اس قسم کے تجربات میں مصروف۔

جیسا کہ سپرنٹنڈنٹ مسٹر وار سیلے کو یقین ہے اگر یہ تجربات کامیاب ہو گئے تو مشین صرف جمع، تفریق ضرب وتقسیم ہی نہ کر سکے گی بلکہ ان ہدایات کی بنا پر جو کہ پہلے مشین کو دی جائیں گی یہ فیصلہ کریگی کہ بغیر بیرونی مدد کے یہ مختلف حالات میں کیا کرے۔

حساب کتاب کرنے والی مشینوں نے جو کہ اس وقت سائنٹفک وانڈسٹریل ریسرچ لیبورٹری کے محکمہ میں استعمال ہو رہی ہیں حیرت انگیز نتائج پیش کئے ہیں۔

مثلاً گزشتہ سال کا ذکر ہے کہ حکومت کے ایک محکمہ نے ایک پیچیدہ واہم مسئلہ کے بارے میں اعداد وشمار کا ایک خاکہ بنانا شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ تخمینہ لگایا گیا کہ خاکہ کو مکمل کرنے میں تقریباً ۳۰۰ سال درکار ہوں گے۔ تب انھوں نے سائنٹفک وانڈسٹریل ریسرچ کے محکمہ کے ریاضی دانوں سے التجا کی جنھوں نے کہ اپنی مشینوں کی امداد سے خاکے پچاس گھنٹے میں مکمل کر دیا اور اس پر طرہ یہ کہ درستی کی جانچ کرنے کے لئے ہر ہندسہ کی بار بار پڑتال کر لی گئی تھی۔

یہ ریاضی داں زمانہ امن میں صنعتی ترقی میں بہت امداد بہم پہونچا رہے ہیں کیونکہ پیچیدہ سے پیچیدہ حساب کتاب کو چند گھنٹوں میں حل کر لیا جاتا ہے۔

موٹروں کے ٹھہرنے کیلئے زمین دوز جگہیں

گذشتہ سال حکومت برطانیہ نے اپنے ملک میں سڑکوں کے حادثات سے محفوظ بنانے کے لئے کئی ایک تجاویز کا اعلان کیا تھا جن میں سے چند ایک یہ تھیں کہ موٹر کاریں کھڑی کرنے کے لئے زیادہ جگہیں ہوں۔ بڑے شہروں میں یہ زمین دوز ہوں۔ لاریاں چلنے کے لئے الگ حصہ ہوتا کہ کھڑی ہوئی لاریوں سے ٹکر کا خطرہ دور ہو جائے وغیرہ وغیرہ

برطانیہ میں کاروں کے لائسنس

گزشتہ سال کے اختتام پر برطانیہ میں ۱۵۰۰۰۰۰ کاروں کے پاس لائسنس تھے، یہ تعداد قبل از جنگ کی تعداد سے بقدر چالیس ہزار کے کم بتائی جاتی ہے۔

(پچھلے صفحہ سے آگے)

جیسے ان کا کبھی جھوٹ ہی نہ تھا۔

صدیقہ مر چکی ہے۔ مگر میں مصیبت میں اس کو یاد کرتا ہوں ـــــ صدیقہ کی زندگی نے مجھے ایک سبق دیا ہے۔ غازے میں کھلائی ہوئی نعش سے ذامر زدہ چہرے کہیں زیادہ تابناک ہوتے ہیں ـــــ سڑکوں کی پائداری کا دار و مدار ڈامر ہی پر تو ہے۔ غازہ تو صرف دیکھنے کی چیز ہے۔

ہمارے جادۂ حیات کی استواری میں ڈامر کا زبردست ہاتھ ہے۔

گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں

مایا

(صفحہ ۱۰ کی باقی کہانی)

کیونکہ اس جگہ اور اس کی روح کے درمیان ایک ناقابلِ شکست رشتہ قائم تھا۔ رات کو سوتے سے اٹھ اٹھ کر اس جگہ کو نمسکار کر لینے سے اسے تسکین حاصل ہوتی تھی۔

اب کچھ عرصہ سے ایک مشکل آ پڑی تھی، اس کی پہلی نوکری چھوٹ گئی تھی۔ ایک دوسری جگہ کام ملا تھا اور وہاں رات کو پہرے پر جانا پڑتا تھا۔ جب پہلے دن رات کو نو بجے وہ کام پر چلا تو اسے اپنی کوٹھری کو اندھیرے میں تنہا چھوڑتے ہوئے بے حد قلق ہوا تھا۔ قفل لگا کر دو چار مرتبہ زور سے کھینچا جھٹکا، اور تسلی کر لی کہ اچھی طرح لگ گیا ہے۔ پھر بھگوان کے نام کا اچارن اس انداز سے کیا جیسے کوئی افسوں پڑھ رہا ہو، جیسے کہہ رہا ہو کہ میرے سوا جو کوئی اس تالے کو ہاتھ لگائے وہ اسی جگہ بھسم ہو جائے۔

آہستہ آہستہ اسے کمرے کو سونا چھوڑ کر جانے کی عادت پڑ گئی اور تسکین کا ایک دوسرا پہلو بھی نکل آیا۔ وہ نوکری سے لوٹ کر آٹھ نو بجے تک سوتا، باقی تمام دن فرصت ہوتی تھی۔ ادھر ادھر محنت مزدوری کر کے دو چار آنے کما لیتا تھا۔

مثلاً ہمارے دفتر میں باہر کے لوگ اکثر آتے رہتے تھے یا ہمیں خود بھی کہیں نہ کہیں جانا ہوتا تھا۔ تانگہ قریب نہیں ملتا تھا۔ سرجو بھگت سامان اٹھا کر سڑک تک چھوڑ آتا تھا۔ اس طرح اسے جو کچھ ملتا تھا اس پر پھولا نہ سماتا کیونکہ اس کی یہ فالتو آمدنی تھی جبکہ خرچ بدستور پہلے ہی جتنا تھا۔ وہی دونوں وقت دال بھات کھانا اور دن بھر میں ایک روپیہ کا تمباکو جل جاتا تھا۔ اس کے برعکس ایندھن میں کافی بچت ہو جاتی تھی۔ ایندھن پر وہ کبھی ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا۔ سڑک پر آتے جاتے گوبر، اپلا یا لکڑی وکڑی مل جاتی تو بلا جھجک اٹھا لاتا۔

ہمارے دفتر کے کوڑے کرکٹ میں سے بیکار چٹھیاں، گتے اور کاغذ کے ٹکڑے وغیرہ چن لیتا۔ آنگن میں جو درخت اُگے تھے ان سے بھی کافی لکڑی ہاتھ لگ جاتی۔ وہ ان کے نیچے پڑے ہوئے سوکھے پتے اور ذرا ذرا سی ٹہنیاں تک جمع کر لیتا اور انہیں دھوپ میں سکھا کر جلانے کے کام میں لاتا۔

ایک مرتبہ اس ڈھوئے ہوئے ایندھن نے سرجو بھگت کو بڑا دھوکا دیا۔ جب وہ کھانا پکا رہا تھا تو اس میں سے ایک داتن نکل آئی جو کسی نے چبا کر پھینک دی تھی۔ تمام رسوئی بھرشٹ ہو گئی۔ اس نے دال بھات اٹھا کر باہر پھینک دیا، چوکا پھر سے لگایا، اس طرح رسوئی تو دوبارہ شدھ ہو گئی لیکن دوبارہ بھوجن نہ بن سکا اور وہ اور گوپی شام تک بھوکے رہے۔

کھانا شاید شام کو بھی نہ پکتا لیکن اس دن گوپی ایک مسافر کا بیگ تانگہ تک چھوڑ آیا تھا اور اس کے عوض مسافر نے اسے جو ایک آنہ دیا تھا وہ اس نے لا کر باپ کے ہاتھ میں دے دیا۔ سرجو بھگت اتنا خوش ہوا کہ اس کے من کی اداسی چلی گئی اور وہ اسی وقت کھانا تیار کرنے میں لگ گیا۔ اسے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ میرا بیٹا گوپی بھوکا ہے اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔

گوپی جب کبھی ایک پیسہ بھی کما کر لاتا، سرجو بھگت کا دل اس کے لئے بے اختیار محبت سے بھر جاتا۔ اسے یقین تھا کہ بھگوان نیک کمائی میں برکت دیتا ہے۔ اب جبکہ اس کی کمائی میں معقول اضافہ ہو گیا تھا اور اس کی مٹکی کی رقم ایک دن یک لخت ایک سو تک پہنچ گئی تھی تو اس کی روح کا ہر ایک گوشہ مسرت سے جگمگا اٹھا تھا۔ سو روپے! سو روپے!

ایک دم اتنی بڑی رقم! اس نے سو روپے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اب یہ رقم بڑھتی جائے گی، بڑھتی جائے گی۔ بھگوان کی کرپا درکار تھی۔ جانے اس کے پاس کتنا دھن جمع ہو جائے۔ اس کی مہما اس کی مایا کون جانے!

دھن کے پھیر میں پڑ کر سرجو بھگت کو ماضی کے غم بھولتے رہتے تھے۔ اب اسے بیوی کی یاد نہیں ستاتی تھی۔ وہ اس کے لئے کبھی دکھی نہیں ہوتا تھا۔ گوپی کو نہیں پیٹتا تھا۔ ہری سنگھ کے تمسخر پر اب اس کی مونچھوں کے نیچے ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل جاتی تھی جو اس کی روح میں مچلنے والی مسرت کی مظہر ہوتی تھی۔ پہلے جب اس کی نظر ادھر ادھر کے مکانوں پر پڑتی اور وہ ان کے مکینوں کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھتا اور ہری سنگھ کو یہ کہتے سنتا:

"سرجو بھگت تم تو بھگوان کو مانتے ہو، کہو نا ہمیں بھی اس ٹھاٹھ سے رکھے"

تو وہ بصد حسرت جواب دیتا:

"ہماری قسمت میں یہ سب کچھ نہیں لکھا بابو"

"کیوں نہیں لکھا، ہم نے کیا بھگوان کے بیل مارے ہیں"

"اپنے اپنے کرموں کا پھل ہے بابو۔ اچھے کام کریں تو ہمیں بھی اگلے جنم میں یہ سب کچھ مل سکتا ہے"

لیکن اس کے دل میں اپنے خوابوں کی تعبیر اگلے جنم میں دیکھنے کی بجائے اس جنم میں دیکھنے کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ اب وہ ان عمارتوں کو دیکھ کر سوچا کرتا تھا کہ میرے پاس بھی بہت جلد بہت سا روپیہ ہو جائے گا۔ میں بھی اسی طرح ٹھاٹھ سے رہوں گا، دان دوں گا، تیرتھ یاترا کو جاؤں گا، دھرم بھی کماؤں گا اور دل کے سب ارمان بھی پورے کروں گا۔ ان لوگوں کو بھی بھگوان نے دیا ہے مجھے بھی بھگوان دے گا۔ بھگوان جب دینے پر آتے ہیں تو چھپر پھاڑ کر دیتے ہیں۔

سرجو بھگت کے کچھ بھائی بند چوبرجی کی طرف رہتے تھے۔ ان کی بستی کے قریب ایک برہمن کا گھر تھا۔ وہ انہیں ست نارائن کی کتھا سناتا، مذہبی رسوم ادا کرتا اور دان دکشنا لیا کرتا تھا۔

سرجو بھگت نے اس برہمن کو اکثر یہ کہتے سنا تھا کہ اگر ایک غریب آدمی اپنی نیک کمائی میں سے ایک روپیہ دان دے تو اسے اتنا ہی پھل ملتا ہے جتنا ایک امیر آدمی کو لاکھ روپیہ دان دینے سے۔ جتنا کوئی دھن دیتا ہے اتنا ہی اس کا دھن بڑھتا ہے۔

کتھا ختم ہونے کے بعد اور لوگوں کی طرح سرجو بھگت نے بھی اس برہمن کو کئی مرتبہ ایک ایک روپیہ دان دیا تھا۔

اب جبکہ اس کی آمدنی بڑھ رہی تھی تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس دان کی بدولت اس کی کمائی میں برکت پیدا ہوئی ہے۔ جوں جوں اس کی مٹکی میں دھن بڑھ رہا تھا سرجو بھگت کے دل میں اس برہمن کے لئے عقیدت بھی بڑھ رہی تھی۔ جب رقم سو سے تجاوز کر گئی تو اس نے برہمن کو اپنے گھر آنے کا بلاوا دیا۔ بازار سے خالص گھی لا کر پوریاں تلیں، حلوہ بنایا، برہمن مہاراج کو کھلا پلا کر دکشنا دی اور پھر سوا روپیہ نذر دے کر آئندہ کے حالات دریافت کئے۔

برہمن نے سوچ بچار کر مین میکھ کا حساب لگا کر بتایا کہ ان دنوں سرجو بھگت پر بھگوان ست نارائن کی کرپا ہے۔ اگلے دو چار مہینے بہت ہی مفید ہیں۔ اسے کہیں سے اتنا بڑا لابھ پراپت ہونے والا ہے کہ سب دکھ درد دور ہو جائیں گے۔

سرجو بھگت اپنی نیک کمائی کے علاوہ اس لابھ پراپتی کے خواب بھی اکثر دیکھا کرتا تھا۔ ہمارے پڑوس میں ہال کے دائیں طرف ایک نئی عمارت بن رہی تھی۔ سیمنٹ ہی سیمنٹ نظر آتا تھا۔ فولاد کی طرح مضبوط دیواریں اونچی اٹھ رہی تھیں۔ دو منزلیں بن چکی تھیں اور تیسری زیر تعمیر تھی۔ گھر والے تیرتھ یاترا پر گئے تھے، نوکر چاکر کام کروا رہے تھے۔ سرجو بھگت اس عمارت کو بھی لابھ پراپتی کا کرشمہ تصور کرتا تھا اور بڑی پر اشتیاق نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا، ورنہ کوئی آدمی محنت سے روپیہ کما کر ایسی عالی شان عمارت نہیں بنوا سکتا۔

"دیکھا سرجو بھگت کیسی عالی شان عمارت بنائی ہے۔"

"ہاں بابو" سرجو بھگت کا لہجہ ہری سنگھ سے بالکل مختلف تھا۔

"جسے بھگوان نے دھن دیا ہے وہ کیوں نہ بنائے"

"ہوں سمجھا، تم بھی اب دھن والے بن رہے ہو" ہری سنگھ نے چوٹ کی۔

سرجو بھگت جواب میں مسکرا دیا۔ اس چوٹ سے تکلیف کی بجائے اسے ایک گونہ تسکین ہوئی تھی۔ واقعی وہ دھن وان بن رہا تھا اور اس سے زیادہ بننے کی توقع رکھتا تھا لیکن زمین دوز مٹکی میں روپے جمع کرنے کا راز اس نے اپنے سوا ساری دنیا سے چھپا رکھا تھا۔

جب کمرے میں بیٹھ کر وہ اس فقرے پر غور کرنے لگا تو اسے شک گزرا کہ سردار کو کہیں یہ راز معلوم نہ ہو لیکن اس نے سردار کی مزاحیہ طبیعت کا خیال کر کے اس شک کو وہم پر محمول کیا۔ اس کی دانست میں ہری سنگھ کیا کوئی بھی شخص اس راز کو نہیں جان سکتا۔ اس نے یہ راز اپنے بیٹے گوپی سے بھی پوشیدہ رکھا تھا۔ دن کے وقت وہ چارپائی کمرے میں اس طرح بچھائے رکھتا تھا کہ سرہانے کا ایک پایہ اس جگہ کے عین اوپر ہوتا تھا۔ مٹکی کے اوپر ڈھکنا، ڈھکنے پر مٹی اور اس پر پایہ۔ کسی کو سان گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ سرجو بھگت یہاں روپے چھپا کر رکھتا ہے۔

ہاں اس نے اپنے پڑوسی تلسی کی اچٹتی سی نظر ایک دو مرتبہ اس جگہ پر پڑتی ضرور دیکھی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ صبح ہر روز پوجا کے وقت یہ جگہ لیپا کرتا تھا جس سے وہ گیلی ہو جاتی تھی اور اس کی نمی ایک دائرہ کی شکل میں پائے کے گرد پھیلی رہتی تھی اور یہ دائرہ تلسی کی توجہ کھینچنے کا باعث بنتا تھا۔ اب سرجو بھگت نے یہ اہتمام کر دیا تھا کہ پانی کا لوٹا بھر کر پائے کے قریب رکھ چھوڑتا تھا تاکہ وہ سمجھے کہ اس کے سبب جگہ گیلی رہتی ہے۔

اور تلسی یہی سمجھنے بھی لگا تھا کیونکہ جب وہ دہلیز پر کھڑا سرجو بھگت سے باتیں کیا کرتا تو اس کی نگاہ سرجو بھگت کی ذات پر ہی مرکوز رہتی تھی۔ اسی سرجو بھگت کے کالے ننگے جسم پر مٹی رنگا جنیو بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اگر نگاہ کبھی بھٹکتی بھی تو کونے میں رکھی ناریل کی حقی پر جا پڑتی تھی۔ اس جگہ سے اسے کوئی رغبت نہیں تھی۔ پانی کے لوٹے کو پڑا دیکھنے میں خصوصیت ہی کیا تھی؟

ویسے بھی سرجو بھگت اپنے نزدیک رہنے والے لوگوں میں تلسی کو سب سے بھلا آدمی خیال کرتا تھا کیونکہ وہ بھی اس کی طرح بھگوان کا بھگت تھا اور کہا کرتا تھا کہ بھگوان پر بھروسہ رکھنے والے کا کوئی کام کبھی رکا نہیں رہتا۔ رام نام کی بدولت [illegible] تیرنے لگی، بھگتی کے بس میں آنے والے بھگوان نے بیٹے جاٹ کے مویشی چرائے، بھگوان گجراج کی پکار سن کر دوڑے آئے اور اسے مگرمچھ کے منہ سے چھڑایا۔

ایک نیک آدمی کی عزت پرستش کرنا پاپ ہے۔ سرجو بھگت تو بھگوان کا شکریہ ادا کرتا تھا کہ اسے ایک ایسے آدمی کا پڑوس ملا ہے جو ہمیشہ میٹھا بولتا ہے اور دوسروں کے کڑوے بول بھی چپ چاپ برداشت کر لیتا ہے۔

کڑوے بول اور کون بولتا، ہری سنگھ ہی بولا کرتا تھا۔ وہ اس کے منہ پر کہتا:

"سرجو تم بھگت بنتے ہو اور یہ تلسی لگتا بھگت ہے" اور تلسی مسکرا دیتا۔

تلسی مجھ سے ایک مرتبہ انگریزی میں درخواست لکھوا کر لے گیا تھا۔ اس کے بعد

(باقی صفحہ ۳ پر)

صفحہ (۱۹) کا باقی

جب کبھی بلتا ہاتھ جوڑ کر نمستے کرتا یہاں علیمی اور ادب سے پوچھتا "میرے لائق کوئی کام ہے بابوجی؟"

اس کا یہ رویہ دیکھ کر میں نے ایک دن ہری سنگھ سے کہا:

"تمہارا یہ کرایہ دار بڑا ہی نیک ہے"

"ہاں بڑا ہی ٹھیک ہے کبھی ہاتھ لگ جائیں تو یار گئے"

اس نے جھٹ جواب دیا۔ یا بابا کہ وہ پیسے کی خاطر بھگوان کی سوگند بھی نہیں کھا سکتا ہے ایک مرتبہ میں نے کرایہ وصول کرنے میں دیر لگادی پہلی کی بجائے دس تاریخ کو کرایہ مانگا تو دینے سے انکار کر دیا بولا میں تو کرایہ دے چکا ہوں جب رسید مانگی تو جواب ملا بھگوان کی سوگند آپ رسید کاٹنا بھول گئے ہیں اگر میں جھوٹ بولوں تو بھگوان مجھے ناش کر دے" بھگوان کی قسم رسید سے زیادہ مستند تھی میں چپ ہو گیا ہری سنگھ کو اس کے متعلق اور بھی دسیوں باتیں معلوم تھیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ پہلے درجہ کا بے ایمان ٹھگ اور دیاکار ہے لیکن سر جو بھگت کو ان سب باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا تلسی اس کا پڑوسی تھا پیار اور محبت سے پیش آتا تھا اور بھگوان کا بھگت تھا سر جو بھگت اسے اپنا بھائی سمجھتا تھا اب جبکہ اس نے پیسہ روپیہ جمع ہو رہا تھا وہ اپنے

ماحول سے او نچے اٹھ رہا تھا اسے اپنے آپ سے، گوپی سے اور دنیا بھر سے محبت پیدا ہو رہی تھی وہ اپنے پڑوسی کو کیوں شک کی نظر سے دیکھتا؟

آج ہی کیوں اس نے تو کسی کو کبھی بھی نفرت سے نہیں دیکھا دراصل اب دنیا بھگتی کے منافی تھا اور سر جو بھگت کو فرصت ہی نہیں تھی پہلے وہ بھگوان کا نام جپنے میں مگن رہتا تھا اب پیسے گننے میں مصروف رہتا دکی برائی بھلائی سے کچھ مطلب نہیں وہ اپنا دکھ درد لوگ سدھارنے میں لگا تھا اس کی روح میں حسین خواب کھیل رہے تھے اس کا وقت دن بھر میں صرف ہوتا تھا۔

لیکن ایک دن اس کے سب سپنے بکھر رہ گئے وہ پہرہ دے کر گھر لوٹا تھا اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں چاہتا تھا کہ چارپائی پر پڑ کر سو رہے لیکن سونے سے پہلے جب اس نے حسب عادت پلنگ کے نیچے کی جگہ پر ہاتھ پھیرا تو زمین کھدی ہوئی تھی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ہاتھ خالی مٹکی میں گھوم رہا تھا اور وہ چلا رہا تھا ایک سو پچیس روپے سوا سات آنے۔

جس لکشمی کی وہ اتنی مستعدی اور عقیدت سے پوجا کر رہا تھا وہ چنچل عورت کی طرح اسے چھوڑ کر چلی گئی آدھے پیٹ کھا کر جسم سے خون کا قطرہ قطرہ نچوڑ کر

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

لطیفے

مس سنتھ:۔ "میں نے کل تمہیں مسٹر جون کے ساتھ دیکھا ہے میرا خیال تھا کہ تم نے اُسے چھوڑ دیا ہے"

مس ایمی:۔ "اسے نوٹس تو دے رکھا ہے مگر ابھی اس کی میعاد ختم نہیں ہوئی"

*

تھیٹر کا مالک:۔ "کیا تمہیں اس بات کا بھی تجربہ ہے کہ تم خالی ہال میں کھیل دکھا سکتے ہو"؟

اداکار:۔ "جی نہیں ——— اور آپ کے کھیلوں کو دیکھنے جتنی کم تعداد میں آدمی آرہے ہیں ان سے ہی تو مجھے حوصلہ ہوا ہے کہ آپ کے پاس آؤں"

*

افسر:۔ "اگر کافی کے متعلق تمہیں کوئی شکایت ہے تو بیان کرو"

کلرک:۔ "غیر حاضر چیزوں کے متعلق شکایت کرنے کی مجھے عادت نہیں پانی میں کافی ڈالی ہی کہاں جاتی ہے جو میں اس کی شکایت کروں"

*

ایک شخص نیوزی لینڈ جارہا تھا کہ اسے قونصل خانہ کے افسر نے کہا:۔

"اپنے ساتھ بہت سے گرم کپڑے لے جانا"

"مگر کیوں؟"

"وہاں بہت سردی ہوتی ہے تمہیں معلوم نہیں وہاں سے ہی تو جما ہوا گوشت آیا کرتا ہے"

"میرے والد کل بیالیسویں سالگرہ منا رہے ہیں"

"کوئی بڑی بات نہیں اگر میرے والد زندہ ہوتے تو اس سال ان کی ایک سو اٹھائیسویں سالگرہ ہوتی"

*

ایک شخص حجامت بنوا رہا تھا کہ اسے بہت زخم لگ گئے جس پر وہ بولا:۔

"کیا آپ کے پاس استرا ہے؟"

حجام:۔ "کیوں؟"

"میں اب اپنی حفاظت کرنا چاہتا ہوں"

*

فقیر:۔ بابا خدا کی راہ میں دے دو۔

مولوی صاحب:۔ گداگری مذہب میں ناجائز ہے

فقیر:۔ میں آپ سے خیرات مانگتا ہوں حرام و حلال کا فتویٰ نہیں مانگتا۔

*

"کیا اس دنیا میں بے وقوفوں کی آبادی زیادہ ہے؟"

"مجھے تو معلوم نہیں لیکن تمہیں بے وقوفوں کی تلاش کیوں ہے۔ کیا اکیلے دل گھبراتا ہے۔"

*

مضمون نگار:۔ دیکھئے میں نے کیسے خوبصورت کاغذ پر مضمون لکھا ہے۔

ایڈیٹر:۔ کاغذ تو خوبصورت ہے لیکن آپ نے مضمون لکھ کر اسے خراب کر دیا۔

*

"اپنے متعلق کسی عورت کے صحیح خیالات معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟"

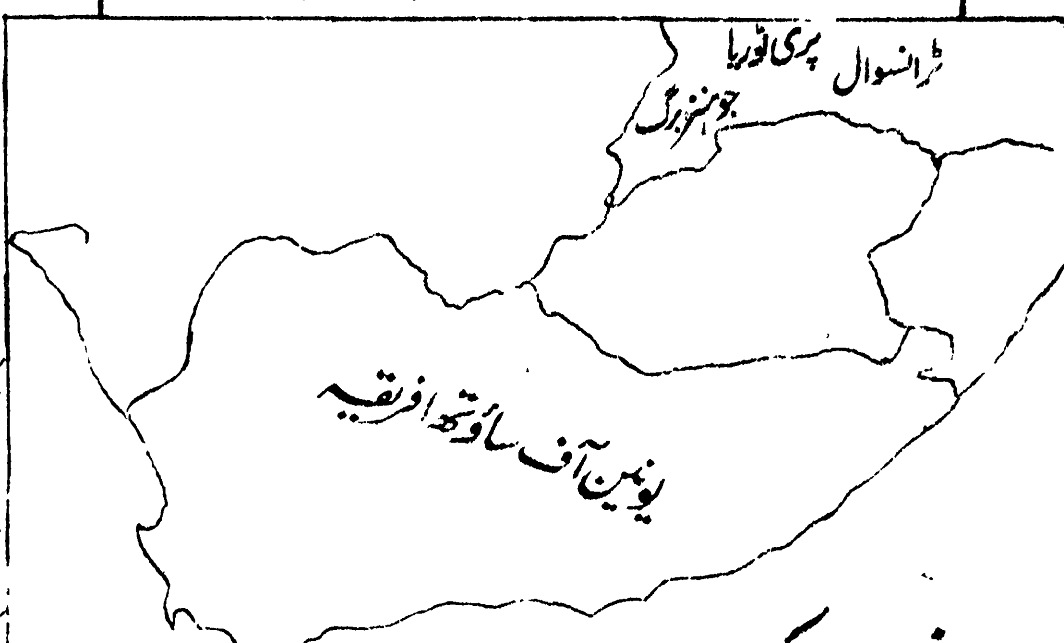
"اس سے شادی کرلی جائے"

جنوبی افریقہ کا پہلا ستیہ گرہ

کب اور کیوں شروع ہوا؟

(از جناب دیوکی نندن لال بی اے۔ آنرز)

سر شفاعت احمد لکھتے ہیں :-
"جن دنوں میں جنوبی افریقہ میں تھا تو ہندوستانی باشندوں کے ساتھ میل جول ہونے کے سبب میرا پختہ یقین ہو گیا کہ آپ کی شاندار خدمات کے بغیر دکھنی افریقہ کے ہندوستانی باشندے کبھی بھی باعزت زندگی بسر نہ کر سکتے" (گاندھی جی کے نام) ہریجن ۳ ستمبر ۱۹۴۶ء



نقشہ دکھنی افریقہ

آبادی دکھنی افریقہ سالہ ۱۹۳۱ء

کل آبادی	۸۱،۳۱،۴۷۵	یورپین آبادی	۱۸،۲۸،۱۷۵
مقامی باشندے	۵۵،۱۹،۰۵۰	ایشیائی باشندے	۱،۹۱،۴۰۰
ملے جلے باشندے	۵،۹۲،۴۰۰		

سنہ ۱۸۹۳ء میں جبکہ سخت اور شرمناک قانونوں کی مدد سے جنوبی افریقہ کی حکومتوں نے ہندوستانیوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ کھڑا کر دیا تھا اور ایک معزز ہندوستانی کو بھی "قلی" کہہ کر پکارا جاتا تھا، اسی سال ایک فرشتہ خصلت اور بلند خیال ہندوستانی نے افریقہ میں قدم رکھا۔ اس کا نام تھا موہن داس کرم چند گاندھی۔ مہاتما گاندھی گئے تو تھے پوربندر کے ایک سیٹھ کا مقدمہ لڑنے لیکن قسمت نے انھیں جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی عزت اور شان کا مقدمہ لڑنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ وہ ہندوستانیوں کے ساتھ یورپینوں کا شرمناک سلوک نہ دیکھ سکے۔ انھوں نے اپنے ہموطنوں کی عزت کی خاطر ستیہ گرہ شروع کر کے دنیا کی تاریخ کا ایک سنہری باب شروع کیا۔ ستیہ گرہ روحانی قوت سے دشمن کا مقابلہ کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اسی سچائی کے ہتھیار کی مدد سے گاندھی جی نے جنرل سمٹس کی آہنی زنجیریں توڑ دیں اور سلطنت برطانیہ کی ان گنت توپیں اس بزرگ ہستی کے عزم کے سامنے خاموش ہو گئیں۔ ستیہ گرہی کے لئے شکست ناممکن ہے۔

سنہ ۱۸۶۰ء میں برطانوی حکومت کی درخواست پر ہندوستانی مزدوروں کا پہلا جہاز جنوبی افریقہ پہونچا۔ سر ولیم ولسن ہنٹر کے الفاظ میں ان مزدوروں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ اسی سال ماریشس سے ایک ہندوستانی سوداگر ابوبکر نے نٹال میں اپنی دوکان کھولی۔ ابھی تک انگریزوں کو ہندوستانیوں کی قابلیت کا پورا احساس نہ تھا لیکن جب پوربندر سے آئے ہوئے سوداگروں نے جنوبی افریقہ میں تجارت کا جال بچھا دیا اور دن بدن ان کا کام ترقی کرنے لگا تو انگریز سوداگروں میں کھلبلی پڑ گئی کیونکہ ان کی اجارہ داری خطرے میں پڑ گئی تھی۔ آہستہ آہستہ ہندوستانی سوداگر نٹال، ٹرانسوال کیپ صوبوں اور اورنج فری سٹیٹ میں پھیل گئے۔ یہیں سے ہندوستانیوں کے خلاف قوانین بننا شروع ہو گئے۔

نٹال۔ نٹال میں ایک قانون پاس ہوا جسکی رو سے ہندوستانیوں کو ووٹ دینے سے محروم کر دیا گیا۔ یہ قانون بعد میں واپس لے لیا گیا۔ ایک دوسرے قانون کی رو سے نٹال میں صرف وہی شخص آ سکتا تھا جو کوئی یورپین زبان جانتا ہو۔ اس کا مقصد ہندوستانیوں کا داخلہ بند کرنا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں نٹال گورنمنٹ نے ایک قانون کی رو سے ہر ہندوستانی پر ۳۷ روپے (۲۵ پونڈ) سالانہ ٹیکس لگا دیا۔ بعد میں یہ ٹیکس تین پونڈ سالانہ کر دیا گیا۔ گویا ہر ہندوستانی کنبے کو سالانہ ۱۲ یا ۱۵ پونڈ ٹیکس دینا پڑتا تھا۔

ٹرانسوال۔ یہاں ۱۸۸۱ء میں ہندوستانی سوداگر پہونچے۔ انگریزوں نے ان کے خلاف بہت پروپیگنڈا کیا اور ۱۸۸۳ء میں ایک ظالمانہ قانون پاس ہوا جس کی رو سے ہر ہندوستانی کو ۲۵ پونڈ سالانہ ٹیکس دینا پڑتا تھا اور کوئی بھی ہندوستانی زمین نہ خرید سکتا تھا۔

اورنج فری سٹیٹ۔ ابھی مشکل سے ہندوستانیوں نے یہاں چند دکانیں کھولی تھیں کہ ان کے خلاف ایک سخت قانون پاس کیا گیا۔ کوئی ہندوستانی بھی وہاں تجارت یا زراعت نہ کر سکتا تھا، کیپ صوبوں میں بھی نٹال والے قانون رائج تھے۔

سنہ ۱۸۹۳ء میں جب مہاتما گاندھی جنوبی افریقہ پہونچے تو اپنے ہموطنوں کی حالت زار دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ نٹال میں جب پہلا کالا قانون بنا تو گاندھی جی نے اس کے خلاف بہت کچھ کیا۔ ہندوستان آ کر گاندھی جی نے جنوبی افریقہ کی حکومت کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ چنانچہ ۱۸۹۷ء میں جب آپ دوبارہ جنوبی افریقہ گئے تو آپ کی روزانہ زندگی پر کئی حملے کئے گئے لیکن ہر موقع پر آپ نے ضبط سچائی اور اہنسا سے کام لیا اور اپنے مخالفوں کو شرمندہ کیا۔

۱۸۹۹ء میں گاندھی جی نے بوئر جنگ میں انگریزوں کی امداد کی۔ ان کا خیال تھا کہ مستقبل میں انگریز ہندوستانیوں سے اچھا سلوک کریں گے لیکن ان کا خیال غلط نکلا۔ جنگ کے بعد سمٹس نے ہندوستانیوں کے خلاف یکے بعد دیگرے کئی سخت قانون پاس کرائے۔ ۱۹۰۶ء میں ٹرانسوال کی حکومت نے ایک قانون بنایا جس کے خلاف گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی تحریک شروع کی۔ اس قانون کی رو سے ٹرانسوال میں داخل ہونے اور باہر جانے کے لئے ہر ہندوستانی کو ایک پروانہ راہداری لینا پڑتا تھا حتیٰ کہ دودھ پیتے بچے اور عورتیں بھی اس قانون کی دستبرد سے باہر نہ تھیں۔ اس کام کے لئے ایک "ایشیاٹک آفس" قائم ہوا جو اپنی سختیوں اور بدعنوانیوں کے سبب بہت بدنام ہو گیا۔

یکم اگست ۱۹۰۶ء کو ایک تھیٹر ہال میں ہندوستانیوں کا جلسہ ہوا جس میں گاندھی جی نے ستیہ گرہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔ گاندھی جی اپنے ہمراہیوں کو اہنسا پر عمل کرنے کی تاکید کی۔ ستیہ گرہ شروع ہو گیا، ہندوستانیوں نے پرمٹ لینے سے انکار کر دیا، سیکڑوں گرفتاریاں ہوئیں، جیل خانے بھر گئے، گاندھی جی جیل بھیجے گئے۔ جب ان مظالم کی داستانیں ہندوستان پہنچیں تو ملک بھر میں ہلچل مچ گئی۔

۱۹۱۲ء میں آنریبل گوکھلے خود جنوبی افریقہ پہونچے۔ جنرل سمٹس نے ایک عارضی سمجھوتہ کر لیا لیکن مسٹر گوکھلے جی کے لوٹتے ہی پھر گرفتاریاں اور ظلم شروع ہو گئے۔ ایک نیا قانون پاس ہوا جس کی رو سے ہندوستانی رسوم کے بموجب کی گئی تمام شادیاں غیر قانونی قرار دی گئیں۔ یہ ہندوستانی عورتوں کی زبردست توہین تھی۔ اس قانون کی مخالفت کے لئے ہندوستانی عورتوں نے بھی ستیہ گرہ کی جنگ میں حصہ لیا۔ گاندھی جی کی آواز پر تمام ہندوستانی مزدوروں نے عام ہڑتال کر دی۔ کانیں اور کارخانے بند ہو گئے۔ ملک کی آرتھک زندگی پر فالج گر گیا۔ ہزاروں مزدوروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ظلم ہوئے۔ لیکن آخرکار اہنسا کے پجاری مہاتما گاندھی کی فتح ہوئی۔ آٹھ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۳۰ جون ۱۹۱۴ء کو تین پونڈ سالانہ کا ٹیکس منسوخ کر دیا گیا۔ ہندوستانی شادیاں جائز قرار دی گئیں اور ستیہ گرہیوں کی تمام مانگیں مان لی گئیں۔

ساؤتھ افریقہ میں ہندوستانیوں اور اہل ایشیا کے خلاف جو کچھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے وہ تہذیب اور تمدن کی توہین ہے۔ پنڈت نہرو کے الفاظ میں "سفید چمڑی والے یورپین ہندوستانیوں کے ساتھ نسلی امتیاز کی جو پالیسی برت رہے ہیں وہ ہمارے لئے ایک چیلنج ہے" نازی جرمنی بھی نسلی امتیاز میں یقین رکھتا تھا اور دنیا کے امن کے لئے خطرے کا باعث بنا۔ جنوبی افریقہ کی نسلی امتیاز کی شرمناک پالیسی کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اس کے علاوہ اس جدوجہد کی تہہ میں کچھ آرتھک قوتیں بھی کام کر رہی ہیں۔

جنوبی افریقہ کے یورپین اپنے سے کئی گنا زیادہ باشندوں کو ہمیشہ کے لئے اپنا غلام اور اقتصادی لوٹ کا آلہ بنانا چاہتے ہیں۔ گاندھی جی نے موجودہ ستیہ گرہیوں کو آشیرواد دیا ہے اور پچھلی ستیہ گرہ کے جرنیل تھے۔ کیا اب بھی مارشل سمٹس اپنے اُن الفاظ پر عمل کرے گا جو اس نے اس وقت کہے تھے جب ہندوستانی سپاہیوں نے اپنے خون سے جنوبی افریقہ کو جرمن فوجوں سے بچایا تھا۔ "نسلی علیحدگی کی پالیسی ناکامیاب رہی ہے اور ترک کر دینی چاہیئے۔ نازیوں کی نسلی امتیاز کی پالیسی سے جنوبی افریقہ کو محفوظ رکھا جائے" جنوری ۱۹۴۲ء کی ایک تقریر سے جنوبی افریقہ کے پہلے ستیہ گرہ کی مستقل حیثیت۔ ——

Permanent constribution

ہم نے اس مضمون کے دوران میں دو سوالوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اول جنوبی افریقہ کا پہلا ستیہ گرہ کب شروع ہوا اور دوسرے یہ کہ ستیہ گرہ کیوں شروع ہوا، یہ ستیہ گرہ اسی دن سے شروع ہو گیا جس دن سے مہاتما گاندھی نے عدم تشدد کے ہتھیار سے اپنے ہموطنوں کی عزت بچانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ گاندھی جی اچھی طرح جانتے تھے کہ تشدد کو تشدد سے نہیں بلکہ اہنسا سے جیتا جا سکتا ہے۔ آگ کا علاج ٹھنڈا پانی ہے۔ یکم اگست ۱۹۰۶ء کو ستیہ گرہ شروع کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا تھا۔

"اگر دوسروں ۔ خون بہا ۔ دلی آزادی حقوق ۔ لطنت ۔ کی جا ۔ ئی تو آپکو یقین دلاتا ہوں یہ فتح خونریزی ۔ ۔ یرلی ہو گی۔

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

پھولوں کی ڈالی

(مرتبہ آل ضیا اختر بی۔ اے)

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگ جاں پر

سیماب

رگ رگ میں عوض خون کے دوڑ رہی ہے
وہ دیکھ رہے ہیں مجھے مخمور نظر سے

جگر

جوانی کا زمانہ آ رہا ہے
وہ نکلی دھوپ سایہ جا رہا ہے

ماہر القادری

او سنگ عشق سجدہ گوارا ہوں مجھے
رکھ کے سر کو پھینک دیا جلوہ گاہ میں

حفیظ جالندھری

جذبات آفرین موج نگاہ ناز
کافر جہاں پڑی ہے وہیں دل بنا دیا

بسمل سعیدی

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازہ طوفان نہیں ہوتا

عمار

تم اگر برا نہ مانو تو سکون دل کی خاطر
میں جہاں آپ دگاں ہیں کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

شکیل بدایونی

جو تری یاد میں گزر جائیں
حسن زندگی ہیں وہ لمحات

قمر ہاشمی

آخری رات آ گئی جی بھر کے مل لیں آج تو
تم سے ملنے دیگا دور آسمانی پھر کہاں

اختر شیرانی

گلوں کو چومنے والے، خود مستی میں
تری نگاہ میں شاید ترا شباب نہیں

وسیم

اس کے غم فراق کی مجبوریاں نہ پوچھ
جو بدنصیب موت کا ارماں نہ کر سکے

سالک (عینک)

کوئی مجھ سا نہ ہو متمنائی
ابھی حسرت خدا کسی کو نہ دے

اختر انصاری

یہ سب ہیں میرے غم دوست غزادہ میں
تم آ گئے کہ رونق دوں بہار کے

کرم لکھنؤی

اف رے انکی عمر نگیں کا انجام
تکلف کی صبح سجانے کی شام

جاں نثار اختر

کبھی بادہ طلب ہے جو پیالہ ہوں تو بکتا
رند نے بڑھ کر دیے لذی میں پیالہ پھیر

مجروح

انساں کو سنا کہ خواب وفا ملا
ہم اس کے بعد پھر کوئی ارمان کر سکے

احسان

ہر صاحب گار کو محبت کا صلہ ملتا ہے
مت دیکھ کیا چیز کہ ڈھونڈے سے خدا ملتا ہے

نوح ناروی

لیتے ہیں لوگ اپنی دل بات کے مزے
میرا مزا یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ نہیں

اکبر الٰہ آبادی

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

غالب

پچھلے صفحہ سے آگے

میرے نزدیک بڑی سے بڑی مشکلوں میں بھی نہ گھبرانا انسانی زندگی کی سب سے بڑی فتح ہے اسی میں سکون اور خوشی ہے!

ایف۔ جی جمز جنوبی افریقہ کے پہلے ستیہ گرہ پر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"سختیاں برداشت کرکے بھی پریم کا سبق دنیا ہمارے وقتوں میں گاندھی جی کی ایجاد ہے وہ موجودہ وقتوں کے مسیح ہیں۔"

البرٹ آئینسٹن کہتے ہیں:

"ایک غلام قوم کو اٹھانے کے لئے گاندھی جی نے ایک انوکھا اور مؤثر طریقہ ایجاد کیا ہے یہ طریقہ ہے عوام کی روحانی اور اخلاقی قوتوں کو یکجا کرکے اہنسا سے تشدد کا مقابلہ کرنا"

جنوبی افریقہ کا ستیہ گرہ اس لئے شروع ہوا کہ پہلی مرتبہ گاندھی جی نے نسلی برتری کے خلاف آواز اٹھائی، ان کے خیال میں سب انسان برابر ہیں اس لئے ایک انسان کو دوسرے انسان کے خلاف ناجائز قانون بنانے کا کوئی حق نہیں۔ افریقہ کا پہلا ستیہ گرہ تاریخ میں اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ صدیوں کے بعد ایک درشت خصلت انسان اور پاکیزہ روح ہستی نے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ تشدد کو تشدد سے کچلا جا سکتا ہے۔ لیکن سچائی ناقابل تسخیر قوت ہے۔ دنیا نے ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۹ء میں گاندھی جی کا پیغام نہ سنا اور جنگ کی تباہیوں کا شکار ہوئی۔

اب وقت آ گیا ہے کہ دنیا گاندھی جی کے پیغام پر عمل کرے، اور امن اور سکھ کی زندگی بسر کرے۔

دکھنی افریقہ کا پہلا ستیہ گرہ جنگ کی تکنیک میں ایک نئی ایجاد کا باعث ہوا۔ ستیہ گرہ کا ہتھیار ایٹم بم سے زیادہ مؤثر اور کارآمد ہے کیونکہ یہ ناقابل تسخیر ہے۔

ستیہ گرہ کی اہم تاریخیں

ہندوستانی مزدوروں کا پہلا جہاز جنوبی افریقہ پہونچا۔۔۔۔ ۱۸۶۰ء

ٹرانسوال میں ہندوستانیوں کے خلاف پہلا قانون پاس ہوا۔۔۔۔ ۱۸۸۳ء

گاندھی جی افریقہ تشریف لے گئے۔۔۔۔ ۱۸۹۳ء

نوتر حیلہ سشہ دش اور گاندھی جی کا کام۔۔۔۔ ۱۸۹۶ء

ٹرانسوال میں شرمناک قانون پاس ہوا۔۔۔۔ ۱۹۰۶ء

ستیہ گرہ کا عہد۔۔۔۔ یکم اگست ۱۹۰۶ء

جنرل سمٹس کی عہد شکنی۔۔۔۔ ۱۰ فروری ۱۹۰۸ء

شری گوکھلے افریقہ گئے۔۔۔۔ ۱۹۱۱ء

ستیہ گرہ کی عظیم الشان فتح ۳۰ جون ۱۹۱۴ء

دوسرا ستیہ گرہ شروع ہوا۔۔۔۔ ۱۹۴۶ء

مایا

(صفحہ ۲۰ کا باقی)

اس نے ایک سو پندرہ روپے سوا سات آنے جمع کئے تھے۔ جمع کئے تھے کہ پرلوک سدھرے گا۔ پرلوک سدھرے گا۔ انھیں دیکھ دیکھ کر وہ عورت کا غم بھول گیا تھا۔ آج وہی روپے وہاں موجود نہیں تھے۔ شکتی ہیں ہاتھ گھما گھما کر اسے خالی پاکر اس دیوانگی اور وحشت طاری ہو رہی تھی۔ رہ رہ کر غصہ اٹھتا تھا کسی کو قتل کر دے۔ یا پھر آپ کو ہلاک کر ڈالے۔

اس وحشت کے عالم میں اس نے گوپی کو جا دبوچا وہ بے سدھ پڑا سو رہا تھا۔ سرجو بھگت نے اسے بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا "بدذات! میرا کھا کر میرا ہی خون پیا۔ بتا بتا! کہاں چھپائے ہیں روپے"۔ وہ غریب پٹتا اور جھنجھلاتا رہا۔ روپوں کی بابت کیا بتاتا۔ اسے تو اتنا بھی علم نہیں تھا کہ سرجو بھگت روپے جمع کر رہا ہے۔

شور سن کر دوسرے لوگ اور ہری سنگھ بھی جاگ اٹھا۔ اس نے دوڑ کر سرجو بھگت کا ہاتھ پکڑا۔ سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ منہ سے جھاگ نکل رہے تھے اور وہ چلا رہا تھا "ایک سو پندرہ روپے سوا سات آنے"!

ساری بات سمجھ کر ہری سنگھ نے کہا۔ اس بیچارے کو کیوں پیٹتے ہو۔ روپے کسی اڑوسی پڑوسی نے چرائے ہوں گے۔ تھانے میں جا کر رپٹ لکھواؤ۔"

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ملا۔ وہ تھانے کی طرف چل دیا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے انتظار کے بعد رپٹ لکھوائی جب تھانے والوں نے دریافت کیا کہ تمہارا کسی پر شبہ بھی ہے تو وہ کچھ سوچ نہیں سکا۔ جھلا کر بدحواسی کے عالم میں بولا:۔ "ایک سو پندرہ روپے سوا سات آنے"!

"ایک سو پندرہ روپے تو سن لیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس پاس کوئی اور رہتا تھا جو تمہیں روپے رکھتے دھرتے دیکھتا ہو۔ تمہیں کسی پر شبہ ہے؟"

"اور تو کسی پر شبہ نہیں سرکار، میرا بیٹا گوپی ساتھ رہتا ہے۔ بڑا آوارہ ہے، وہی لے گیا ہوگا۔ بہتیرا پوچھا پر کچھ نہیں بتاتا"۔

تھانے والوں نے گوپی کو بلایا خوب ڈرایا دھمکایا لیکن وہ مٹی کا بت بنا کھڑا رہا۔ تھانے والے بھی بڑے گھاگ ہوتے ہیں۔ سمجھ گئے کہ گوپی بالکل بے گناہ اور معصوم ہے۔ سرجو بھگت کا دماغ چل گیا ہے۔

ہری سنگھ کو بڑا افسوس ہوا کہ سرجو بھگت نے تھانے میں جا کر بھی گوپی ہی کا نام لیا حالانکہ اس نے اشارہ کر دیا تھا کہ روپے کسی پڑوسی وڑوسی نے چرائے ہیں۔ جب سرجو بھگت تھانے سے لوٹ کر آیا اور رونے پیٹنے لگا تو اس نے صاف الفاظ میں کہا "کیوں روتے پیٹتے ہو اور کیوں گوپی کے پیچھے پڑے ہو۔ تمہارے روپے تلسی نے چرائے ہیں"۔

سرجو بھگت نے ہاتھ ملے۔ "رام رام! اس نے چوری کی ہے؟"

"ہاں اس نے چوری کی ہے، اگر مجھے اختیار ہو تو میں اب روپے اگلوا سکتا ہوں۔ تم تھانے میں جا کر اس کا نام لو"۔

ہری سنگھ کچھ اس انداز سے کہہ رہا تھا جیسے اس نے تلسی کو چوری کرتے آنکھوں دیکھا ہو۔ سرجو بھگت کو یقین ہو گیا اور وہ تھانے پہونچا۔ لیکن تھانے والوں نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا اور ڈپٹ کر کہا "چل بھاگ یہاں سے پاگل کہیں کا، کبھی کسی کا نام لیتا ہے، کبھی کسی کا ہم تیرے سو روپلی کے لئے دنیا بھر کو کیسے باندھ دیں"؟

تھانے دار کے نزدیک جو محض روپیہ تھا، سرجو بھگت کی زندگی کا سہارا تھا، عمر بھر کی پونجی تھی۔ اس نے اپنے ایک ایک روپے کو امیر آدمی کے لاکھ لاکھ روپے کی طرح سینے سے چپٹا کر رکھا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر کوئی غریب آدمی ایک روپیہ دان کرے تو اسے اتنا ہی پھل ملتا ہے جتنا ایک امیر آدمی کو لاکھ روپے دان دینے سے ان روپوں سے اس کی کیسی کیسی امیدیں وابستہ تھیں اسے اس مہینے کے اخیر میں ایک سو پندرہ روپے سوا سات آنے ایک سو بیس ہو جائیں گے۔ یہ بات سوچ کر اسے کتنی راحت نصیب ہوتی تھی وہ اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا تھا اور خوش قسمتی کا تصور اسے ایک دوسری ہی دنیا میں منتقل کر دیتا تھا۔ جہاں اس کی نظروں کے سامنے جگ مگ جگ مگ روپوں کے ڈھیر لگے ہوتے تھے لاکھوں، کروڑوں، بے شمار روپے۔ کتنا خوش قسمت ہے وہ اس کا سر بصد عقیدت اس برہمن کے قدموں میں جھک جاتا جس نے اسے "لاکھ پرائی" کا پروان دیا تھا۔

لیکن یک بیک اس امارت کی بنیادیں ڈھے گئیں تو وہ دنیا میں سب سے بدقسمت آدمی تھا۔ زیادہ نہیں تو اس کے یہ ایک سو پندرہ روپے سات آنے ہی محفوظ رہتے وہ تھوڑے بہت اور جمع کر لیتا۔ گنگا اشنان کر جاتا سامرتھ کے مطابق دان کرتا۔ یہ لوک نہیں تو پرلوک تو سدھر جاتا اس جنم میں تو دکھ دیکھا تھا۔ اگلے جنم میں ہی سکھ دیکھتا لیکن اب وہ یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکے گا۔ وہ کتنا بدقسمت تھا اس کے اندر جو شعلہ لرزاں تھا وہ بجھ گیا۔

ہال کے سامنے کھلے میدان میں شہتوت کا ایک درخت تھا جو نجانے کس روگ میں مبتلا تھا کہ بہار کے دنوں میں بھی اس کے ایک طرف گنتی کے چند ہرے پتے پھوٹتے تھے۔ اس وقت وہ بھی نہیں تھے۔ ٹنڈ منڈ سوکھا کھڑا تھا۔ سرجو بھگت تھانے سے لوٹ کر اس درخت تلے بیٹھ گیا۔ اور آہیں بھرنے لگا۔ جتنی مرتبہ اس کے اندر کی سانس باہر آتی تھی اتنی ہی مرتبہ منہ سے یہ الفاظ نکلتے تھے "ایک سو پندرہ روپے سوا سات آنے"۔ ہم نے اسے لاکھ سمجھایا کہ اٹھو نہا دھو کر دال بھات بنا کر دو لقمے کھا کر ٹھنڈا پانی پیو۔ صبر کا گھونٹ بھر لو خالی پیٹ میں گرمی بھر جائے گی لیکن وہ بظاہر سنتا تھا سرد آہیں بھرتا تھا اور اپنی ہی رٹ لگائے جاتا تھا۔ "ایک سو پندرہ"

اسے یوں آہیں بھرتے دیکھ کر ساری بستی میں ماتم چھا گیا۔ ہری سنگھ جو اس کی گمشدہ بیوی کا ذکر چھیڑ کر اس کے غم کو کرید کر دل ہی دل میں لطف اندوز ہوا کرتا تھا اور جسے ہم نے ذاتی صدمات میں بھی مسکراتے دیکھا تھا سرجو بھگت کا یہ غم اسے بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا وہ اس کے نزدیک بیٹھا پرخلوص ہمدردی سے سمجھا رہا تھا۔ "کیوں اس جنم کی بات سوچ کر دکھی ہوتے ہو تم نے پچھلے جنم میں تلسی سے یہ روپیہ قرض لیا تھا جو اس وقت نہ دے سکے۔ اس نے اس جنم میں تمہارا پڑوسی بن کر تم سے روپے لیا۔

ہری سنگھ کی یہ بات سن کر سرجو بھگت کے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا۔ ایک لمحہ خاموش رہا اور پھر حسرت نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ کر کہنے لگا "ایک سو پندرہ روپے سات آنے"!

ہم نے سمجھایا اور اسے اٹھا کر کوٹھری میں چھوڑ آئے۔ معلوم نہیں اس کی اندر کیا حالت رہی کیونکہ ہم باہر آ کے ایک بڑے لیڈر کے جلسے کا انتظار کرنے لگے جو شام کو اس ہال میں ہونا تھا جس کا داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا اور سینکڑوں روپے آمدنی کی توقع تھی۔

دوسرے دن بھی ہمیں اس کا خیال نہ آیا کیونکہ ٹکٹ سے آمدنی معقول ہوئی تھی۔ ہمیں اس کا حساب کرنا تھا اور اس لیڈر کے ساتھ دو تین جگہ دعوت اور ٹی پارٹی میں جانا پڑا۔ تیسرے دن معلوم ہوا کہ سرجو بھگت یہاں سے چلا گیا ہے اب وہ جوجر برجی کے قریب اپنے بھائی بندوں کے ساتھ رہا کرے گا۔ وہ جانے کو تیار نہیں تھا لیکن اس برہمن نے بتایا تھا کہ اس جگہ سے تمہارا بھاگ اٹھ گیا۔ اس وجہ سے وہ چلا گیا۔

اس واقعہ کو کئی سال گزر گئے۔ اس دوران میں سمنٹ کی عمارت مکمل ہوئی جنگ چھڑی۔ اس عمارت کا مالک بلیک مارکیٹ یعنی لاکھ پرائی کر کے پہلے سے دس گنا امیر بن گیا۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن ہوئے کانگریس کا بڑا زور رہا۔ کئی آدمی جنہیں کانگریس سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا ممبر چنے گئے۔ مجھے بھی امید تھی کہ ممبر چنا جاؤں گا لیکن لاکھ کوشش کے باوجود بھی کانگریس کا ٹکٹ حاصل نہ کر سکا حالانکہ اس دوران میں دو بار تحریک چھڑی اور دونوں بار جیل گیا۔ میں ابھی آفس سپرنٹنڈنٹ یا ہیڈ کلرک کا کام کرتا ہوں۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات اٹھتے ہیں۔ دل تلخی سے بھر جاتا ہے۔ مایوسی کے ان لمحات میں سرجو بھگت کی یاد آ جاتی ہے اور اس کی وہ صورت نظروں میں تیرنے لگتی ہے جب وہ شہتوت کے درخت کے تلے بیٹھا آہیں بھرتا اور چلاتا تھا۔ "ایک سو پندرہ روپے سوا سات آنے"۔ (ادبی دنیا)

گیت

(از جناب اطہر ملیح آبادی)

مدھ برساؤ پریم کے نینو! مدھ برساؤ
ایسا مدھ برساؤ جس سے امرت بھی شرمائے
چنچل آشا من مندر میں دیپک راگ سنائے
ہنس کے آگ لگا دو ایسی گنگا جل جل جائے
پیتم کا جب دھیان آئے تو گھونگھٹ میں شرمائے
مدھ برساؤ پریم کے نینو! مدھ برساؤ
ایسا مدھ برساؤ جس سے جھوم اٹھیں بھگوان
چنچل آشاؤں کے بالک پریم چڑھیں پروان
تاروں کے جھولے میں جھولے دھرتی کا انسان
بھور بھئے جیون منوا میں یوں پلکیں جھپکاؤ
مدھ برساؤ پریم کے نینو! مدھ برساؤ
ایسا مدھ برساؤ جس سے مہک اٹھے سنسار
کچلے روندے ارمانوں کا دہک اٹھے گلزار
جیون کی سندر پائل کی لہک اٹھے جھنکار
پھولوں کی خوشبو بن کر تن من میں گھل مل جاؤ
مدھ برساؤ پریم کے نینو! مدھ برساؤ

صفحہ ۸ سے آگے

کشمیر جائیں گے بھی تو بہار کے موسم میں نہیں بارش کے کچھ پھلوں کے موسم ہیں۔ معلوم نہیں دنیا اپنی ہر بات میں اتنی شکم پرست کیوں ہوگئی ہے؟

حالانکہ انسان کو معدہ کے ساتھ دل و دماغ بھی دیا گیا تھا۔

ہندوستان کے پہاڑوں میں پہاڑی بلبل کا ترنم نینی تال اور کانگڑہ میں زیادہ سنا جا سکتا کہ مسوری اور شملہ کی چٹانی فضا اس کے لئے کوئی کشش پیدا نہیں کر سکتی تھی۔

ہندوستان میں عام طور پر چار قسم کی بلبلیں پائی جاتی ہیں، ان میں سب سے زیادہ خوش نوا قسم وہ بلبل ہے جس کے چہرے کے دونوں طرف سفید بوٹے ہوتے ہیں اور اس لئے آج کل نیچرل ہسٹری کی تقسیم میں اسے وہائٹ چیکڈ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ شاما کو اگرچہ عام طور پر بلبل نہیں سمجھا جاتا لیکن اسے بھی میدانی سرزمینوں کا بلبل ہی تصور کرنا چاہئیے۔ مغربی یوپی اور پنجاب میں اس کی متعدد قسمیں پائی جاتی ہیں۔

اس وقت تک بلبل کے تین جوڑے یہاں دکھائی دیئے ہیں۔ تینوں معمولی پہاڑی قسم کے ہیں جنھیں انگریزی میں کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایک نے تو پھول کی ایک بیل میں آشیانہ بھی بنالیا ہے۔ دوپہر کو پہلے بالکل خاموشی رہتی پھر جوں ہی میں کچھ دیر لیٹنے کے بعد اٹھوں گا اور لکھنے کے لئے بیٹھوں گا۔ معاً ان کی نوائیں شروع ہوجائیں گی۔ گویا انھیں معلوم ہوگیا ہے کہ یہی وقت ہے جب ایک ہم سفر اپنے دل و جگر کے زخموں کی پٹیاں کھولتا ہے۔ اس لئے نالہ و فریاد سے کیوں ہم جرکے لگانا شروع کردیں۔

صفحہ (۱۴) کا باقی

ہندوستانی کے حامی اس موقعہ پر یہی کہتے ہیں کہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں کو سیکھا جائے اور اسے سہل بناکر ہندوستانی زبان بنایا جائے۔ اول تو یہ طریقہ باہمی اتفاق کو ختم کرکے دوئی پیدا کرونیا ہے اور گویا باہمی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش میں ہمت ہار دینا ہے دوسرے ہماری اس قومی زبان کو جسے ہم ہندوستانی کہتے ہیں ایک ثانی حیثیت دے دیتا ہے۔ یعنی ہمیں ہندی اور اردو کے مشکل لفظوں کے سہل معنی حاصل کرکے اس زبان کو بنانا اور رائج کرنا ہوگا۔ اس طرح اس قومی زبان کی حیثیت ہندی اور اردو کے محتاج جیسی رہ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ملک کی سیاسی اور سماجی فضا میں ہندی اور اردو کے استعمال کو جاری رکھنا ہندو مسلم اختلاف کو مدد دینا ہے۔ اگرچہ ابھی تک اردو پڑھنے لکھنے والوں میں ہندو مسلمانوں کے دوسری قوموں کے لوگ بھی شامل رہے۔ مگر اب غیر مسلم اور خصوصاً اہل ہنود ہندی کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے ہیں اور مسلمان صرف اردو پڑھتے ہیں۔ اس طرح زبان کا مسئلہ ہندو مسلم نااتفاقی میں مددگار ہو رہا ہے۔ باہمی اتفاق حاصل کرنے کے لئے سہل اور مشکل دونوں طرح کی تقریروں اور تحریروں میں ایک زبان اور رسم الخط کا ہونا ضروری ہے۔ اس ایک رسم الخط کا رواج سب سے پہلے ہمیں اپنے مدرسوں اور کالجوں میں کرنا چاہیئے۔ چونکہ قوم کی تعمیر ہر لحاظ سے انہی مقامات پر ہوتی ہے۔

ہندوستانی قومی زبان کے لئے یہ واحد رسم الخط کون ہو سکتا ہے؟ اس کے متعلق تین تجویزیں ہیں، فارسی، ناگری اور رومن۔ ناگری کے حامی بھی بہت سے ہیں اور فارسی کے بھی اور دونوں اپنی جگہ پر بہت اچھی باتیں کہتے ہیں لیکن چونکہ دونوں کی تعداد بہت ہے۔ لہذا کسی ایک کی موافقت میں فیصلہ کرنا زبردست فساد پیدا کردے گا۔ امن اور صلح کی خاطر ہمیں رومن رسم الخط کو اختیار کرلینا چاہیئے۔ اس راستہ میں ہمارے لئے ترکی قوم کی مثال موجود ہے پھر یہ ہمارے لئے بالکل نیا بھی نہیں۔ انگریزی زبان کے رواج نے ہمیں اس سے آشنا کردیا ہے۔ سرکاری کاموں میں بھی اکثر یہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فوج اور پولیس کے محکموں میں۔

صرف ایک خط کا اختیار کرلینا ہی کافی نہیں ہوگا۔ یہ تو ہماری قومی زبان کی صورت ہوگی زبان کے لئے ایسے الفاظ کے ذخیرے کی بھی ضرورت ہے جو قومی زندگی کے ہر شعبے میں کام آئیں۔

ہندوستانی زبان میں سہل اور روزمرہ کے استعمال میں آنے والے الفاظ تو موجود ہیں مگر اونچے مضامین لکھنے اور ٹھوس تقریروں کے لئے ہمیں ایک ایسی ہندوستانی ڈکشنری کی ضرورت ہوگی جس میں ہندی اور اردو دونوں زبانوں سے الفاظ اس طرح اکٹھا کئے جائیں کہ نہ ہندی کے حامیوں کو برا معلوم ہو اور نہ اردو کے حامیوں کو ناگوار ہو۔ اور ابتدا میں سرکاری کاموں میں ان الفاظ کو استعمال کرکے رائج کیا جائے۔ قومی حکومت نے اگر توجہ کی تو یہ قومی زبان بن جانا اور رائج ہوجانا دور کی بات نہیں۔

زریں اقوال

۱۔ خدا اس بندے کو پسند کرتا ہے جو ایماندار ہو اور کسی ہنر سے روزی حاصل کرتا ہو۔

جو آدمی غصہ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور غصہ کو پی جاتا ہے۔ خدا اس کے دل کو ایمان سے بھر دیتا ہے۔

جو آدمی اچھائی سیکھے اور لوگوں کو سکھائے اور اس پر عمل کرے وہ جنت میں جائے گا۔

جس زمانے میں تمہارے رہنما نیک ہوں تمہارے دولتمند فیاض ہوں اور تمہارے معاملات مشورے سے طے ہو سکتے ہوں، اس زمانے میں زمین کی پشت تمہارے لئے زمین کے شکم سے بہتر ہوگی۔ مگر جس زمانے میں تمہارے رہنما ظالم ہوجائیں تمہارے دولتمند بخیل اور تمہارے معاملات عورتوں کے اشارے پر طے ہونے لگیں اس وقت تمہارا مرجانا زندہ رہنے سے زیادہ اچھا ہوگا۔

موت کو جیتنے والے مہاپرش

لارڈ نیلسن

ٹرافلگر کی لڑائی میں لارڈ نیلسن اور کپتان ہارڈی جہاز کے تختے پر کھڑے تھے کہ یکایک ایک سنسناتی ہوئی گولی آ کر نیلسن کے لگی اور وہ تختے پر ہی گر پڑا۔ ہارڈی نے اسے سہارا دیکر اٹھایا اور کہا "زخم زیادہ نہیں" مگر نیلسن نے جواب دیا۔ "آخر یہ گولی میرے لئے موت ہی لائے گی۔ یہ میری ریڑھ کی ہڈی کو چیر کر نکل گئی ہے۔"

اس آخری کال میں بھی اسے کچھ خدشہ نہ تھی، جب اسے نیچے لے جایا گیا۔ اس نے اپنا منہ اور تمغے وغیرہ ڈھک لئے تاکہ جہاز کے سپاہی اسے زخمی دیکھ کر حوصلہ نہ چھوڑ بیٹھیں۔ اسے اس چھوٹے کمرے میں لے جایا گیا۔ جہاں بہت سے زخمی اور مردہ سپاہی پڑے تھے۔ ایک لالٹین اپنی مدھم سی روشنی سے وہاں جل رہی تھی۔ موت نیلسن کے سرہانے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ مگر اپنے فرض کا خیال اس وقت بھی اسے بھولا نہ تھا۔ اس نے ہارڈی سے پوچھا "جنگ کا کیا حال ہے!" ہارڈی نے جھٹ سے جواب دیا۔ "ہمارا پلڑا بھاری ہو رہا ہے۔ ہم نے دشمن کے دس پندرہ جہازوں کو تباہ کر دیا ہے۔" اسی وقت ہارڈی کو اوپر جہاز کے تختے پر جانا پڑا۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد وہ واپس آیا اور نیلسن کو مکمل فتح کی خبر دی۔ اس وقت نیلسن کی آتما اسکے مادی جسم سے وداع ہو رہی تھی۔

تب نیلسن ذرا سنبھلا اور بولا۔ "ہارڈی میری پیاری لیڈی ہملٹن کا خیال رکھنا۔ ہارڈی میرے ماتھے کو چومو" ہارڈی نے ذرا جھک کر قریب المرگ نیلسن کے ماتھے کو چوما۔ تب نیلسن بولا۔ "مجھے اب سنتوش ہے۔ پرماتما کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے اپنا فرض نبھا دیا ہے۔"

اس کی سانس رکنے لگی۔ آواز مدھم پڑ گئی اس کے آخری شبد تھے۔۔ "پرمیشور اور میرا دیش انگلستان چاہتا ہے کہ اس کا ہر ایک آدمی اپنا فرض پورا کرے۔"

نپولین بوناپارٹ

پچیس سال تک متواتر سارے یورپ سے جنگ کرنے کے بعد نپولین کا ستارہ ٹمٹمانے لگا روس کی جنگ نے تو اس کی رہی سہی طاقت کو بھی ختم کر دیا۔ اس کا بڑا بھائی سپین کے علاقے کو نہ سنبھال سکا۔ آخر نپولین انگریزوں کے ہاتھ پڑ گیا۔ اسے بحیرہ روم میں البا کے جزیرے میں قید کر دیا گیا۔ مگر اس کی روح تو فرانس میں تھی۔ آخر وہ ایک دن البا سے نکل بھاگا۔ اور فرانس آ گیا۔ اس نے اپنی منتشر شدہ طاقت کو نئے سرے سے منظم کرنا شروع کر دیا۔ اور ایک آخری فیصلہ کن لڑائی کی تیاری کرنے لگا۔

مگر اب بھی قسمت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ واٹرلو کی جنگ میں ڈیوک آف ولنگٹن نے اسے مکمل شکست دی اور اسے پکڑ لیا۔ اس بار اسے افریقہ کے مغرب میں سینٹ ہیلینا نامی جزیرے میں قید کر دیا گیا۔

کہتے ہیں سینٹ ہیلینا میں اس کی وردی پھٹ گئی نپولین ہرے رنگ کی وردی پہنا کرتا تھا۔ سارے سینٹ ہیلینا میں اس رنگ کا کپڑا نہ ملا۔ نپولین کسی دوسرے رنگ کے کپڑے سے پیوند لگانے کو تیار نہیں تھا۔ اس وقت نپولین کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ کسی وقت وہ فرانس کا شہنشاہ تھا سارا یورپ اس کی طاقت کا لوہا مانتا تھا۔ پرتگال سے ماسکو تک۔ مصر سے انگلستان تک اس کا جھنڈا لہرا چکا تھا۔ مگر اب وہ وقت تھا کہ وہ اپنے وطن سے دور دراز ایک جزیرے میں جیل کی کوٹھری میں بیٹھا ہرے رنگ کے کپڑے کے ایک ٹکڑے کے لئے ترس رہا تھا۔ ان دونوں کو یاد کرتا کرتا وہ اس جہان سے رخصت ہوا۔ اس کے آخری الفاظ تھے میرے پرمیشور۔ میرا پیارا وطن۔ میری فرانسیسی جاتی۔"

سوامی دیانند سرسوتی

سموت ۱۹۴۰ بکرمی کے کارتک مہینے کی اماوس اور منگل کا دن تھا۔ شام کے پانچ بجا ہی چاہتے تھے۔ دیا نند کے سارے شریر پر زہر کے چھالے ابھرے تھے۔ سانس رک رک کر آتی تھی جس سے سارا شریر جل رہا تھا۔ آتما شریر کو چھوڑنے کی تیاری کر رہی تھی۔ مگر مہاتما چپ چاپ آرام سے لیٹے تھے۔ ایک بھگت نے پوچھا۔ "مہاراج کی طبیعت کیسی ہے؟"

سوامی جی نے جواب دیا۔ "اچھی ہے پرکاش اور اندھکار کا ملاپ ہے"

انہیں باتوں میں جب پانچ بجے تو سوامی جی نے کمرے کی سب کھڑکیاں کھلوا دیں۔ اور سب بھگتوں کو اپنے پیچھے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔

اس کے بعد انھوں نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی اور وید منتروں کا جاپ کرنے لگے ان کی آواز سے ان کے لہجے سے ذرا بھی کمزوری نہ ٹپکتی تھی۔ ان کا چہرہ ہنس رہا تھا۔

وید منتروں کا گان کرنے کے بعد مہاراج نے دونوں آنکھیں کھول دیں اور بولے۔ "ہے سرب شکتیمان! تیری ہی اچھا پورن ہو۔ ہے پرماتم دیو! تیری ہی اچھا پورن ہو۔ میرے ایشور تو نے اچھی لیلا کی۔"

ان شبدوں کے ساتھ ہی برہم رشی نے برہم دھام کو جانے کے لئے اپنے آتمک پرانوں کو سورگ کی سیڑھی پر چڑھا دیا۔ اور پھر سانس کو کچھ دیر تک اندر روک کر "اوم" کہتے ہوئے ایکبارگی باہر نکال دیا۔

مہاتماؤں کی موت بھی ایک سبق لئے ہوئے ہوتی ہے۔ سوامی جی کی موت کے وقت گورودت ودیارتھی بھی وہاں تھے۔ وہ پکے ناستک تھے۔ پرماتما کی ہستی کے بارے میں ان سے بات چیت کرنے آئے تھے موت کے وقت سوامی کے ہنستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہونچے کہ سوامی جی ضرور کسی روحانی خوشی اور آتمک شانتی کو محسوس کر رہے ہیں۔ سوامی جی کی موت نے ہی ایک کٹر ناستک کو ایشور کا پجاری بنا دیا۔

دنیا کا چکر

دنیا کا چکر تو برابر چلتا رہا لیکن تیج ویکلی کے ناظرین کو پچھلے دو ہفتوں میں اس چکر سے متعارف نہیں کیا جا سکا۔ کیونکہ دہلی میں ایک خاص قسم کا چکر چل گیا تھا۔ اب چونکہ حالات پرسکون ہو گئے ہیں اسلئے پھر سے یہ سلسلہ جاری کیا جاتا ہے۔

بین الاقوامی ہلچل

دنیا میں آج کل جو بین الاقوامی ہلچل جاری ہے وہ پچھلی زمانہ کی ہلچل سے مختلف ہے جس طرح گنگا اور جمنا کے سنگم پر چند فرلانگ تک دونوں دریاؤں کے پانی کا رنگ الگ الگ نظر آتا ہے یا امریکہ میں مسوری اور مسسی پی دریاؤں کی دھاریں میلوں تک الگ الگ چلی گئی ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی حالات میں بھی اس وقت دو دھاریں الگ الگ چل رہی ہیں ایک وہ دھارا ہے جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ دنیا پھر ایک تیسری عالمگیر جنگ کی طرف جا رہی ہے اور دوسری وہ دھارا جو صلح کی تدبیروں کا پتہ دیتی ہے فی الحال یہ بتانا مشکل ہے کہ ان کا جھکاؤ کس طرف زیادہ ہے۔ مگر شرت پہلے ذکر خیر بہتر معلوم ہوتا ہے اس لئے پہلے ہم صلح کی سرگرمیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

یونسکو کانفرنس

فرانس میں آج کل یونسکو کانفرنس کا اجلاس ہو رہا ہے یونسکو کوئی خاص لفظ نہیں ہے بلکہ انگریزی کے چند لفظوں کے اول حروف لیکر ایک لفظ مرتب کر لیا گیا ہے۔ اس کا پورا نام اس طرح ہے۔

یونائیٹڈ نیشنز ایجوکیشنل سائنٹفک کلچرل آرگنائزیشن (اتحادی قوموں کی تعلیمی سائنس کے متعلق اور کلچرل انجمن)

اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ بین الاقوامی پیمانہ پر مختلف قوموں کی تعلیم و تمدن میں یکسانی پیدا کی جائے۔ مقصد بہت بلند ہے لیکن مقاصد بہر حال افراد کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ موجودہ انجمن سے لوگوں کو شکایت پیدا ہوئی ہے اول تو وہ صرف اتحادی قوموں تک محدود ہے جبکہ اسے عالمگیر بنانے کی ضرورت ہے دوسری دشواری یہ ہے کہ ابھی تک یورپین قوموں کے دماغ سے یہ بات نہیں نکل سکی ہے کہ دنیا کی تہذیب و تمدن کا علمبردار صرف یورپ ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی کانفرنس میں اس ذہنیت کے ساتھ صحیح قسم کا کام نہیں ہو سکتا ہے۔

پچھلی بار اس کانفرنس سے واپس آنے کے بعد دو ڈیلیگیٹوں ڈاکٹر ذاکر حسین اور خواجہ غلام السیدین صاحب نے جو بیان شائع کیا تھا اس سے بہت سی امیدیں بندھی تھیں لیکن اس بار ڈاکٹر سرراد ھاکرشنن نے جو اس کانفرنس میں ڈیلیگیشن کے لیڈر بنکر گئے ہیں جہاں ایکطرف اس کانفرنس کے بلند مقاصد کی وضاحت کی ہے وہیں یہ بھی واضح کیا ہے کہ یورپین قومیں اس انجمن پر چھایا جانا چاہتی ہیں یہ دنیا کے لئے زبردست خطرہ ہے اور ہر قوم میں جو گنے چنے مفکر ہیں ان کے لئے غور و فکر کا موقعہ بھی ہے۔

یوروپ میں ہلچل

یورپ میں سیاسی ہلچل کا مرکز یونان بنا ہوا ہے جہاں خانہ جنگی کی سی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اس خانہ جنگی کی بنیاد اسی وقت پڑ چکی تھی جب کثرت رائے سے یہ طے ہوا تھا کہ یہاں شاہی نظام قائم رہے گا مغربی اتحادی اس کے حق میں تھے اور روس اس کے خلاف تھا جو اقلیت یونان میں دوبارہ شاہی نظام قائم ہونے کے خلاف تھی وہ بھی زبردست تھی۔ یوگوسلاویہ کی طرف سے اب باغیوں کی جو حمایت ہو رہی ہے سیاسی حلقوں میں اسے سراسر روس کا اثر سمجھا جا رہا ہے۔

جرمنی میں کشمکش

جرمنی کے اندر بھی اتحادیوں کی باہمی کشمکش جاری ہے۔ امریکہ اور برطانیہ یہ چاہتے ہیں کہ جرمنی کے جن علاقوں پر الگ الگ فاتح قوموں کا قبضہ ہو گیا ہے انھیں ایک کر لیا جائے۔ لیکن روس اس کے حق میں نہیں ہے۔ اب امریکہ کی طرف سے جو رپورٹ پیش ہوئی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ چاہے روس شریک ہو یا نہ ہو لیکن امریکہ اور برطانیہ کو تو سیاسی اور اقتصادی اعتبارات اپنے اپنے علاقوں کو ایک کر ہی لینا چاہیئے۔ اگرچہ اس میں فی الحال کچھ زیادہ خرچ ہوگا لیکن بالآخر کفایت ہی رہے گی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی میں دو قسم کے نظام چلیں گے ایک تو روسی نظام اور دوسرا مغربی اتحادیوں کا نظام۔

اتحادی انجمن

امریکہ میں اتحادیوں کی انجمن کا جو اجلاس ہو رہا ہے اس میں ایک عرصہ سے دکھنی افریقہ کے ہندوستانیوں کی بحث چھڑی ہوئی ہے۔ جنرل سمٹس پہلے تو یہ چاہتے تھے کہ یہ معاملہ اس مجلس میں پیش ہی نہ ہو سکے لیکن انھوں نے ہوا کا رخ دیکھکر یہ مناسب نہیں سمجھا اور مسز وجے لکشمی پنڈت اور مسٹر چھاگلہ نے بہت خوبی سے یہ معاملہ پیش کیا۔ جنرل سمٹس کی طرف سے یہ دلیل پیش کی گئی کہ دکھنی افریقہ میں ہندوستانیوں اور انگریزوں کو الگ الگ رکھنے کی کوشش اس لئے ہے کہ دونوں اپنے تمدن کو الگ الگ ترقی دے سکیں مسز وجے لکشمی پنڈت نے بجا طور پر یہ جواب دیا کہ تمدن کو اس دور میں الگ الگ رکھنے کی کوشش کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

فلسطین میں

فلسطین میں ابھی تک متشددانہ مظاہرے جاری ہیں اور کوئی صلح کی صورت نہیں نکلی ہے۔

فلمستان

فلموں کا پلے بیک سسٹم

(بہ سلسلۂ گزشتہ)

اکثر ایسے موقعوں پر دلچسپ صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جب لکھنے والا تقریر کو ایسے ثقیل الفاظ کا جامہ پہنا کر ان کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے جو مقرر کے بس کے نہیں ہوتے اور اس کی قابلیت سے بہت بلند ہوتے ہیں۔

ایسے لوگوں کا جو اپنی تقریریں دوسروں سے لکھواتے ہیں مسخر اڑانا بہت آسان ہے لیکن یہاں کم از کم خیالات تو ان کے اپنے ہوتے ہیں وہ صرف ادبی زبان کسی مزدور اہل قلم سے مستعار لیتے ہیں یا خریدتے ہیں لیکن ایسے اشخاص کے متعلق کیا کہا جائے جو الفاظ نہیں بلکہ اپنے خیالات اور اپنی رائے دوسروں سے لیتے ہیں۔ پلے بیک صحافی کے قلم سے اس کے سرمایہ دار مالک کے خیالات کا چشمہ ابلتا ہے۔ اور پلے بیک سیاستداں اپنے دفتری سرپرست کی آواز کا ترجمان ہوتا ہے۔

ہز ماسٹرس وائس یہ چھوٹا سا محاورہ اکثر کرایہ کے سیاستدانوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ ایک گراموفون سے بھی بدتر ہوتا ہے کیونکہ کم از کم گراموفون کو اپنے متعلق کوئی مغالطے نہیں ہوتے وہ اس سے زیادہ کوئی اور دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ اصل آواز کی نقل ہے لیکن پلے بیک سیاستداں پلے بیک گانے والے کی طرح اس فریب سے استفادہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ خود اپنا گانا گا رہا ہے اور وہ کسی کے اشاروں پر نہیں ناچ رہا ہے اور وہ کسی کے اشاروں پر نہیں ناچ رہا ہے۔

واقعہ تو یہ ہے کہ فلمی دنیا میں پلے بیک ایک غیر مضر ایجاد ہے جس کا مقصد تفریح طبع کے لئے فریب نظر میں مبتلا کرنا ہے۔ لیکن پلے بیک سیاستداں زیادہ تر بدعہد اور غدار ہوتا ہے۔

یہی نہیں کہ پلے بیک کا سسٹم عمل دخل صرف فلمی دنیا میں ہے بلکہ درحقیقت وہ زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ جب زید کے لب ہلتے ہیں تو بکر کی آواز سنائی دیتی ہے۔

شیکسپیر کا مقولہ ہے کہ "دنیا ایک اسٹیج ہے" اگر وہ سینما کا شعور رکھنے والے موجودہ دور میں پیدا ہوا ہوتا۔ تو وہ کہتا ـــــ "زندگی بجائے خود پلے بیک ہے۔" اور ہم نہ صرف اداکار ہیں جو دنیا کے اسٹیج پر اپنے سابقہ مقرر کردہ پارٹ ادا کر رہے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہم ایسے پلے بیک پیشہ ور مغنی ہیں جو مستعار لی ہوئی آوازوں میں پہلے ادھر چرایا ہوا نغمہ گاتے ہیں۔

"بھوک" ایک بےنظیر دوا ہے

رنگ محل لمیٹڈ کی انقلابی تصویر "بھوک" کے بارے میں بمبئی سے اطلاع آئی ہے کہ "بھوک" کو ہندوستان کی فلمی صنعت میں ایک انوکھا اضافہ قرار دیا جائیگا اس کا موضوع اور افسانہ عام تصاویر سے بالکل مختلف ہے۔ اس تصویر میں ہندوستان کی بدحالی کا نقشہ بڑے ہی دردناک انداز میں کھینچا گیا ہے۔"

یہ ہے اس فلم کے بارے میں بمبئی کے ذمہ دار حضرات کی رائے۔ ڈاکٹر صفدر آہ سیتاپوری جو فلمی صنعت میں کافی شہرت رکھتے ہیں انھوں نے اس تصویر کو ڈائرکٹ کیا ہے۔ شیخ مختار، کنہیالال، حسنہ، آغا جانی اور درگن جیسے ممتاز اداکار اس تصویر میں کام کر رہے ہیں۔

"پدمنی"

پنجاب فلم کارپوریشن بمبئی کے پبلسٹی آفیسر ہمیں مطلع کرتے ہیں کہ "پدمنی" کے بارے میں یہ خیال درست نہیں ہے کہ "پدمنی" درحقیقت ایک سوشل کہانی ہے جس میں روزانہ زندگی کے واقعات کو فلمانے کے بعد ملک کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پنجاب فلم کارپوریشن کی تصویر "دیکھو جی" جو مکمل ہو چکی ہے کی نمائش کے درست ہونے کے بعد ہندوستان کے تمام بڑے بڑے اسٹیشنوں پر ریلیز کر دی جائے گی۔

"سونا"

اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ منظر آرٹ پروڈکشنز کی سابقہ تصویر "پہلی نظر" سال رواں کی بہترین سوشل تصویر تھی۔ "پہلی نظر" کے بعد ڈائرکٹر مظہر خاں کی جدید تصویر "سونا" تقریباً مکمل ہو چکی ہے اس تصویر میں مظہر خاں، منور سلطانہ، ڈکشت، مادھوری، نوین یاگنک جیسے ممتاز اداکاروں نے کام کیا ہے۔

"قیمت"

"شاہجہاں" کے بعد کاردار پروڈکشن کی جدید تصویر "قیمت" تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ "ناٹک" زیر تیاری ہے۔ امید ہے کہ یہ دونوں تصویریں بہت جلد ملک کے سامنے پیش کی جائینگی۔

رنجیت کی آنیوالی تصویریں

رنجیت کے نگارخانہ کی جانب سے حال ہی میں مندرجہ ذیل تصاویر کا اعلان ہوا ہے۔ ان تصاویر کے نام یہ ہیں "پھلواڑی" "کون ہمارا" "دادا جی جوگن" "شربتی" "جوہر" "سہاگ رات" "بگ بیٹا" "مادھوی" "محل" "سمدھن" ان تصاویر میں دینا، بیگم پارہ، کا خورشید، روپا، خورشید جونیئر، بکنی، سپن گپتا، جاگیردار جیسے ممتاز اداکار کام کر رہے ہیں۔

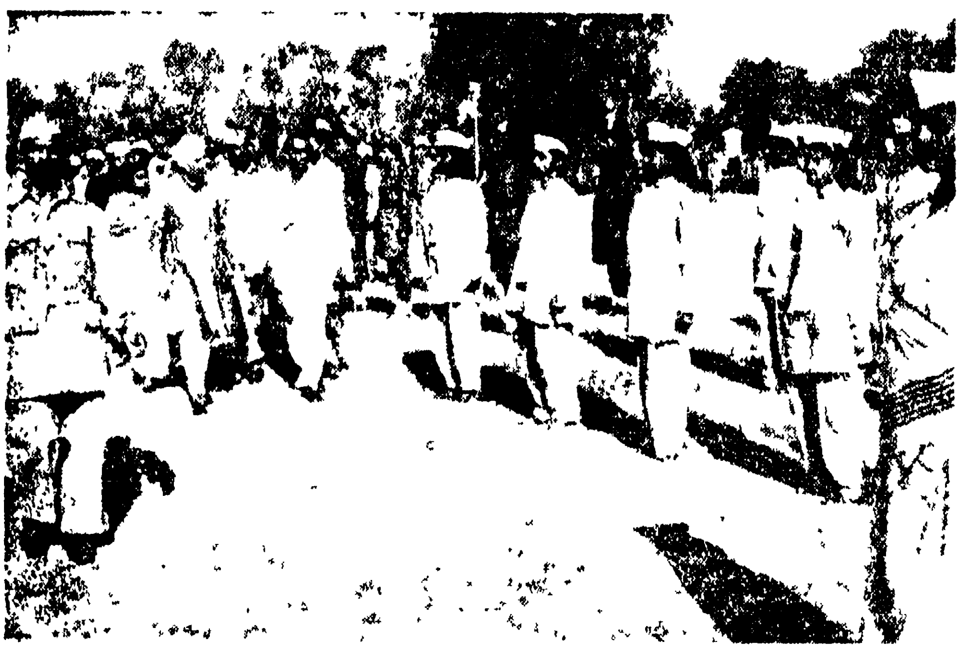
"ڈاک بنگلہ"

مسٹر صادق جو اس سے قبل "رتنا" جیسی غیر فانی تصویر تیار کر چکے ہیں۔ انھوں نے حال ہی میں "ڈاک بنگلہ" کے نام سے ایک جدید تصویر تیار کی ہے جس میں ثریا، واسطی، اسمٰعیل، گوپ، شہزادی اور رام پیاری وغیرہ نے کام کیا ہے۔

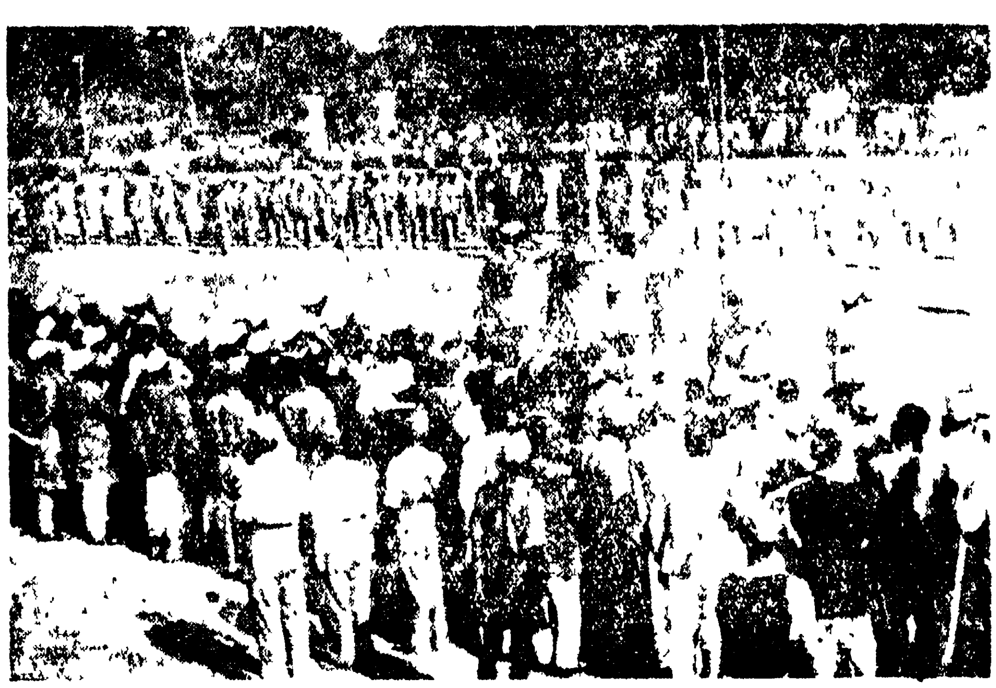
شمع ویکلی کثیر الاشاعت اور مقبول اخبار ہے اس لئے اس میں اشتہار دینا خاطر خواہ فائدہ مند ہے



میرٹھ کانگریس کے موقع پر سرخپوشوں کی پریڈ



زنانہ والنٹیر دستہ لیڈروں کو گارڈ آف آنر پیش
کررہی ہیں



میرٹھ میں قومی جھنڈا لہرانے کی رسم
کا ایک منظر



مولانا آزاد اجلاس کانگریس میں تقریر کر رہے ہیں



آچاریہ کرپلانی خطبہ صدارت پڑھ رہے ہیں

میرٹھ



کانگریس نگر میں پنڈت پیارے لال شرما کے مجسمہ کی نقاب کشائی کے موقع پر پنڈت جواہرلال نہرو تقریر کر رہے ہیں



سبجکٹ کمیٹی کے اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو رزولیوشن پر تقریر کر رہے ہیں